کا

تحقیقی و تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر محمد قاسم فکتو

دارالاندلس

پبلیشر و ڈسٹری بیوٹر

اسلام کی نشر و اشاعت کا مرکز

Dar-ul-Andlus

Publisher & Distributor

Publication House of Islamic literature

ہیڈ آفس

+92-42-37140332 +92-322-4006412

dar_ul_andlus@yahoo.com

darulandlus_research@hotmail.com

مرکزی شو رومز

چوبرجی: 4- لیک روڈ چوبرجی لاہور +92-42-37230549

اردو بازار: حلیمہ ہادیہ سنٹر دوکان نمبر 44-43 اردو بازار لاہور +92-42-37242314

ٹیمپل روڈ: مرکز اقصیٰ A-94 ٹیمپل روڈ لاہور +92-42-37231504

مریدکے: بالمقابل مین گیٹ مرکز طیبہ مرید کے +92-42-37390646

اسلام آباد: جامع مسجد قباء I-8 مرکز اسلام آباد +92-51-4866832

کراچی: بالمقابل سفاری پارک گلشن اقبال کراچی +92-21-34835502

دارالاندلس کے سٹاکسٹ اور سیل پوائنٹ

گوجرانوالہ دارالکتب، بالمقابل گورنمنٹ سٹی کالج برائے خواتین اردو بازار نمبر1 گوجرانوالہ 0300-0407495, 0322-4074195 ـ مکتبہ نعمانیہ، اردو بازار، گوجرانوالہ 055-4235072 ـ **سیالکوٹ** الفرقان اسلامک سنٹر، بانو بازار، نزد چوک شہیداں، سیالکوٹ 052-4593662 ـ **گجرات** دارالایمان، الٰہی مارکیٹ فوارہ چوک، گجرات 0364-4871234, 0314-4402110 ـ **راولپنڈی** مکتبہ عائشہ صدیقہ، کمیٹی چوک، اقبال روڈ، راولپنڈی 0321-9596981, 051-5551014 ـ تسجیلات طیبہ، دوکان نمبر 267/A کشمیری بازار، راولپنڈی 0321-5152015, 051-5535168 ـ البلاغ، اوپل چوک نزد بینک اسلامی مین شاہ ولی کالونی روڈ، واہ کینٹ، راولپنڈی 0343-8556689, 051-4541148 ـ **اسلام آباد** البلاغ، شالیمار سنٹر F-8 مرکز اسلام آباد 0300-5205060, 051-2281420 ـ البلاغ، عدن پلازہ G-10 مرکز اسلام آباد 0300-5205060, 051-2224146-7 ـ **لاہور** البلاغ، 4- لوئر گراؤنڈ مارکیٹ پلازہ جیل روڈ، لاہور 042-35717842-3, 0300-8880450 ـ البلاغ، 6- لوئر گراؤنڈ نیو لبرٹی ٹاور ماڈل ٹاؤن لنک روڈ، لاہور 0300-6112240, 042-35942233 ـ **ملتان** مکتبہ امام بخاری، نزد 9 نمبر ہائی ایس سٹینڈ خانیوال روڈ چوک کمہاراں، ملتان 0311-6223632, 0307-6434055 مکتبہ دارالاندلس، نزد تھانہ بوہڑ گیٹ، ملتان 0300-6302622, 061-4541229 ـ **پشاور** اقصیٰ کیسٹ و کتب خانہ، اہل حدیث سٹریٹ، فوارہ چوک صدر، پشاور 0321-9307877 ـ **خانیوال** حفیظ بک سنٹر، حفیظ مارکیٹ ابوبکر صدیق روڈ، خانیوال 0300-6892968, 065-2552035 **اوکاڑہ** مکتبہ تفہیم السنۃ، غازی آباد روڈ، 13 شیر ربانی ٹاؤن، اوکاڑہ 0303-3931300 ـ **رحیم یار خان** مکتبہ ام القریٰ، ابوظہبی روڈ جناح پارک، رحیم یار خان 0333-4450817 ـ **فیصل آباد** مکتبہ دارالاندلس، مرکز خیبر، نشاط آباد مل فیصل آباد 0321-7612118, 0321-7985685 ـ

رابطہ برائے مارکیٹنگ: +92-322-4005335

+92-322-4006412

کا

تحقیقی و تنقیدی جائزہ

فتنہ انکار حدیث

ڈاکٹر محمد قاسم فکتو

غامدی نظریات

کا

تحقیقی و تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر محمد قاسم فکتو

سرورق.......................... ظہیر الدین بابر

کمپوزنگ و تزئین.......................... محمد بن جعفر

دارالاندلس
پبلیشر و ڈسٹری بیوٹر
اسلام کی نشر و اشاعت کا مرکز
Head Office: +92-42-37140332
+92-322-4006412
Email: dar_ul_andlus@yahoo.com | darulandlus_research@hotmail.com

فہرست

○ عرض ناشر 15

توجہ طلب

انکارِ ختم نبوت اور انکارِ حجیت حدیث

○ ایمان بالرسالت محمدیہ کے ارکان 20
○ فتنہ انکار ختم نبوت اور فتنہ انکار حجیت حدیث 21
○ فرمان نبوی اور فتنہ انکار ختم نبوت، تاریخ واسباب 27
○ مسیلمہ کذاب منکر رسالت محمدیہ نہیں تھا 27
○ مسیلمہ کے الہام 28
○ دعوائے نبوت 31

غیر تشریعی نبوت کا دعویٰ...... قادیانی دجل وفریب ہے

○ تشریعی نبوت کا دعویٰ 35
○ ظلی اور بروزی نبوت کا دعویٰ......یعنی میں محمد رسول اللہ ہوں 36
○ قادیانی اور لاہوری فرقوں میں کوئی فرق نہیں ہے 38
○ محمد علی لاہوری اور اس کی جماعت کا عقیدہ 38
○ غلام احمد قادیانی صوفی نہیں انگریزوں کے آلہ کار تھے 39
○ جاوید احمد غامدی کی مضحکہ خیز حالت 41
○ مدعی نبوت اور منکر حجیت حدیث میں واضح مماثلت 42
① وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام اور انکارِ نزول عیسیٰ علیہ السلام، قادیانی نظریہ 43

○ وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام اور انکارِ نزول عیسیٰ علیہ السلام، غامدی نظریہ 43
④ تنسیخ جہاد، قادیانی نظریہ 44
○ تنسیخ جہاد، غامدی نظریہ 44
⑤ اجماع امت، قادیانی نظریہ 44
○ اجماع امت، غامدی نظریہ 45
○ کلمہ گو کی تکفیر کا مسئلہ 46

فتنہ انکار حجیت حدیث (تاریخ واسباب)

○ فتنہ انکار حجیت حدیث (تاریخ واسباب) 51
○ خوارج اور معتزلہ کا انکار حدیث 54
○ فرقہ جہمیہ 54
○ فرقہ معتزلہ 55
○ برصغیر پاک وہند میں فتنہ انکار حدیث کی تاریخ 57
○ دین سے انحراف 59
○ انکار حدیث کے داخلی اسباب 62
○ انکار حدیث کے خارجی اسباب 66
○ مستشرقین کی حدیث کے متعلق آراء 67
○ حرف مطلب 71
○ جاوید احمد غامدی کے گمراہ کن نظریات 78
○ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ 78

فتنہ انکار حدیث کے بنیادی محرکات

○ فتنہ انکار حدیث کے بنیادی محرکات 80

اسلام میں عقیدۂ رسالت کی مرکزیت

○ اسلام میں عقیدۂ رسالت کی مرکزیت 82

○ ابلیس کا خدا پر یقین.. 87
○ ابلیس کا آخرت پر یقین.. 87
○ سورۃ البقرہ کی آیت ۶۲ اور نظریہ وحدتِ ادیان.. 89
○ سورۃ البقرہ کی آیت ۶۲ کے متعلق مفسرین کے اقوال.. 92
○ عقیدۂ رسالت اور اسلام.. 93
○ انسان کی فطرت میں توحید کی معرفت.. 94
○ انسان کی فطرت میں رسالت کی معرفت.. 95
○ رسول توحید اور شرک کے درمیان تمیز کرتے ہیں.. 97
○ عقیدۂ رسالت کی اہمیت.. 101
○ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آؤ.. 102
○ ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ سب کے پیروکار رسول اللہ پر ایمان لانے کے پابند.. 105
○ اہل کتاب کو قرآن مجید پر ایمان نہ لانے پر اللہ تعالیٰ کی وعید.. 109
○ رسول اللہ ﷺ کی رسالت ہمہ گیر اور عالمگیر ہے.. 110
○ سیدنا رسول اللہ قیامت تک فریضۂ انذار انجام دیں گے.. 119
○ پہلے رسالت کا دعویٰ پھر توحید کی تبلیغ.. 123
○ نبی ﷺ کو اعلان رسالت کا حکم.. 124
○ وحی کی بنیاد پر توحید کی تبلیغ اور انذار.. 125
○ خلاصہ.. 127

رسالت کا انکار کرنے والے کافر ہیں

○ رسالت کا انکار کرنے والے کافر ہیں.. 134
○ کفر کے معنی.. 135
○ کفر اکبر کی چھ صورتیں.. 136
① کفر تکذیب.. 136

○ کفر تکذیب کی چند صورتیں 137
② کفر جحود 138
③ کفر استکبار 139
④ کفر نفاق 139
⑤ کفر اعراض 140
⑥ کفر شک 140
○ قرآن مجید کے مطابق انسان مومن ہے یا کافر 141
○ سیدھی راہ 142
○ انعام پانے والوں کی راہ 142
○ انعام پانے والے کون ہیں 142
○ نہ کہ مغضوب اور ضالین کی راہ 143
○ ایمان لانے والے مومن ہیں 143
○ ایمان نہ لانے والے کافر ہیں 144
○ آدم علیہ السلام سے نوح علیہ السلام تک اسلام کی تاریخ 147
○ نوح علیہ السلام کا اعلان رسالت 149
○ توحید کی دعوت اور انذار 150
○ قوم کے سرداروں (کافروں) کا جواب 150
○ نوح علیہ السلام کا ایمان والوں کے متعلق جواب 150
○ مشرکین (کافر) 151
○ یہود (کافر) 151
○ عیسائی (کافر) 151
○ بعض رسولوں کو ماننے اور بعض کو نہ ماننے والے (کافر) 151
○ منافق (کافر) 152

○ مرتد (کافر) 153

○ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لانے والے کافروں کی سزا 156

○ ایمان لانے والوں نے حق کی اور کفر کرنے والوں نے باطل کی پیروی کی 156

اسلام صرف عرب ادیان پر غالب ہونے کے لیے آیا ہے یا تمام دنیا کے ادیان پر؟

○ اسلام صرف عرب ادیان پر غالب ہونے کے لیے آیا ہے 160

○ اسلام دین حق ہے یا نہیں؟ 166

○ کیا سیدنا رسول اللہ ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں؟ 174

○ "لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ" اور فرمان نبوی 179

○ مصالحت کس قیمت پر 184

○ زنا پر سزا 186

○ عورتوں کا پردہ 186

○ داڑھی 186

○ موسیقی 187

○ سود 187

○ نزول عیسیٰ 187

○ مرتد 187

○ عورت کی امامت 187

احادیث نبوی کی تشریعی حیثیت

○ احادیث نبوی کی تشریعی حیثیت 189

○ اسلام 191

○ وحی کی تابع داری کا حکم 193

○ پہلی شہادت 195

○ دوسری شہادت 196
○ تیسری شہادت 196
○ چوتھی دلیل 197
○ پانچویں شہادت 197
○ چھٹی شہادت 198
○ ساتویں شہادت 198
○ آٹھویں شہادت 199
○ نویں شہادت 199

وحی، حدیث/سنت، حکمت

○ وحی (لغوی معنی) 201
○ قرآن مجید میں لفظِ ''وحی'' کے لغوی استعمالات 201
○ وحی (اصطلاحی معنی) 202
○ قرآن مجید میں لفظِ ''وحی'' کے اصطلاحی استعمالات 202
○ حدیث (لغوی معنی) 204
○ حدیث (اصطلاحی معنی) 204
○ سنت (لغوی معنی) 204
○ سنت (اصطلاحی معنی) 204
○ حدیث 205
○ سنت 207
○ حکمت (لغوی معنی) 208
○ حکمت (اصطلاحی معنی) 209
○ وحی تمام کی تمام پہنچانے کا حکم 212
○ جاوید احمد غامدی کا اسلام 215
○ اصل بحث 217

- عبادات 222
- معاشرت 222
- خور ونوش 222
- رسوم وآداب 222
- سنت یہی ہے 223
- سنت اور حدیث اہل سنت کی مسلمہ اصطلاح ہے 226
- حدیث رسول سے انحراف کا آغاز 226
- ائمہ سلف وخلف اور سنت کے معانی 228
- احناف کے نزدیک سنت کے معانی 228
- مالکیہ کے نزدیک سنت کے معانی 228
- مغاربہ کے نزدیک سنت کی تعریف 229
- بغدادی کے نزدیک سنت کی تعریف 229
- شوافع کے نزدیک سنت کے معنی 229
- حنابلہ کے نزدیک سنت کے معنی 229
- اصول فقہ میں سنت کے معنی 230
- امام بیضاوی اور سنت کے معنی 230
- تقی الدّین سبکی اور سنت کے معنی 230
- کمال بن ہمام اور سنت کے معنی 230
- شوکانی اور سنت کے معنی 230
- سنت کے نبوی معنی 231
- احادیث نبوی سے متعلق جاوید احمد غامدی کے نظریات 234

کیا قرآنی احکام پر حدیث کے بغیر عمل ہوسکتا ہے؟

- صلوٰۃ (نماز) 236

○ زکوۃ 246
○ مصارف زکوۃ 248
○ صوم (روزہ) 249
○ حج 253
○ خلاصۂ کلام 253
○ سنت/حدیث کی تشریعی حیثیت پر اعتراض 256
○ امام شافعی رحمہ اللہ کا جواب 256
○ سنت/حدیث کی ضرورت 256
○ ائمہ اربعہ اور حجیت حدیث 260
○ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حجیت حدیث 261
○ امام مالک رحمہ اللہ اور حجیت حدیث 261
○ امام شافعی رحمہ اللہ اور حجیت حدیث 262
○ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور حجیت حدیث 262
○ شریعت کی اصل کتاب وسنت ہے 263
○ اللہ اور رسول کا فیصلہ آخری ہے 264
○ سنت کی حیثیت 265
○ قرآن وحدیث میں کوئی تعارض نہیں 267
○ حدیث/سنت کے بغیر کچھ نہیں 268
○ سیدنا رسول اللہ ﷺ مجدد نہیں رسول ہیں 269
○ ملت اور شریعت میں فرق 271
○ حجیت سنت کے دلائل 289
① عصمت نبوی 290
② صحابہ کا سنت کو مضبوطی سے پکڑنا 292

③ قرآن مجید 293

④ سنت نبوی 302

⑤ سنت کے بغیر صرف تنہا قرآن پر عمل کا ناممکن ہونا 306

⑥ سنت کی دو قسمیں (وحی اور بمنزل وحی) 309

⑦ اجماع 310

○ حفاظت اور تبلیغ حدیث 314

○ حفاظت قرآن بھی اور حفاظت حدیث بھی 316

○ حدیث کی حفاظت کی صورتیں 319

○ حدیث لکھنے کی ممانعت 322

○ احادیث لکھنے کی اجازت 326

○ حفاظ حدیث تابعین 336

○ حفاظ حدیث تبع تابعین 336

حدیث نبوی سے قرآن کے کسی حکم کی تحدید یا تخصیص کا مسئلہ

○ حدیث نبوی سے قرآن کے کسی حکم کی تحدید یا تخصیص کا مسئلہ 338

کیا آیت حجاب وقتی تدبیر تھی؟

○ کیا آیت حجاب وقتی تدبیر تھی؟ 346

○ حیا کی تعلیم 349

○ اہم سوال 351

○ ”اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ“ کے متعلق امین احسن اصلاحی کا فیصلہ 352

○ پردہ شرعی حکم ہے 353

○ پردہ کرنا شرعی حکم ہے 357

○ گھر کے اندر عورت کا پردہ 362

○ گھر سے باہر عورت کا پردہ 362
○ چادر کے بغیر عورت کی نماز نہیں ہوتی 362
○ ”وقتی تدبیر“ اور جنت سے محرومی 363

کیا صحابہ رضی اللہ عنہم سے داڑھی کے متعلق فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھنے میں غلطی ہوگئی؟

○ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم سے داڑھی کے متعلق فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھنے میں غلطی ہوگئی؟ 367
○ داڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت 375
○ داڑھی کے متعلق ائمہ اربعہ کا فتویٰ 376
○ داڑھی کے متعلق علمائے اسلام کا فتویٰ 376
○ یہود کو خوش کرنے کی کوشش 380
○ نصاریٰ کو خوش کرنے کی کوشش 380
○ ہندوؤں کو خوش کرنے کی کوشش 380
○ وحدتِ ادیان کے علمبرداروں کو خوش کرنے کی کوشش 381
○ قادیانیوں کو خوش کرنے کی کوشش 381
○ عالم کفر کو خوش کرنے کی کوشش 381
○ منکرین حدیث کو خوش کرنے کی کوشش 381
○ مستشرقین اور ان کے ہم خیال لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش 381
○ سیکولر عناصر کو خوش کرنے کی کوشش 382
○ بے ریش مردوں اور بے پردہ خواتین کو خوش کرنے کی کوشش 382
○ اسلام سے مرتد ہونے والوں کو خوش کرنے کی کوشش 382
○ مؤلف کا تعارف 383

عرضِ ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، أَمَّا بَعْدُ!

قرآن و حدیث دین اسلام کے دو بنیادی ستون ہیں۔ ان دونوں میں سے حدیث کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ قرآن کریم جس قسم کا انسانی معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے جو تہذیب و تمدن انسانوں کے لیے پسند کرتا ہے اور جن اخلاقی اقدار و روایات کو فروغ دینا چاہتا ہے اس کے بنیادی اصول ہر چند قرآن کریم میں بیان کر دیے گئے ہیں، تاہم اس کی عملی تفصیلات و جزئیات احادیث اور سیرتِ رسول ﷺ ہی نے مہیا کی ہیں۔ اس لیے یہ اسوۂ رسول (اسوۂ حسنہ) جو احادیث کی شکل میں محفوظ و مدوّن ہے، ہر دور کے مسلمانوں کے لیے بیش قیمت خزانہ رہا ہے۔ اس اتباعِ سنت اور پیروی رسول کے جذبے نے مسلمانوں کو ہمیشہ الحاد و بے دینی سے بچایا ہے، شرک و بدعت کی گرم بازاری کے باوجود توحید و سنت کی شمع کو روشن رکھا ہے۔

آج جو لوگ سنت رسول ﷺ کی تشریعی حیثیت کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں وہ دراصل اتباعِ سنت کے اسی جذبے کو ختم کرنا چاہتے ہیں جو قرآنِ کریم کے تیار کردہ مسلم معاشرے کی روح اور بنیاد ہے۔ چنانچہ ہمارے معاشرے کا یہی وہ طبقہ ہے جو اپنے لبرل نظریات اور اباحیت پسندانہ رویے کی وجہ سے حدیث رسول کی حجیت کا مخالف ہے اور صرف قرآن کریم کی پیروی کے نام پر مغربی افکار و تہذیب کو فروغ دینا چاہتا ہے۔

پچھلے ادوار میں بھی اگرچہ انکارِ حدیث کا یہ فتنہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے، لیکن جو عروج اسے موجودہ زمانے میں حاصل ہوا اس سے قبل نہ ہوا، اس کے پیچھے ایک منظّم سازش کار فرما ہے۔ دراصل یہ گروہ حدیث کی تشریعی حیثیت کو مشکوک قرار دے کر یا اس کی اہمیت کو کم کر کے دین اسلام کا ایک تحریف شدہ نیا ایڈیشن پیش کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ ان باطل اور

گمراہ کن نظریات کے حامل افراد کو نظریاتی اساس مستشرقین اور غیر مسلم دانشور طبقہ فراہم کر رہا ہے، تا کہ دین اسلام کو دوسرے ادیان کے مقابلے میں جو اخلاقی برتری اور امتیاز حاصل ہے وہ ختم ہو جائے اور اس طرح ان کا بین المذاہب ہم آہنگی اور برابری کا خواب پورا ہو جائے۔

اسلام کی ابتدائی دو صدیوں کے بعد انکارِ حدیث کے فتنے کا جزوی آغاز ہوا اور گزشتہ ڈیڑھ صدی پہلے احادیث کی حجیت پر اعتراضات اور ذخیرۂ احادیث کو مشکوک قرار دینے کا سلسلہ ایک منظم طریقے کے ساتھ شروع ہوا اور ایک سازشی ٹولے نے مسلمانوں کو ان کی تہذیب و معاشرت سے محروم کرنے کی کوشش کی، تا کہ مسلم معاشرہ اسلامی اقدار و روایات سے بیگانہ ہو کر تہذیب جدید کو اپنا لے۔

برصغیر میں اس گروہ کے سرخیل حمید الدین فراہی، امین احسن اصلاحی اور جاوید احمد غامدی ہیں، ان کے گمراہ کن اور باطل نظریات کی بدولت لبرل اور جدت پسند طبقے میں انکارِ حدیث کے نظریات پروان چڑھ رہے ہیں۔

حمید الدین فراہی جنھوں نے سب سے پہلے قرآن کی شرح وتفسیر میں کلام شعرائے عرب اور لغتِ عرب کو احادیث کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی اور راجح قرار دیا، بلکہ احادیث کے مقابلے میں اسی کو ترجیح دی۔ علاوہ ازیں احادیث کو مشکوک اور ناقابل اعتماد ٹھہرایا گیا اور ان کی تشریعی حیثیت سے انکار کیا گیا۔ مولانا امین احسن اصلاحی حمید الدین فراہی کا سب سے زیادہ ہونہار شاگرد اور ان کے افکار کا سب سے بڑا شارح سمجھا جاتا ہے۔ جاوید احمد غامدی مولانا اصلاحی کا قابل شاگرد اور اس کے گمراہ کن نظریات کا مجدد ہے، بلکہ اس کی بنا کردہ ٹیڑھی اساس پر ردّے پر ردّے چڑھا کر اس کجی اور ٹیڑھ پن کو بلندی تک پہنچانے کا کارنامہ سرانجام دے رہا ہے۔

احادیث کی تشریعی حیثیت کو قبول کرنے کے لیے نئی اصطلاحات اور منفرد اصول حدیث ایجاد کیے گئے۔ محدثین کے وضع کردہ مسلمہ اصول حدیث پر اس خطرناک وار کے بعد احادیث کو مشکوک اور ناقابل اعتماد قرار دینے کی راہ ہموار کی گئی اور احادیث کے جزوی انکار

کے بعد کلی انکار کا جرأت مندانہ بیانیہ سامنے آیا۔ انکار کا یہ سلسلہ ضلالت احادیث سے مأخوذ عبادات تک ہی محدود نہ رہا بلکہ معاملات، حرام و حلال اور حدود و تعزیرات کے جملہ احکام میں تبدیلی اور ترمیم کی باتیں کی جانے لگیں اور پھر من پسندانہ ترجمہ و تشریح کا دروازہ کھلا۔ اس طرح دین اسلام کے قابل اعتماد، مستند اور معتبر مأخذ کو ناقابلِ اعتماد، غیر مستند اور غیر معتبر قرار دینے کا شور بلند ہوا۔

ان گمراہ کن اور باطل نظریات کی تردید اور بیخ کنی کرنے والے قافلۂ علمائے حق میں عصر حاضر کی ایک نمایاں شخصیت ڈاکٹر محمد قاسم فکتو صاحب ہیں، جنھوں نے منہج سلف کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہوئے اپنے نوکِ قلم سے فتنۂ غامدیت کا خوب پوسٹ مارٹم کیا ہے۔

انھوں نے ''غامدی نظریات کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ'' کے نام سے ایک قابلِ ذکر کتاب مرتب کی ہے، جس میں انھوں نے فتنۂ انکارِ حدیث کی تاریخ، وجوہات اور اس کے منفی اثرات، عقائد سے متعلق غامدی کے باطل نظریات، ارتداد، کفر، یہود و نصاریٰ اور ہنود سے متعلق غامدی کی یاوہ گوئی، داعیان نبوت خاص طور پر مرزا قادیانی کے دفاع میں غامدی کی ہفوات کا قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل رد کیا ہے۔

فاضل موصوف سوپور کشمیر میں پیدا ہوئے، اسلامیہ کالج سری نگر سے کامرس میں گریجویشن کی، مولوی فاضل، ایم اے (علومِ اسلامیہ)، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگری کشمیر یونیورسٹی سے حاصل کی۔ دینی تعلیم کے حصول کے لیے کشمیر کی مذہبی شخصیات اور معروف اسکالرز کی شاگردی اختیار کی۔

جب عملی زندگی کا آغاز کیا تو تحریک آزادیٔ کشمیر اپنے جوبن پر تھی، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی خداداد صلاحیتیں اور توانائیاں دین اسلام کی ترویج اور تحریک آزادی کی تقویت کے لیے وقف کر دیں۔ تحریک آزادی کے ساتھ فکری وابستگی اور اس کی کامیابی کے لیے عملی اقدامات کے جرم کی پاداش میں انھیں جیل جانا پڑا، اور اسی جرم کی بنا پر انھیں تاحیات قید کی

غیر منصفانہ اور وحشیانہ سزا سنائی گئی اور وہ گزشتہ چوبیس سال سے سری نگر جیل میں پابند سلاسل ہیں۔ انھوں نے اسیری کے ایام تعلیم و تعلّم اور درس و تدریس ایسے مقدس مشن میں لگا دیے اور اس دوران وہ متعدد قابلِ ذکر تصنیفات قارئین کی نذر کر چکے ہیں، ان کی علمی و تحقیقی خدمات کو اہل علم حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

فاضل موصوف کے خاندان نے تحریک آزادی کشمیر کے لیے قربانیوں کی لازوال داستان رقم کی ہے۔ ان کی اہلیہ محترمہ آپا جی آسیہ اندرابی موجودہ تحریک آزادی میں اپنے اسیر خاوند کے شانہ بشانہ شریک سفر ہیں۔ ان دونوں کا بے مثال کردار اہل کشمیر کے لیے مشعلِ راہ اور امید کی کرن ہے۔

ایک طرف محترم ڈاکٹر صاحب تحریری میدان میں جہاد بالقلم کر رہے ہیں اور اپنی تحریروں کے ذریعے نوجوان نسل میں آزادی کی روح پھونک کر جذبہ جہاد زندہ کر رہے ہیں اور دوسری طرف آپا جی آسیہ اندرابی غاصب انڈین آرمی کے مظالم کے خلاف عملی میدان میں Iron Lady کا کردار ادا کر رہی ہیں۔ یہ دونوں شخصیات کشمیری یوتھ کے لیے Symbol of Freedom کا عملی نمونہ پیش کر رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ محترم ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں برکت عطا فرمائے، ان کی عملی اور دینی خدمات قبول فرمائے، انھیں جیل کے مصائب و امتحانات میں ثابت قدم رکھے، انھیں جلدی رہائی نصیب فرمائے اور ان کی تحریروں کو آزادی کے متوالوں کے دلوں میں روحِ جہاد، جذبہ آزادی اور دین سے لگن پیدا کرنے کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

محتاج دعا

جاوید الحسن صدیقی

مدیر دار الاندلس

یکم شعبان ۱۴۳۸ھ

سبیل المومنین کا اتباع

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾

[النساء : ۱۱۵]

”جو شخص باوجود راہِ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول ﷺ کے خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے تو ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت بُری جگہ ہے۔“

توجہ طلب

انکار ختم نبوت اور انکار حجیت حدیث

اسلام میں عقیدہ رسالت محمدیہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام کے باقی تمام عقائد اس عقیدۂ رسالت کے ساتھ ہی عند اللہ مقبول ہیں۔ یعنی ایک شخص اسی عقیدہ رسالت سے اسلام میں داخل ہوسکتا ہے، اس لیے ظاہر بات ہے اگر کوئی کلمہ گو اس عقیدہ کے کسی ایک رکن سے منحرف ہوتا ہے تو وہ عقیدہ توحید، عقیدہ آخرت اور باقی عبادات کی پابندی کے باوجود بھی اسلام سے خارج ہو کر مرتد ہو جاتا ہے۔ ہم یہاں ایمان بہ رسالت محمدیہ کے چار بنیادی ارکان بیان کریں گے۔ پھر ان میں دو ایسے ارکان پر تفصیلی بات کریں گے جن کا انکار کر کے بعض منحرفین نے پہلی اور دوسری صدی ہجری میں اور پھر تیرھویں صدی ہجری میں فتنے برپا کیے۔

ایمان بالرسالت محمدیہ کے چار بنیادی ارکان ہیں۔ یہ باہم اس طرح مربوط ہیں کہ ان میں ایک کا بھی انکار کیا جاتا ہے تو باقی تین ارکان کی تصدیق بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے، یعنی ان چار ارکان میں کسی بھی ایک رکن کے انکار سے عقیدہ رسالت کی معنویت ہی ختم ہو جاتی ہے۔

ایمان بالرسالت محمدیہ کے ارکان:

① محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَ

إِنْ تَكْفُرُوْا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾

[النساء : ۱۷۰]

"اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے حق لے کر رسول آ گیا ہے۔ پس تم ایمان لاؤ تا کہ تمھارے لیے بہتری ہو اور اگر تم کافر ہو گئے تو اللہ ہی کی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ دانا ہے حکمت والا ہے۔"

② رسول اللہ ﷺ جو کچھ لے کر آئے ہیں اس پر ایمان:

﴿وَمَا آتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [الحشر : ۷]

"اور تمھیں جو کچھ رسول دے لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔"

③ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الأحزاب : ٤٠]

"(لوگو!) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد نہیں لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے۔"

④ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع فرض ہے:

﴿وَإِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ [النور : ٥٤]

"ہدایت تو تمھیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو، سنو! رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔"

فتنہ انکار ختم نبوت اور فتنہ انکار حجیت حدیث:

یہ دونوں فتنے ایک ہی گمراہی کے دو رخ ہیں۔ اوّل الذکر انکار سے سیدنا رسول اللہ کی

رسالت کی آفاقیت اور ابدیت ختم ہو جاتی ہے اور ثانی الذکر انکار سے سیدنا رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تشریعی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید میں جن ۲۵ انبیائے کرام اور رُسل عظام علیہم السلام کا تذکرہ آیا ہے، ان میں ہم صرف سیدنا ابراہیم، سیدنا موسیٰ، سیدنا عیسیٰ، سیدنا داوٗد علیہم السلام، اور سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہی یہ جانتے ہیں کہ ان پانچ اولو العزم رُسل پر صحیفے اور کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ باقی انبیائے کرام کے متعلق ہمیں معلوم نہیں ہے کہ آیا اُن پر بھی صحیفے اور کتابیں نازل ہوئی ہیں یا نہیں۔ جو بات اس حقیقت سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ نبی اور رسول کی نبوت یا رسالت کے لیے ضروری نہیں ہے کہ اُن پر کوئی صحیفہ یا کتاب نازل ہو۔ قرآن مجید میں جن پانچ رُسل عظام اور انبیائے کرام کی دعوتی اور تبلیغی کاوشوں کا تذکرہ آیا ہے اُن کی قوموں نے جب ان کی تکذیب کی اور تکذیب رسالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان قوموں پر عذاب نازل کیا، ان پانچوں ''سیدنا نوح، سیدنا ہود، سیدنا صالح، سیدنا شعیب اور سیدنا لوط علیہم السلام'' کے متعلق بھی قرآن مجید میں یہ بات نہیں آئی ہے کہ ان پر کوئی صحیفہ یا کتاب نازل ہوئی تھی جو اس بات کی شہادت ہے کہ وحی متلو ہو یا غیر متلو دونوں یکساں حجت ہیں اور یہ کہ وحی غیر متلو کے انکار پر بھی قوموں پر عذاب نازل ہوا ہے۔ کیونکہ انسان کا کفر انکار رسالت ہی سے شروع ہوتا ہے اور باقی اسلامی عقائد وعبادات کا انکار اسی انکار رسالت میں شامل ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر بھی تورات اس وقت نازل ہوئی جب فرعون مع متبعین غرق ہو چکا تھا۔ یعنی سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے وحی غیر متلو کے ذریعے ہی فرعون پر حجت قائم کی تھی۔ جو حقیقت ان رسل عظام اور انبیائے کرام جن کے بارے میں صحیفہ یا کتاب نازل ہونے کی بات قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئی ہے، معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی جو اس بات کی شہادت ہے کہ جو چیز نبوت ورسالت کی بنیاد ہے وہ وحی ہے، خواہ متلو ہو یا غیر متلو۔ اسی طرح یہ بات بھی قرآن مجید سے معلوم ہوتی ہے کہ جن رسل اور انبیاء کو صحیفے اور

کتابیں دی گئی ہیں ان پر ان صحیفوں اور کتابوں کے علاوہ بھی وحی نازل ہوتی تھی۔ وحی کے حوالے سے رُسل اور انبیاء کے متعلق قرآن مجید میں مندرجہ ذیل باتیں بیان ہوئی ہیں:

① تمام انبیائے کرام اور رُسل عظام پر وحی نازل ہوئی ہے۔

② تمام انبیائے کرام اور رُسل عظام پر صحیفے اور کتابیں نازل نہیں ہوئیں۔

③ جن انبیائے کرام اور رُسل عظام پر صحیفے اور کتابیں نازل ہوئی ہیں ان پر ان صحیفوں اور کتابوں کے علاوہ بھی وحی نازل ہوتی تھی۔

④ انبیائے کرام اور رُسل عظام کو وحی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھنے، وحی کا اتباع کرنے اور لوگوں تک وحی پہنچانے کے لیے فرمایا جاتا ہے۔

⑤ انبیائے کرام اور رُسل عظام وحی کی بنیاد پر ہی لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔

﴿وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾ [الشوریٰ: ۵۱]

''ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو چاہے وحی کرے، بے شک وہ برتر ہے حکمت والا۔''

﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ [النساء: ۱۶۳، ۱۶۴]

''یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی جیسے کہ نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی، اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب

اور ان کی اولادوں پر اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف۔ اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔ اور آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کیے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کیے اور موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔"

﴿وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ﴾ [الشعراء: ٥٢]

"اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو نکال لے چل تم سب پیچھا کیے جاؤ گے۔"

﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

[الزخرف: ٤٣]

"پس جو وحی آپ کی طرف کی گئی ہے اسے مضبوط تھامے رہیں، بے شک آپ راہ راست پر ہیں۔"

﴿اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

[الأنعام: ١٠٦]

"آپ خود اس طریق پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجیے۔"

﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾

[المائدة: ٦٧]

"اے رسول! جو کچھ بھی آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے، پہنچا دیجیے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا، بے شک اللہ کافر لوگوں کی رہبری نہیں کرتا۔"

سیدنا رسول اللہ ﷺ پہلے ایسے رسول نہیں ہیں جن پر دونوں طرح کی وحی (وحی متلو وغیر متلو) نازل ہوئی ہے۔ آپ ﷺ سے پہلے بھی ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور داؤد علیہم السلام پر اسی طرح دونوں قسم کی وحی نازل ہوئی ہے۔ اس شہادت کے بعد اس بات کی گنجائش کہاں باقی رہتی ہے کہ بعض لوگ وحی کی دو اقسام میں ایک کو قبول کریں اور ایک کو رد کریں، ایک سے دین میں عقائد واعمال ثابت مانیں اور ایک سے عقائد واعمال ثابت نہ مانیں اور ایک کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے قائل ہوں، ایک کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے قائل نہ ہوں؟ وہ بھی جب قرآن مجید (وحی متلو) ہی حدیث (وحی غیر متلو) کو بیانِ قرآن قرار دیتا ہے۔ [النحل: ٤٤] اور یہ کہ قرآن مجید ہی سے ثابت ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ دین کے بارے میں صرف وحی کی بنیاد پر ہی لب کشائی کرتے ہیں [النجم: ٤، ٣] اور عملاً صورت حال یہ ہے کہ قرآنی احکامات پر منشائے الٰہی کے مطابق عمل کرنا حدیث کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

پہلی اور دوسری صدی ہجری میں فتنہ انکار ختم نبوت کی وجہ قوم پرستی اور نفس پرستی بنی اور فتنہ انکار حدیث کی وجہ یونانی افکار ونظریات سے مرعوبیت اور عقل پرستی بنی۔ خلفائے اسلام اور علمائے اسلام نے ان دونوں فتنوں کو جن میں اول الذکر فتنے کی بنیاد مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی (مدعیان نبوت) نے اور ثانی الذکر فتنے کی بنیاد جہم بن صفوان اور واصل بن عطا (جہمیہ اور معتزلہ فرقوں کے بانی) نے ڈالی تھی، علمی اور عملی طور اس طرح ختم کر دیا کہ آج ان کا تذکرہ صرف کتابوں میں ہی ملتا ہے، مگر تیرھویں صدی ہجری میں جب برصغیر پاک وہند میں عقل پرستی اور نفس پرستی کی وجہ سے ان فتنوں کا احیاء ہوا تو اب کی بار ان فتنوں کو عالم کفر کی پشت پناہی، منافقین کی تائید اور ذرائع ابلاغ کی حمایت بھی حاصل تھی، اس لیے یہ پہلی اور دوسری صدی کے انکار ختم نبوت اور انکار حدیث کے فتنوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے۔ برصغیر پاک وہند میں ان فتنوں کی بنیاد بلاشبہ غلام احمد قادیانی مدعی نبوت اور عبداللہ

چکڑالوی منکر حدیث کے ہاتھوں پڑی، پھر غلام احمد قادیانی کے خلیفہ ثانی مرزا بشیر الدین محمود اور غلام احمد پرویز نے ان فتنوں کو پر و بال دیے اور اب قادیانی مبلغ فتنہ انکار ختم نبوت کو اور منکر حدیث جاوید احمد غامدی فتنہ انکار حجیت حدیث کو الفاظ کی مینا کاری، عبارت آرائی، مضمون نگاری اور زورِ انشاو شیریں بیانی سے تقویت پہنچا رہے ہیں۔

تاریخ اسلام میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی کوئی گمراہیوں کا تاجر اپنی گمراہیوں کے ساتھ بازار میں آتا ہے تو اس کو بدنصیب خریدار بھی میسر آتے ہیں، مسیلمہ کذاب سے لے کر غلام احمد قادیانی اور جہم بن صفوان سے لے کر غلام احمد پرویز تک ہم اس کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ پھر کیا ہوتا ہے:

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ﴾ [الأنبياء: ١٨]

”بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں، پس سچ جھوٹ کا توڑ ہوتا ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے۔ تم جو باتیں بناتے ہو وہ تمھارے لیے باعث خرابی ہیں۔“

جاوید احمد غامدی نے بھی تلامذہ اور عقیدت مندوں کا ایک حلقہ تیار کیا ہے، مگر ہم وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ جس طرح اہل علم کچھ سالوں سے ان کے گمراہ کُن نظریات کا علمی محاسبہ کر رہے ہیں، ان کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوگا جو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں مسیلمہ کذاب اور جہم بن صفوان کے ساتھ اور تیرھویں صدی میں غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز کے ساتھ ہوا ہے۔ مر جائیں گے تو ان کے یہ بازار بھی بے رونق ہو جائیں گے، ان کا کوئی نوحہ خواں بھی نہیں ہوگا اور ملت اسلامیہ سلف صالحین اور سبیل المومنین کی اطاعت واتباع میں اپنا سفر جاری وساری رکھے گی۔

ہم یہاں پہلے فتنۂ انکار ختم نبوت کا جائزہ لیں گے اور پھر فتنۂ انکار حدیث کا۔

فرمان نبوی اور فتنہ انکار ختم نبوت، تاریخ و اسباب:

« یومنوا بي و بما جئت به » [مسلم]

''مجھ پر ایمان لائیں اور ہر اس بات پر جو میں لے کر آیا ہوں۔''

مسیلمہ کذاب منکر رسالت محمدیہ نہیں تھا:

۱۰ ہجری میں اہل یمامہ کے بنی حنیفہ کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، وفد میں مسیلمہ بن حبیب الکذاب بھی تھا۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کیا، چند روز مدینہ میں ٹھہرے رہے اور اُبی بن کعب سے قرآن سیکھتے رہے۔ اس وفد کے لوگ تو اکثر خدمت نبوی میں حاضر ہوتے تھے، مگر مسیلمہ کذاب باجازت نبوی جائے قیام پر اسباب کی حفاظت کے لیے رہتا تھا۔ یہ وفد جب واپس یمامہ روانہ ہوا، وہاں پہنچ کر مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور لوگوں کو کہنے لگا کہ میں بھی محمد کے ساتھ نبوت میں شریک کر دیا گیا ہوں۔ یعنی اس بات کی بھی شہادت دی کی محمد رسول اللہ ﷺ بھی اللہ کے نبی ہیں۔

اس سال مسیلمہ کذاب نے سیدنا رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا کہ میں آپ کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہوں۔ خط کا مضمون کچھ یوں تھا:

''یہ خط مسیلمہ رسول کی طرف سے محمد کو لکھا جاتا ہے۔ سلام علیک! مجھے آپ (ﷺ) کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے، ہمارے لیے آدھی سرزمین اور قریش کے لیے آدھی۔''

سیدنا رسول اللہ ﷺ نے مسیلمہ کذاب کو اس خط کے جواب میں لکھا:

''یہ خط محمد کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام لکھا جاتا ہے۔ سلام ہو اس پر جس نے راہ راست کا اتباع کیا، اما بعد! ﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ [الأعراف: ١٢٨]

مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں، اسود عنسی نے یمن میں اور طلحہ نے بنی اسد میں اپنی نبوت

کا دعویٰ کیا۔ مسیلمہ کذاب سیدنا رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا منکر نہیں تھا بلکہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خود بھی مدعی نبوت تھا، بلکہ اس کے یہاں جو اذان دی جاتی تھی اس میں بھی "أشهد أن محمدا رسول الله" کا کلمہ شامل تھا۔

امام طبری لکھتے ہیں:

"مسیلمہ نبی کریم ﷺ کے نام پر اذان دیتا تھا اور اذان میں اس بات کی شہادت دیتا تھا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اس کا مؤذن عبداللہ بن نواحہ تھا اور اقامت کہنے والا مجیر بن عمیر تھا۔" [تاريخ طبري]

ظاہری طور پر اذان میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی شہادت دیتا تھا اور آپ ﷺ کا نام پکارا جاتا تھا اور ساتھ ہی مسیلمہ کذاب کی نبوت کی شہادت بھی دیتا تھا، جب شہادت کے الفاظ کے ادا کرنے کا موقع آتا تو مسیلمہ کذاب مجیر کو حکم دیتا کہ بلند آواز سے اعلان کرو، وہ زیادہ بلند آواز سے مسیلمہ کذاب کی تصدیق میں کلمات شہادت کہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے نہار الرحال کو اہل یمامہ کا معلم مقرر فرمایا تھا، کیونکہ اس نے قرآن مجید پڑھا تھا اور شرعی امور میں دستگاہ حاصل کی تھی۔ مگر وہ بدنصیب مرتد ہو گیا اور مسیلمہ کذاب کے ساتھ مل گیا اور بنی حنیفہ پر اس کے ارتداد کا مسیلمہ کے دعوائے نبوت سے کہیں زیادہ برا اثر پڑا۔ اس نے مسیلمہ کے لیے لوگوں کے سامنے اس بات کی جھوٹی شہادت دی کہ "میں نے محمد رسول اللہ ﷺ کو بیان کرتے سنا ہے کہ مسیلمہ کو میرے ساتھ نبوت میں شریک کر دیا گیا ہے۔"

مسیلمہ کے الہام:

"اے ٹرانے والے مینڈک! تو کس قدر ٹراتا ہے، نہ تو کسی کو پینے سے روکتا ہے اور نہ ہی پانی کو گدلا کرتا ہے۔"

"ہاتھی، اور کیا ہے ہاتھی اور تو کیا جانے ہاتھی کیا ہے۔ اس کی دم چھوٹی اور سونڈ لمبی ہے۔" [تاریخ طبری]

یہاں جاوید احمد غامدی کے لیے یہ سوال ہے کہ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو کافر نہیں کہا جا سکتا، پھر مسیلمہ کذاب کو قتل کیوں کیا گیا؟ ظاہر بات ہے اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر کبار صحابہ مسیلمہ اور اس کے ساتھیوں کو مسلمان مانتے تو ان کے خلاف جہادی مہم بھیج کر ان کو قتل کیوں کراتے؟ اُن کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کرنے کا حکم کیوں دیتے؟ اگر وہ یہ کہیں کہ ان کو قتل اس لیے کیا گیا کہ ان پر براہ راست رسول اللہ ﷺ نے اتمام حجت کیا اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد وہ کفر کی طرف پلٹ گئے اس لیے وہ "من بدل دینه فاقتلوه" [مقامات: ۲۸۰] اصول کی بنیاد پر قتل کیے گئے، مگر اس جواب سے عقل سلیم کے لیے ایک اور اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے، آخر وہ مرتد کیوں قرار پائے؟ مسیلمہ کذاب نے اللہ تعالیٰ اور آخرت کا انکار نہیں کیا تھا، اس نے محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا بھی انکار نہیں کیا تھا اور اس نے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسے فرائض کا بھی انکار نہیں کیا تھا، پھر بھی خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرنے کے لیے جہادی مہم روانہ کیوں کی؟ ہر وہ شخص جو عقل سے معذور نہ ہو اس بات کو تسلیم کرے گا کہ وہ اس لیے مرتد قرار پایا کہ اس نے دعوائے نبوت کیا تھا۔ جب ہر منصف مزاج انسان کا یہی جواب ہوگا پھر یہ اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسیلمہ کذاب ہی کی طرح اگر آج کوئی شخص دعوائے نبوت کرتا ہے تو کیا وہ مرتد قرار نہیں پائے گا؟ اگر کہا جائے کہ وہ مرتد اور کافر قرار نہیں پائے گا پھر لازماً وہ لوگ کافر قرار پائیں گے جو اس کی نبوت کی تصدیق نہیں کریں گے۔ عقل سلیم اور تاریخ نبوت سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی کی تصدیق اور نبی کی تکذیب کرنے والے دونوں گروہ بیک وقت مومن نہیں ہو سکتے۔ اگر جاوید احمد غامدی یہ کہیں کہ ہاں! دعوائے نبوت کرنے والا شخص مرتد ہو کر کافر ہو جاتا ہے تو اس صورت میں وہ اپنے اس خانہ ساز اصول کہ "نبی کے بعد کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا ہے" کی نفی کریں گے۔ اگر وہ کہیں کہ "دعوائے نبوت کرنے والا کافر نہیں ہوتا" پھر عقیدۂ ختم نبوت کے معنی کیا ہیں؟ جاوید احمد غامدی کا موقف غلام احمد قادیانی کے متعلق انتہائی شر انگیز اور گمراہ کن ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی بنیادی طور پر صوفی تھا، اس

نے دعوائے نبوت نہیں کیا۔

جاوید احمد غامدی کہتے ہیں:

''یہ جو مقام یا مرتبہ بیان کیا ہے بالکل یہی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب بنیادی طور صوفی تھے، تصوف سے ان کا اشتغال تھا۔ اسی طرح کے اوراد و وظائف، چلّے یہی چیزیں ان کے ہاں تھیں۔ انھی چیزوں کو وہ بیان بھی کرتے ہیں۔ اپنی کتابوں میں لکھتے بھی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میری نبوت سے مراد تشریعی نبوت نہیں، میں اصطلاحی نبی نہیں ہوں بلکہ بروزی نبی ہوں۔ نبوت کا ایک سایہ پڑ رہا ہے۔ نبوت کا ایک پرتو میرے اندر آرہا ہے۔ پھر کچھ دبی دبی باتیں ہوئیں، جن سے معلوم کرتا ہے کہ گویا وہ نبی بنا دیے گئے، لیکن میں آپ سے عرض کروں کہ خود مرزا غلام احمد صاحب کی تحریریں جتنی بھی ہیں ان میں بالصراحت نبوت کے دعویٰ کی کوئی تحریر نہیں، یعنی اسی طرح کی باتیں ہیں (صوفیانہ اصطلاحات)...... یہی وجہ ہے کہ اُن کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کی جماعت کے دو گروہ ہو گئے۔ ان کے قدیم ترین صحابہ ان کی اصطلاح کے مطابق۔ انھوں نے تو کہا کہ ایسا نہیں تھا بلکہ وہ مجدد تھے۔ یہ جو لاہوری جماعت ہے یہ اسی تعبیر پر وجود میں آئی۔ اور مرزا بشیر الدین محمود صاحب جو ان کے فرزند تھے، انھوں نے اصل میں اس کو زیادہ صریح کیا اور یہ کہا کہ نہیں! یہ قاعدہ یعنی، ورنہ معاملہ ٹھیک ہو جاتا۔ اتنا ہی وہ جتنا صوفیوں کا ہے۔''

فائدہ: جاوید احمد غامدی کا یہ بیان مرزائیوں نے اپنی کتاب میں شائع کیا ہے اور اس بیان کی ریکارڈنگ ادارہ (www.kitab-o-sunnat.com) کے پاس محفوظ ہے۔

غلام احمد قادیانی کے متعلق جاوید احمد غامدی کی اس لسانی شعبدہ بازی سے کئی سوال پیدا ہوتے ہیں۔ پہلے ہم یہاں ان کو نقل کریں گے، پھر ہم بتائیں گے کہ غلام احمد قادیانی کو صوفی کہنا اور یہ کہنا کہ انھوں نے دعوائے نبوت نہیں کیا جاوید احمد غامدی کی اپنی مجبوری ہے۔

① غلام احمد قادیانی صوفی قسم کے آدمی تھے، انھوں نے اپنی تحریروں میں کبھی دعوائے نبوت نہیں کیا ہے۔

نوٹ: یہاں تصوف اور صوفی اصطلاحات کی آڑ میں جاوید احمد غامدی غلام احمد قادیانی کا دفاع کر رہے ہیں مگر جب اہل تصوف پر بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں:

''ہمارے ہاں تصوف کی اصطلاح رائج ہے۔ یہ اس دین کے اصول ومبادی کے بالکل مختلف ایک متوازی دین ہے جس کی دعوت قرآن مجید نے بنی آدم کو دی ہے۔'' [برهان: ۱۸۱]

ہم اوپر مذکور اقتباس کے متعلق جن اہم باتوں پر شہادت پیش کریں گے وہ اس طرح ہیں:

① غلام احمد قادیانی کذاب نے خود دعوائے نبوت اپنی تحریروں میں کیا ہے۔

② غلام احمد قادیانی کذاب ان لوگوں کو کافر مانتے ہیں جو اُن کو نبی نہیں مانتے۔

③ غلام احمد قادیانی کذاب مفتری ہونے کی صورت میں اپنے آپ کو کافر مانتے ہیں۔

④ لاہوری جماعت کے تمام لوگ غلام احمد قادیانی کذاب کو نبی ہی مانتے ہیں۔

⑤ غلام احمد قادیانی برطانوی سامراج کے فعال اور متحرک آلہ کار تھے۔

دعوائے نبوت:

① ''سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔''

[دافع البلاء، طبع سوم قادیان، ص: ۱۱، ۱۹٤٦ء]

② ''میں رسول اور نبی ہوں، یعنی باعتبار ظلیت کاملہ کے۔ میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔'' [نزول مسیح، ص: ۳ (حاشیة) طبع اول، مطبع ضیاء الاسلام قادیان، ۱۹۰۹ء]

③ ''میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُس نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔'' [تتمة حقيقة الوحي، ص: ٦٨، مطبوعه

قادیان ١٩٣٤ء]

④ ''میں جب کہ اس مدت تک ڈیڑھ سو پیش گوئی کے قریب خدا کی طرف سے پا کر بہ چشم خود دیکھ چکا ہوں کہ صاف طور پر پوری ہو گئیں، تو میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں اور جب کہ خود اللہ تعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیوں کر رد کر دوں یا اس کے سوا کسی دوسرے سے ڈروں۔''

[ایک غلطی کا ازالہ، ص: ۸ مطبوعہ قادیان ۱۹۰۱ء]

⑤ ''خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام کا مظہر ٹھہرایا ہے اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کیے ہیں۔ میں آدم ہوں، میں شیث ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحٰق ہوں، میں اسمٰعیل ہوں، میں یعقوب ہوں، میں یوسف ہوں، میں عیسیٰ ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داوٗد ہوں اور آں حضرت کے نام کا میں مظہر اتم ہوں، یعنی ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں۔'' [حاشية حقيقة الوحي، ص: ٧٢، مطبوعه قاديان ١٩٣٤ء]

⑥ ''حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوئی اس میں سے ایسے الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں۔ نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا بار۔''

[ایک غلطی کا ازالہ، ص: ۱، ۱۹۰۲ء مطبوعہ قادیان]

⑦ ''ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔'' [اخبار بدر، ۵ مارچ ۱۹۰۸ء]

قرآن مجید کی بہت سی آیات جو صراحتاً آں حضرت ﷺ کی شان میں نازل ہوئی تھیں اُن کو غلام احمد قادیانی نے اپنے حق میں قرار دیا اور جو القابات اور امتیازات قرآن کریم نے سیدنا رسول اللہ ﷺ کے لیے بیان فرمائے تھے سب کے سب اُس نے اپنے لیے مخصوص کر لیے اور یہ کہا کہ مجھے بذریعہ وحی ان القاب سے نوازا گیا ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل آیات قرآنی:

① ﴿وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ﴾ [الأنبياء: ١٠٧]

② ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى﴾ [النجم: ٣، ٤]

③ ﴿وَدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا﴾ [الأحزاب: ٤٦]

④ ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ﴾

[الفتح : ۱۰]

⑤ ﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴾ [الفتح : ۱]

⑥ ﴿ يٰسٓ ۝ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴾ [یٰس : ۱ تا ۳]

⑦ ﴿ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴾

[المزمل : ۱۵]

[أربعين، ج ۳، ص: ۱۰۳ ـ ۲۸،۳۹،۷٤،۷۵ ـ حقيقة الوحي، ص: ۱۰۷،۹٤، ۸۰، ۷۹ ـ ریویو آف ریلیجنز، اپریل ۱۹۰٦ء، ص: ۱٦۳]

⑧ سورۃ الکوثر کے متعلق غلام احمد قادیانی دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ ان کے ایک مخالف نومسلم سعد اللہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، یعنی "إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ" سے مراد سعد اللہ ہیں۔ [أنجام آتهم، ص: ٥٤،٥٥]

⑨ سیدنا رسول اللہ ﷺ کے خصوصی اعزاز معراج کو بھی مرزا اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ میرے بارے میں کہا گیا ہے:

﴿ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾

[حقيقة الوحی، ص : ۷٦]

اسی معراج کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا ہے:

﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ﴾ [النجم : ۸، ۹]

مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ آیت بھی اپنی طرف منسوب کی ہے۔

[دیکھیے حقيقة الوحي، ص :۷٦]

⑩ قرآن کریم نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو آں حضرت ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا

لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ [الصف: ٦]

مرزا غلام احمد نے انتہائی جسارت اور ڈھٹائی سے دعویٰ کیا کہ اس آیت میں میرے آنے کی پیش گوئی کی گئی ہے اور ''احمد'' سے مراد میں ہوں۔ [ازالۃ الاوہام، طبع اول، ص ۶۷۳۔ طبع دوم، ص: ۱۷۵ مطبوعہ کاشی رام پریس لاہور ۱۳۰۸ء]

⑪ غلام احمد قادیانی نے اپنے انتقال کے دن اپنے عقیدے کا اظہار اس طرح کیا: ''میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں؟ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جب اس دنیا سے گزر جاؤں۔'' [اخبار عام، ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء]

غیر تشریعی نبوت کا دعویٰ...... قادیانی دجل وفریب ہے

تشریعی نبوت کا دعویٰ:

''ماسوائے اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے؟ جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر اور نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعہ ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں، کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام ''قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم ذالك ازكى لهم.'' (یہ براہین احمدیہ میں درج ہے) اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر تئیس برس کی مدت بھی گزر گئی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔ اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝ صُحُفِ إِبْرٰهِيمَ وَمُوسَىٰ﴾ یعنی قرآنی تعلیم توریت میں بھی موجود ہے اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء امر اور نہی کا ذکر ہو تو یہ بھی باطل ہے، کیونکہ اگر توریت یا قرآن شریف میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔ [اربعین، طبع چہارم، مطبوعہ ربوہ]

اسلام میں عقیدۂ ختم نبوت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اس عقیدے میں نبوت تشریعی وغیر تشریعی یا ظلی وبروزی نبوت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس طرح کا ہر دعویٰ

کذب، دجل اور کفر ہے اور اس بات پر سلف و خلف متفق ہیں۔

ظلی اور بروزی نبوت کا دعویٰ......یعنی میں محمد رسول اللہ ہوں:

① میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔

[نزول المسیح، ص: ۴۸۔ طبع قادیان ۱۹۰۹ء]

② میں بموجب آیت "وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ" بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا اور مجھے آں حضرت (ﷺ) کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آں حضرت کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا، کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد (ﷺ) ہوں پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی، کیونکہ محمد (ﷺ) کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی، یعنی بہر حال محمد ﷺ ہی نبی رہے اور نہ اور کوئی، یعنی جب بروزی طور پر آں حضرت ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینۂ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔

[ایک غلطی کا ازالہ، ص: ۱۱،۱۰، مطبوعہ ربوہ]

غلام احمد قادیانی کے اس ظلی اور بروزی دجل وفریب کو بھی سامنے رکھیے اور ہندوؤں کے نظریہ اوتارواد اور بعض گمراہ صوفیوں کے نظریۂ حلول پر بھی غور کیجیے۔ وہاں وشنو کرشن اور رام میں اور یہاں اللہ صوفیوں میں حلول کیے ہوئے ہے اور غلام احمد قادیانی میں (نعوذ باللہ) محمد رسول اللہ ﷺ جلوہ افروز ہیں۔ تناسخ، حلول اور ظلی و بروزی دجل تینوں ایک ہی چیز ہیں۔ جاوید احمد غامدی بتائیں کیا صوفی کو صوفی نہ ماننے سے ایک مسلمان کافر ہو جاتا ہے؟ کیا صوفی پر بھی ایمان لانے کی ضرورت ہوتی ہے؟ دعویٰ صرف نبوت اور رسالت کے لیے ہی خاص ہے۔ مجدد، محدث، مجتہد، صوفی اور ولی کے لیے دعویٰ کے کیا معنی؟ ان کی تصدیق یا تکذیب کے کیا معنی؟ یہاں مسئلہ یہ ہے کہ جو مسلمان غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں

مانتے وہ ان کو کافر قرار دیتے ہیں:

① ''اور خیر الرسل کی روحانیت نے اپنے ظہور کے کمال کے لیے اور اپنے نور کے غلبہ کے لیے ایک مظہر اختیار کیا، جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کتاب مبین میں وعدہ فرمایا تھا پس میں وہی مظہر ہوں۔ پس ایمان لا اور کافروں سے مت ہو اور اگر چاہتا ہے تو خدا تعالیٰ کے قول کو پڑھ: ''هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی۔''

[خطبہ الهاميه، مترجم مصنفه ١٩٠١ء، مطبوعه ربوه، ص: ٢٦٨، ٢٦٧]

② ''کافر کا لفظ مومن کے مقابلے پر ہے اور کفر دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آں حضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لیے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے۔ کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں، کیونکہ جو شخص باوجود شناخت کر لینے کے خدا اور رسول کے حکم کو نہیں مانتا وہ بموجب نصوص صریحۂ قرآن و حدیث کے خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔''

[حقيقة الوحی، ص: ١٧٩، ١٨٠ مصنفه ١٩٠٦ء مطبوعه طبع اول ١٩٠٧ء]

③ ''خدا نے میری سچائی کی گواہی کے لیے تین لاکھ سے زیادہ آسمانی نشان ظاہر کیے اور آسمان پر کسوف خسوف رمضان میں ہوا۔ اب جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اور عملاً خدا تعالیٰ کے نشانوں کو رد کرتا ہے اور مجھ کو باوجود صدہا نشانیوں کے مفتری ٹھہراتا ہے تو وہ مومن کیونکر ہوسکتا ہے اور اگر وہ مومن ہے تو میں بوجہ افترا کے کافر ٹھہرا۔'' [حواله بالا، ص: ١٦٤، ١٦٣]

④ ''خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔'' [حقيقة الوحی، ص: ١٦٣]

⑤ غلام احمد قادیانی کا ایک الہام:

''اب ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے، جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔'' [انجام آتھم، ص: ٦٢۔ مطبوعہ قادیان: ١٩٢٢ء]

قادیانی اور لاہوری فرقوں میں کوئی فرق نہیں ہے:

لاہوری جماعت کے لوگ غلام احمد قادیانی کو مجدد نہیں مانتے ہیں، جیسا کہ جاوید احمد غامدی تاثر دے رہے ہیں۔ وہ بھی غلام احمد قادیانی کو قادیانی جماعت کے لوگوں کی طرح نبی اور رسول ہی جانتے اور مانتے ہیں۔ قادیانی اور لاہوری جماعت کے درمیان اختلاف صرف غلام احمد قادیانی کے خلیفۂ اوّل حکیم نور الدین کی وفات کے بعد اس وقت پیدا ہوئے جب غلام احمد قادیانی کے فرزند مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ ثانی مقرر ہوئے۔ اختلاف ان دوگرہوں میں اس بات کو لے کر ہوئے کہ قادیانی گروہ چاہتا تھا کہ جو اختیارات اور حقوق انجمن احمدیہ کو غلام احمد قادیانی نے دیے ہیں وہ من وعن ان کے خلیفۂ ثانی مرزا بشیر الدین محمود کے پاس ہوں، جبکہ محمد علی لاہوری کی جماعت لاہوری چاہتی تھی کہ یہ اختیارات اور حقوق انجمن احمدیہ کے پاس ہی ہوں۔ ان اختلاف کو لے کر محمد علی لاہوری قادیان سے لاہور منتقل ہوئے اور وہاں صرف مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے دجل وفریب سے کام لے کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ غلام احمد قادیانی کو صرف مجدد مانتے ہیں۔

محمد علی لاہوری اور اس کی جماعت کا عقیدہ:

① ''آں حضرت کے بعد خداوند تعالیٰ نے تمام نبوتوں اور رسالتوں کے دروازے بند کر دیے، مگر آپ کے متبعین کامل کے لیے جو آپ کے رنگ میں رنگین ہو کر آپ ﷺ کے اخلاق کاملہ سے نور حاصل کرتے ہیں، ان کے لیے یہ دروازہ بند نہیں ہوا ہے۔''

[ریویو آف ریلیجنز، ج: ٥، ص: ١٨٦]

② ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں دنیا کی اصلاح کے لیے مامور اور نبی بنا کر بھیجا ہے وہ بھی شہرت پسند نہیں، بلکہ ایک عرصہ دراز تک جب تک اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ وہ لوگوں سے بیعت توبہ لیں، آپ کو کسی سے کچھ سروکار نہیں تھا اور سالہا سال تک گوشہ خلوت سے باہر نہیں نکلے۔ یہی سنت قدیم سے انبیاء تک چلی آئی ہے۔''

[ریویو، جلد : ۵ ص : ۱۳۲، ۱۳۱ بحوالہ بالاصفحہ : ۳۷]

③ ''مخالف خواہ کوئی ہی معنی کرے، مگر ہم تو اسی پر قائم ہیں کہ خدا نبی پیدا کر سکتا ہے، صدیق بنا سکتا ہے اور شہید اور صالح کا مرتبہ عطا کر سکتا ہے مگر چاہیے مانگنے والا...... ہم نے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی) وہ صادق تھا۔ خدا کا برگزیدہ اور مقدس رسول تھا۔'' [تقریر محمد علی لاہوری در احمدیہ بلڈنگ مندرجہ الحکم، ۱۸ جولائی ۱۹۰۸ء]

④ لاہوری جماعت کا حلفیہ بیان:

''معلوم ہوا کہ بعض احباب کو کسی نے غلط فہمی میں ڈال دیا ہے کہ اخبار ہذا کے ساتھ تعلق رکھنے والے احباب یا ان میں سے کوئی سیدنا و ہادینا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود، مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدراج عالیہ کو اصلیت سے کم یا استخفاف کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہم تمام احمدی جن کا کسی نہ کسی صورت سے اخبار پیغام صلح کے ساتھ تعلق ہے خدا تعالیٰ کو جو دلوں کے بعید جاننے والا ہے، حاضر و ناضر جان کر علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہماری نسبت اس قسم کی غلط فہمی پھیلانا محض بہتان ہے۔ ہم حضرت مسیح موعود و مہدی معہود کو اس زمانہ کا نبی، رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں۔'' [پیغام صلح، ۱۶/ اکتوبر ۱۹۱۳ء ص: ۲]

غلام احمد قادیانی صوفی نہیں انگریزوں کے آلہ کار تھے:

① ''میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد غلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا، جن کو دربارِ گورنری میں کرسی ملی تھی اور جن کا ذکر مسٹر گریفن کی تاریخ رئیسانِ پنجاب میں ہے۔ اور ۱۸۵۷ء میں

انھوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو امداد دی تھی۔ یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانۂ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امدادی میں دیے تھے۔''

[اشتہار واجب الاظہار مُسلک، کتاب البریہ، ص: ۱۱۳ از مرزا غلام احمد]

② ''مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک میں اور نیز دوسرے بلاد اسلام میں ایسے مضمون شائع کیے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے، لہٰذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکرگزار اور دعا گو رہے اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اردو، فارسی اور عربی میں تالیف کر کے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں اور یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں مکے اور مدینے میں بھی بخوشی شائع کر دیں۔ اور روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ اور بلادِ شام اور مصر اور کابل اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا اشاعت کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی ہے کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھا نہیں سکتا۔''[1]

[ستارہ قیصرہ، ص: ۳، ۴ مرزا غلام احمد قادیانی]

ہم نے غلام احمد قادیانی کی تحریروں سے نہ کہ ان کے فرزند اور خلیفہ ثانی مرزا بشیر الدین محمود کی تحریروں سے، یہ بات ثابت کر دی ہے کہ غلام احمد قادیانی نے باضابطہ دعوائے نبوت کیا تھا۔ دوم: یہ کہ وہ ان کی ''نبوت'' پر ایمان نہ لانے والوں کو کافر قرار دیتے تھے۔ سوم: یہ کہ قادیانی اور لاہوری دونوں گروہ اُن کو نبی اور رسول مانتے ہیں اور اس بارے میں ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چہارم: وہ صوفی نہیں بلکہ اسلام اور مسلمان دشمن اور برطانوی سامراج

❶ غلام احمد قادیانی کی کتابوں کے اقتباسات اور حوالہ جات مفتی تقی عثمانی صاحب اور مولانا سمیع الحق صاحب کی تالیف 'قادیانی فتنہ اور ملت اسلامیہ کا موقف'' سے نقل کیے گئے ہیں۔

کے فعال اور متحرک آلہ کار تھے۔

جاوید احمد غامدی کی مضحکہ خیز حالت:

جاوید احمد غامدی کے لیے دو صورتیں ہیں:

① وہ غلام احمد قادیانی کی تکذیب کرنے والے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیں جس طرح غلام احمد قادیانی اور اُن کے خلفاء ان کو کافر قرار دیتے ہیں۔ غیر احمدی کے پیچھے وہ نماز نہیں پڑھتے، غیر احمدیوں کے ساتھ شادی بیاہ نہیں کرتے اور غیر احمدیوں کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھتے۔

② وہ غلام احمد قادیانی اور ان کی جماعت کو ہی کافر قرار دیں جس طرح برصغیر پاک و ہند اور عرب علماء ان کو کافر قرار دے چکے ہیں اور ملت اسلامیہ بھی ان کو کافر جانتی اور مانتی ہے۔

اگر وہ یہ کہیں گے کہ وہ نہ مدعی نبوت غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین کو کافر قرار دے سکتے ہیں اور نہ ہی غلام احمد قادیانی کی تکذیب کرنے والوں کو کافر قرار دے سکتے ہیں تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ جاوید احمد غامدی جو دعویٰ کرتے ہیں کہ انھوں نے قرآن مجید میں ۱۴۳۰ سال بعد رسولوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی سنت دریافت کی ہے، اس خانہ ساز ''سنت'' کی بات چھوڑ یئے۔ جاوید احمد غامدی تو قرآن مجید کے اس اصول سے بھی بے خبر و بے علم معلوم ہوتے ہیں جس سے اسلام کا ایک عام طالب علم بھی آگاہ ہوتا ہے کہ نبی کی تصدیق کرنے والے اور نبی کی تکذیب کرنے والے دونوں ہم مذہب نہیں ہو سکتے۔ دونوں گروہ مومن نہیں ہو سکتے۔ اب صورت حال یہ بن گئی ہے کہ غلام احمد قادیانی خود تو مفتری ہونے کی صورت میں اپنے آپ کو کافر قرار دیتے ہیں مگر جاوید احمد غامدی ان سے کہتے ہیں تم کافر نہیں ہو۔ جاوید احمد غامدی غلام احمد قادیانی کے متعلق انتہائی خطرناک قسم کی شاطرت سے کام لیتے ہیں، یعنی وہ اگر غلام احمد قادیانی کو مدعی نبوت مان لیں پھر ان کے لیے دو ہی صورتیں ہیں: یا اس کی تکفیر کریں یا تکفیر نہ کریں۔ اگر تکفیر کریں گے تو اپنے اس خانہ ساز اصول کہ رسول اللہ ﷺ الہام کی بنیاد پر ہی کسی گروہ کی تکفیر کرتے تھے اب آپ ﷺ کے بعد کسی شخص کی

تکفیر نہیں کی جا سکتی، کی نفی کریں گے اور اگر تکفیر نہیں کریں گے تو پھر اُن کا اپنا عقیدہ ختم نبوت شک کے دائرہ میں آجائے گا۔ اور ساتھ ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لے کر ان ساعات تک تمام اُن لوگوں کو گمراہ قرار دینا پڑے گا جنھوں نے مدعی نبوت اور اس کی تصدیق کرنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔ انھوں نے کیا کیا کہ غلام احمد قادیانی کو صوفی قسم کا آدمی کہا اور یہ کہ انھوں نے دعوائے نبوت نہیں کیا تھا۔ اس طرح نہ تکفیر کرنے کی ضرورت پڑے گی اور نہ ہی ان کا اپنا عقیدہ ختم نبوت شک کے دائرہ میں آئے گا۔ دوسری اہم بات یہ کہ جاوید احمد غامدی خود بھی غلام احمد قادیانی کے کئی نظریات کی پیروی کرتے ہیں، بالخصوص عیسیٰ علیہ السلام کی وفات اور انکار نزول، تنسیخ جہاد اور مسئلہ تکفیر کے حوالے سے۔ اس لیے یہ ان کی اپنی مجبوری بھی ہے کہ غلام احمد قادیانی دائرہ اسلام میں ہی رہیں۔

مدعی نبوت اور منکر حجیت حدیث میں واضح مماثلت:

مدعی نبوت اور منکر حجیت حدیث میں اصولی طور کوئی فرق نہیں ہے۔ اول الذکر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی آفاقیت اور ابدیت (ختم نبوت) کا انکار کرتا ہے، دعوائے نبوت کر کے اپنے آپ کو یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں شریک قرار دیتا ہے یا ظلی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے (مدعی نبوت کے لیے ان دو باتوں کی پابندی کوئی ضروری نہیں ہے) اور اس طرح اپنے آپ کو شارح اور شارع کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ثانی الذکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تشریعی حیثیت کا انکار کرتا ہے اور بغیر اعلان کیے خود شارح اور شارع بن جاتا ہے۔ آپ منکرین حجیت حدیث کی تاریخ پر غور کیجیے ان کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیجیے، آپ کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ جس شخص نے بھی حدیث کی حجیت کا انکار کیا ہے اس نے لازماً قرآن مجید کی تحریف کی ہے۔ قرآنی آیات ہوں، قرآنی احکامات ہوں یا اسلامی اصطلاحات وہ ان کی خانہ ساز تشریح، تاویل اور معنی بیان کرتا ہے۔ جو کام مدعی نبوت ''الہام'' کی بنیاد پر کرتا ہے وہی کام منکر حجیت حدیث ''تحقیق'' اور ''اجتہاد'' کے نام پر کرتا ہے۔

① وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام اور انکارِ نزول عیسیٰ علیہ السلام، قادیانی نظریہ:

''خدا نے اس امت سے مسیح موعود...... بھیجا، جو اس سے پہلے مسیح سے تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔''

[دافع البلاء، ص: ١٣ طبع قادیان ١٩٤٦ء]

قادیانی جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ جب یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دے کر قتل کرنے کی کوشش کی تو قرآن نے جو فرمایا کہ ''اللہ نے انھیں اپنی طرف بلند کر دیا'' وہ حقیقت میں انھیں بلند نہیں کیا گیا بلکہ ان کے درجات بلند کر دیے گئے تھے۔ اس جگہ پر درجات کی بلندی کا یہ فائدہ ہوا کہ صلیب پر وہ زندہ رہے اور یہود کو شبہ لگ گیا کہ وہ وفات پا چکے ہیں اور وہ انھیں چھوڑ کر چلے گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام پھر کسی اور علاقہ میں چلے گئے، وہاں تقریباً نصف صدی حیات رہے، پھر طبعی وفات پائی اور ان کی قبر کشمیر میں ہے۔ اب ایک نیا مسیح پیدا ہونا تھا اور وہ غلام احمد قادیانی ہیں۔

وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام اور انکارِ نزول عیسیٰ علیہ السلام، غامدی نظریہ:

''سیدنا مسیح کے بارے میں جو کچھ میں قرآن مجید سے سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ ان کی روح قبض کی گئی اور اس کے فوراً بعد ان کا جسد مبارک اُٹھا لیا گیا تھا، تاکہ یہود اس کی بے حرمتی نہ کریں۔ یہ میرے نزدیک ان کے منصب رسالت کا ناگزیر تقاضا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید نے اسے اسی طرح بیان کیا ہے۔ ''اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ'' میں دیکھ لیجیے، ''توفی'' وفات کے لیے اور ''رفع'' اس کے بعد، رفع جسم کے لیے بالکل تصریح ہے۔'' [ماہنامہ اشراق، اپریل ١٩٩٥ء، ص: ٣٥]

''ایک جلیل القدر پیغمبر کے زندہ آسمان سے نازل ہو جانے کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے، لیکن موقع بیان کے باوجود اس واقعے کی طرف کوئی ادنیٰ اشارہ بھی قرآن کے بین الدفتین کسی جگہ مذکور نہیں ہے۔ علم وعقل اس خاموشی پر مطمئن ہو

سکتے ہیں، اسے باور کرنا آسان نہیں ہے۔'' [میزان، ص:۱۷۸، طبع سوم، مئی ۲۰۰۸ء لاہور]

② تنسیخ جہاد، قادیانی نظریہ:

''آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا۔ خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اُٹھاتا اور اپنا نام غازی رکھتا ہے وہ اس رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرما دیا ہے کہ مسیح موعود کے آنے پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے۔ سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں۔ ہماری طرف سے امان اور صلح کاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا۔'' [خطبۃ الهاميه، ص:۲۸]

تنسیخ جہاد، غامدی نظریہ:

''آپ ﷺ پر نبوت ختم کر دی گئی ہے۔ چنانچہ لوگوں کے خلاف محض ان کے کفر کی وجہ سے جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین کو قتل کرنے یا ان پر جزیہ عائد کر کے انھیں محکوم اور زیردست بنا کر رکھنے کا حق بھی آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ قیامت تک کوئی شخص اب نہ دنیا کی کسی قوم پر اس مقصد سے حملہ کر سکتا ہے اور نہ کسی مفتوح کو محکوم بنا کر اس پر جزیہ عائد کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔''①

[مقامات، ص:۲۰۳، طبع سوم، جولائی ۲۰۱۴ء]

③ اجماع امت، قادیانی نظریہ:

''جبکہ پیش گوئیوں کے سمجھنے کے بارے میں خود انبیاء سے امکان غلطی ہے تو پھر امت کا کورانہ اتفاق یا اجماع کیا چیز ہے۔ میں پھر دوبارہ کہتا ہوں کہ اس بارے

❶ قرآن مجید، احادیث نبویہ اور اجماع کی رو سے یہ قادیانی اور غامدی نظریات بالکل بے بنیاد اور باطل ہیں۔ علمائے اسلام نے ان دونوں باطل نظریات کا احسن طور پر علمی محاسبہ کیا ہے۔ (م۔ق)

میں عام خیال مسلمانوں کا، گو ان میں اولیاء بھی داخل ہوں، اجماع کے نام سے معلوم نہیں ہوسکتا۔" [ازالہ اوہام، طبع دوم ۱۹۰۲ء ج:۱،ص: ۷۲، ۷۱]

اجماع امت، غامدی نظریہ:

"فقہاء کا دور شروع ہوا تو اس کے ساتھ ایک چوتھی چیز کا اضافہ کر دیا گیا۔ یہ مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اس کے بعد اب تک بالعموم مانا جاتا ہے کہ اسلامی شریعت کا ایک مصدر یہ اجماع بھی ہے۔ دین کے ماخذ میں یہ اضافہ یقیناً ایک بدعت ہے۔ قرآن وسنت میں اس کے لیے کوئی بنیاد تلاش نہیں کی جاسکتی۔"

[مقامات۔ طبع سوم جولائی ۲۰۱۴ء۔ ص: ۱۵۶]

آخر پر ہم یہاں غلام احمد قادیانی کے فرزند مرزا بشیر احمد ایم۔ اے کی وہ فیصلہ کُن بات نقل کرتے ہیں جس میں وہ دیانت داری کے ساتھ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ غلام احمد قادیانی کی تصدیق کرنے والے اور ان کی تکذیب کرنے والے دونوں گروہ بیک وقت مومن نہیں ہوسکتے، ان میں ایک گروہ لازماً کافر ہے۔ یہ بات بالکل مبنی بر عقل وعدل ہے۔

مرزا بشیر احمد قادیانی لکھتے ہیں:

"مسیح موعود (یعنی مرزا غلام احمد) کا یہ دعویٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مامور ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے، دو حالتوں سے خالی نہیں، یا تو وہ نعوذ باللہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور محض افتراء علی اللہ کے طور پر دعوے کرتا ہے۔ تو ایسی صورت میں نہ صرف وہ کافر بلکہ بڑا کافر ہے اور یا مسیح موعود اپنے دعوائے الہام میں سچا ہے اور خدا سچ مچ اس سے ہم کلام ہوتا تھا۔ تو اس صورت میں بلاشبہ یہ کفر انکار کرنے والے پر پڑے گا۔ پس اب تم کو اختیار ہے کہ یا مسیح موعود کے منکروں کو مسلمان کہہ کر مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگاؤ یا مسیح موعود کو سچا مان کر اس کے منکروں کو کافر جانو۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ تم دونوں کو مسلمان سمجھو۔" [کلمۃ الفصل، ص ۱۲۳۔ مندرجہ ریویو آف ریلیجنز، ج نمبر ۱۴ مارچ، اپریل ۱۹۱۵ء]

کلمہ گو کی تکفیر کا مسئلہ:

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

مرزائیوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ جو شخص کلمہ گو ہو اور اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کرتا ہو، کسی بھی شخص کو اسے کافر قرار دینے کا حق نہیں پہنچتا۔① یہاں سب سے پہلے تو یہ بوالعجبی ملاحظہ فرمائیے کہ یہ بات ان لوگوں کی طرف سے کہی جا رہی ہے جو دنیا کے ستر کروڑ (بلکہ پونے دو ارب) مسلمانوں کو کھلم کھلا کافر کہتے ہیں اور کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پر اور اس کے تمام ضروری تقاضوں پر صحیح معنی میں ایمان رکھنے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج، شقی، بدطینت، یہاں تک کہ کنجریوں کی اولاد قرار دینے میں بھی کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ گویا ہر "کلمہ گو" کو مسلمان کہنا صرف یک طرفہ حکم ہے جو صرف غیر احمدیوں پر عائد ہوتا ہے اور خود مرزائی صاحبان کو کھلی چھٹی ہے کہ خواہ وہ مسلمانوں کو کتنی شدومد سے کافر کہیں خواہ انھیں بازاری گالیاں دیں، خواہ ان کے اکابر اور مقدس ترین شخصیات کی ناموس پر حملہ آور ہوں، اُن کے "اسلام" میں کبھی کوئی فرق نہیں آسکتا اور نہ ان پر کلمہ گو کو کافر کہنے کا الزام لگ سکتا ہے۔

پھر اللہ جانے یہ اصول کہاں سے گھڑا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو کلمہ پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو وہ مسلمان ہے اور اسے کوئی شخص کافر قرار نہیں دے سکتا۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسیلمہ کذاب کلمہ شہادت نہیں پڑھتا تھا؟ پھر خود آں حضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے کافر قرار دے کر اس کے خلاف جہاد کیوں کیا؟ اور خود مرزا غلام احمد قادیانی نے جابجا نہ صرف مسیلمہ کذاب بلکہ آپ کے بعد اپنے سوا مدعی نبوت کو کافر اور کذاب کیوں کہا؟ اگر آج کوئی نیا مدعی نبوت کلمہ پڑھتا ہوا اُٹھے اور آں حضرت ﷺ کے سوا تمام انبیاء کو جھٹلائے، آخرت کے عقیدے کا مذاق اڑائے، قرآن کریم کو اللہ کی کتاب ماننے سے انکار کرے، اپنے آپ کو افضل الانبیاء قرار دے، نماز روزے کو منسوخ کر دے، جھوٹ، شراب، زنا، سود اور قمار کو جائز کہے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے سوا اسلام کے ہر حکم کی تکذیب

---

① مسئلہ تکفیر میں بھی قادیانی اور غامدی دونوں ایک ہی موقف رکھتے ہیں۔ (م۔ق)

کر دے تو کیا اسے پھر بھی ''کلمہ گو'' ہونے کی بنا پر مسلمان ہی سمجھا جائے گا؟ اگر اسلام ایسا ہی ڈھیلا ڈھالا جامہ ہے جس میں کلمہ پڑھنے کے بعد دنیا کا ہر برے سے برا عقیدہ اور بُرے سے برا عمل سما سکتا ہے تو پھر فضول ہی اسلام کے بارے میں یہ دعوے کیے جاتے ہیں کہ وہ دنیا کے تمام مذاہب میں سب سے زیادہ بہتر، مستحکم، منظم اور باقاعدہ مذہب ہے۔ (العیاذ باللہ)

جو لوگ ''ہر کلمہ گو'' کو مسلمان کہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کلمہ (معاذ اللہ) کوئی منتر یا ٹونا ٹوٹکا ہے جسے ایک مرتبہ پڑھ لینے کے بعد انسان ہمیشہ کے لیے ''کفر پروف'' ہو جاتا ہے اور اس کے بعد برے سے برا عقیدہ بھی اسے اسلام سے خارج نہیں کر سکتا؟

نوٹ: یہ بات بھی اہم ہے کہ منکرین ختم نبوت اور منکرین حجیت حدیث ہی کیوں ہمیشہ تکفیر کی سختی سے مخالفت کرتے ہیں؟ (ق۔م)

اگر عقل وخرد اور انصاف ودیانت دنیا سے بالکل ہی اُٹھ نہیں گئی تو اسلام جیسے علمی اور عقلی دین کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جا سکتا ہے کہ محض چند الفاظ کو زبان سے ادا کرنے کے بعد انسان جہنمی سے جنتی اور کافر سے مسلمان بن جاتا ہے۔ خواہ اس کے عقائد اللہ تعالیٰ اور رسول کی مرضی کے بالکل خلاف ہوں؟

واقعہ یہ ہے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (معاذ اللہ) کوئی جادو یا طلسم نہیں ہے، یہ ایک معاہدہ اور اقرار نامہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کو معبود واحد قرار دینے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ کا رسول ماننے کا مطلب یہ معاہدہ کرنا ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہر بات کی تصدیق کروں گا۔ لہٰذا اللہ یا اس کے رسول کی بتائی ہوئی جتنی باتیں ہم تک تواتر اور قطعیت کے ساتھ پہنچی ہیں ان سب کو درست تسلیم کرنا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان کا لازمی جزو ہے اور اس کا ناگزیر تقاضا ہے، اگر کوئی شخص ان متواتر

قطعیات میں سے کسی ایک چیز کو بھی درست ماننے سے انکار کر دے تو درحقیقت وہ کلمہ توحید پر ایمان نہیں رکھتا۔ خواہ زبان سے لا الہ الا اللہ پڑھتا بھی ہو، اس کو مسلمان نہیں کہا جا سکتا۔ عقیدۂ ختم نبوت (اور حجیت حدیث۔ ق۔م) چونکہ قرآن کریم کی بیسیوں آیات اور سرکار دو عالم ﷺ کے سیکڑوں ارشادات سے بطریق تواتر ثابت ہے۔ اس لیے باجماع امت وہ انھی قطعیات میں سے ہے، جن پر ایمان لانا کلمہ طیبہ کا لازمی جزو ہے اور جس کے بغیر انسان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ①

اس سلسلے میں بعض ان احادیث سے استدلال کی کوشش کی جاتی ہے جن میں آں حضرت ﷺ نے مسلمان کی علامتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ''جو ہماری طرح نماز پڑھے'' ہمارے قبلے کی طرف رخ کرے اور ہمارا ذبح کیا ہوا جانور کھائے وہ مسلمان ہے۔ لیکن جس شخص کو بھی بات سمجھنے کا سلیقہ ہو وہ حدیث کے اسلوب وانداز سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہاں مسلمان کی کوئی قانونی اور جامع ومانع تعریف نہیں کی جارہی بلکہ مسلمانوں کی وہ معاشرتی علامتیں بیان کی جارہی ہیں، جن کے ذریعے مسلم معاشرہ دوسرے مذاہب اور معاشروں سے ممتاز ہوتا ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جس شخص کی ظاہری علامتیں اس کے مسلمان ہونے کی گواہی دیتی ہوں اس پر خواہ مخواہ بدگمانی کرنا یا بلا وجہ اس کی عیب جوئی کرنا درست نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب کہاں سے نکل آیا کہ اگر وہ خود مسلمانوں کے سامنے علانیہ کفریات کا اقرار کرتا پھرے۔ بلکہ ساری دنیا کو ان کفریات کی دعوت دے کر اپنے متبعین کے سوا تمام مسلمانوں کو کافر قرار دے، تب بھی وہ صرف مسلمانوں کا ذبیحہ کھانے کی وجہ سے مسلمان کہلانے کا مستحق ہوگا، خواہ لا الہ الا اللہ اور اس کے تقاضوں کا بھی قائل نہ ہو۔

درحقیقت اس حدیث میں مسلمان کی تعریف نہیں بلکہ اس کی ظاہری علامتیں بیان کی گئی ہیں۔ مسلمان کی پوری تعریف درحقیقت آں حضرت ﷺ کے اس ارشاد میں بیان کی گئی ہے۔

① برصغیر پاک وہند کے جید علماء نے مدعی نبوت غلام احمد قادیانی اور منکر حجیت حدیث غلام احمد پرویز دونوں کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کیا ہے۔ (م۔ق)

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور مجھ پر ایمان لائیں اور ہر اُس بات پر جو میں لے کر آیا ہوں۔''

اس میں مسلمان کی پوری حقیقت بیان کر دی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی ہر تعلیم کو ماننا ''أشهد أن محمدًا رسول الله'' کا لازمی جزو ہے۔ اور آپ کا یہ ارشاد قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [النساء : ٦٥]

''پس نہیں، تمھارے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہ ہوں گے جب تک یہ تمھیں اپنے ہر متنازعہ معاملے میں حکم نہ مان لیں، پھر تمھارے فیصلے سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اُسے خوشی سے تسلیم نہ کریں۔''

یہ ہے کلمہ گو کی حقیقت اور اس کے برخلاف محض کلمہ پڑھ لینے کے بعد ہمیشہ کے لیے کفر سے محفوظ ہو جانے کا تصور اُن دشمنانِ اسلام کا پیدا کردہ ہے جو یہ چاہتے تھے کہ اسلام اور کفر کی درمیانی حدِ فاصل کو مٹا کر اسے ایک ایسا معجون مرکب بنا دیا جائے جس میں اپنے سیاسی اور مذہبی مفادات کے مطابق ہر بُرے سے بُرے عقیدے کی ملاوٹ کی جا سکے۔

انتہا یہ ہے کہ بعض لوگ مسلمان کی تعریف کے سلسلے میں اس آیت قرآنی کو بھی پیش کرنے سے نہیں چوکتے جس میں ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقٰى إِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ [النساء : ٩٤]

یعنی جو شخص تمھیں سلام کرے اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔

چلیے پہلے تو مسلمان ہونے کے لیے کم از کم کلمہ پڑھنا ضروری تھا، اس آیت کو مسلمان کی تعریف میں پیش کرنے کے بعد اس سے بھی چھٹی ہوگئی۔ اب مسلمان ہونے کے لیے

صرف ''السلام علیکم'' بلکہ صرف ''سلام'' کہہ دینا بھی کافی ہوگیا اور ہر وہ ہندو، پارسی، بدھ، عیسائی اور یہودی بھی مسلمان بننے کے قابل ہوگیا جو مسلمانوں کو ''سلام'' کہہ کر خطاب کر لے۔ (العیاذ باللہ) [قادیانی فتنہ، ص: ۱۱۵ تا ۱۱۹]

فتنہ انکارِ حجیت حدیث (تاریخ و اسباب)

فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

« ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه » [أبو داوٗد]

''سن لو! مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اس کی مثل عطا کی گئی ہے۔''

ابو رافع بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم میں سے کسی کو اپنی مَسند پر ٹیک لگائے ہوئے نہ پاؤں کہ اس کے پاس میرا کوئی امر آئے جس کے متعلق میں نے حکم دیا ہو یا میں نے اس سے منع کیا ہو، تو وہ شخص یوں کہے: میں (اسے) نہیں جانتا، ہم نے جو کچھ اللہ کی کتاب میں پایا ہم اس کا اتباع کریں گے۔'' [أبو داوٗد]

اسلامی تاریخ میں جن لوگوں نے سب سے پہلے اصولِ دین میں اختلاف کیا وہ جہمیہ اور معتزلہ تھے، دونوں فرقے دوسری صدی ہجری کی پیداوار ہیں اور ان دونوں فرقوں کا یہ اختلاف یونانی فلسفہ سے ذہنی شکست خوردگی کی بنا پر تھا۔

❁ ان دونوں فرقوں کا اختلاف تین اصولی مسائل میں تھا:

① دونوں فرقے ذات وصفات باری تعالیٰ میں ارسطو کے ہم نوا تھے جو خدا کو محض ایک تجریدی تصور کے طور پر پیش کرتا ہے۔

② دونوں فرقے وحی کے مقابلے میں عقل کے تفوق اور برتری کے قائل تھے۔ انھوں نے عقل کی برتری ثابت کرنے کے لیے قرآن سے ایسی جملہ آیات کو یکجا کر کے پیش کر دیا جن میں انسانی عقل کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن وحی کی برتری، حکمت اور اتباع کی آیات کو نظر انداز کر دیا۔

③ دونوں فرقوں نے تقدیر کے مسئلہ میں مسلمانوں کے مسلمہ عقیدہ سے اختلاف کیا، جو یہ ہے کہ ایمان جبر واختیار کے بین بین ہے۔لیکن اس مسئلہ میں ان دونوں فرقوں کے درمیان بھی اختلاف ہوا،جہمیہ انسان کو مجبور محض تصور کرتے تھے اور معتزلہ انسان کو مختار مطلق۔

❁ اپنے عقائد ونظریات کو درست ثابت کرنے کے لیے ان کا طریقہ کار یکساں تھا، یعنی:

① پہلے متعلقہ احادیث وآثار کو ظنی اور ناقابل اعتماد قرار دے کر ان سے انکار کر دیا جائے۔

② دوسرا اقدام یہ تھا کہ ثابت شدہ سنت کو بھی سند اور صحت کے مقام سے گرا دیا جائے اور اس کے لیے عقلی دلائل دیے جائیں۔

③ تیسرا اقدام یہ تھا کہ احادیث وآثار کو پرے ہٹا دینے کے بعد قرآنی آیات کی من مانی تاویل پیش کر دی جائے۔

گویا عجمی تصورات سے مرعوبیت، انکار حدیث اور تحریف قرآن تینوں باتیں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔

جو احادیث جہمیہ نے مسئلہ قدر کے معاملہ میں رد کیں، وہی احادیث معتزلہ کے نزدیک صحیح ترین تھیں۔ اسی طرح جو احادیث معتزلہ کے نزدیک مردود تھیں وہی احادیث جہمیہ کے نزدیک مقبول ترین تھیں۔ یہی حال ان دونوں فرقوں کی تاویلات قرآنی کا ہے۔''

[آئینہ پرویزیت از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی،ص:۱۱۶]

سیدنا رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی (اوپر مذکور حدیث نبوی) بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری اور تیرھویں صدی ہجری میں انکار حجیت حدیث کے فتنے اُٹھے۔ موخر الذکر فتنے کا مرکز برصغیر پاک وہند بنا۔بعض نے اپنے آپ کو علی الاعلان ''اہل قرآن'' کہلوایا، جن میں زیادہ مشہور عبداللہ چکڑالوی، حافظ اسلم جے راج پوری اور غلام احمد پرویز ہیں۔عبداللہ چکڑالوی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نبوی پیشین گوئی کا مصداق یہی شخص تھا۔

عبداللہ چکڑالوی لاہور میں چینیاں والی مسجد کا خطیب تھا۔ جب اس نے انکار حدیث پر مشتمل اپنے گمراہ کن نظریات کا پرچار شروع کیا تو اس کو مسجد کی امامت وخطابت سے علیحدہ

کر دیا گیا۔ حکیم عزیز الرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ مولوی عبداللہ چکڑالوی کو جب چینیاں والی مسجد سے علیحدہ کیا گیا تو بابا چٹو مرحوم نے اپنا ایک مکان منہدم کر کے مسجد کے لیے وقف کر دیا اور مولوی چکڑالوی کی رہائش کے لیے ایک حجرہ بھی تعمیر کر دیا، حتیٰ کہ بابا مرحوم نے اپنی جائیداد بھی اسی کے نام کر دی۔ مولوی عبداللہ ایک تخت پر تکیوں کے سہارے بیٹھے رہتے تھے، کیونکہ وہ اپنی دونوں ٹانگوں سے معذور تھے۔ ایک دن بابا چٹو مرحوم دوپہر کو کسی کام کے لیے ان کے حجرے میں گئے تو مولوی عبداللہ چکڑالوی کو کسی ایسے فعل میں مشغول پایا جو شرع اور اخلاق کے منافی تھا۔ حیران ہو کر پوچھا: یہ کیا......؟ انھوں نے یہ آیت پڑھ دی:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ [البقرة: ١٧٣]

بابا کو اس منظر سے ایسا صدمہ پہنچا کہ وہ کئی ہفتے گھر سے باہر نہ نکلے اور اس مسلک انکارِ حدیث سے توبہ کر لی۔ [الاعتصام جلد: ٨، شمارہ: ١٠، ص: ٨،٧]

اس واقعے میں مذکور حکیم عزیز الرحمٰن نے، جو بابا چٹو مرحوم کے قریبی عزیز تھے ہفت روزہ ''الاعتصام'' کی مذکورہ اشاعت میں بابا مرحوم کا اس باطل عقیدہ سے رجوع اور توبہ نامہ ذکر کیا۔ [دوامِ حدیث از حافظ محمد گوندلوی۔ ص: ٤٩]

سیدنا رسول اللہ ﷺ کا فرمان عبداللہ چکڑالوی پر مکمل طور صادق آتا ہے۔ اس کے انکار حدیث کی کیفیت کو مولانا صادق سیالکوٹی مرحوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''غور فرمائیے کہ حضور ﷺ کا فرمان کتنا حرف بحرف صحیح نکلا ہے بلکہ معجزہ ثابت ہوا ہے کہ عبداللہ چکڑالوی نے ''اریکتہ'' یعنی تخت پر بیٹھ کر تکیہ لگائے ہوئے کہا: ''لا ادری، ما وجدنا فی کتاب الله اتبعناه.'' میں نہیں جانتا حدیث کو، حدیث دین کی چیز نہیں ہے، میں تو صرف قرآن پر ہی چلوں گا۔''

[ضربِ حدیث، ط۔ ١٩٦١۔ ص: ٤٨]

فتنہ انکار حدیث سیدنا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مصداق ہونے کے علاوہ حجیت حدیث کی دلیل اور اہل ایمان کے لیے حدیث پر مزید یقین کا سبب بھی ہے۔

خوارج اور معتزلہ کا انکارِ حدیث:

پہلی صدی ہجری تک قرآن مجید کے ساتھ ساتھ احادیث نبوی کو متفقہ طور پر حجت شرعی تسلیم کیا جاتا رہا۔ انکارِ حدیث کے فتنہ کا آغاز سب سے پہلے دوسری صدی ہجری میں ہوا۔ اس فتنے کی ابتدا کرنے والے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، خوارج اور معتزلہ تھے۔ ابن حزم لکھتے ہیں:

> ''اہل سنت، خوارج، شیعہ، قدریہ اور تمام فرقے حضور کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں، برابر قابل حجت سمجھتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انھوں نے اس اجماع سے اختلاف کیا۔''
>
> [الاحکام فی اصول الاحکام۔ ج۔۱،ص:۱۱۴]

عہد صحابہ میں مسلمانوں نے مسئلہ قدر پر غور وفکر ضرور کیا۔ یعنی یہ کہ انسان کو اپنے ارادہ اور قدرت پر کہاں تک دسترس حاصل ہے؟ لیکن یہ غور وخوض اللہ تعالیٰ کے ارادے، فیصلے اور قدرت کی ہمہ گیری تک محدود تھا۔ ان مسائل پر مسلمان بہت زیادہ تعمق کے ساتھ نہیں سوچتے تھے۔ اس وقت تک یہ کوئی ایسا فکری مذہب نہیں تھا جو لوگوں کے دل ودماغ پر چھا گیا ہو۔ دل ودماغ پر جو چیز چھائی ہوئی تھی وہ صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ تھی۔ پھر جب یہ عہد گرامی ختم ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے میل جول بڑھا اور مذاہب قدیم کے نظریات واصول سے واقف ہوئے، تو مسئلہ قدر پر زیادہ کثرت کے ساتھ بحث ومباحثہ اور غور وفکر کیا جانے لگا۔ چنانچہ جب ''نقل'' یعنی کتاب وسنت سے قطع نظر کر کے محض ''عقل'' کے بل بوتے پر بحث وفکر کا آغاز ہوا تو فوراً ہی اختلاف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

فرقہ جہمیہ:

> ''دوسری صدی کے آغاز میں ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں ایک شخص جہم بن صفوان ظاہر ہوا جو ارسطو کے نظریہ ذات باری سے متاثر تھا اور بزعم خویش اللہ

تعالیٰ کی مکمل تنزیہہ بیان کرتا تھا (جہم بن صفوان، جعد بن درہم سے بھی متاثر تھا جس نے سب سے پہلے مسئلہ خلق قرآن کی بحث چھیڑی۔ م۔ق)۔ وہ بھی خدا کے متعلق تجریدی تصورات کا قائل تھا اور خدا تعالیٰ کی ان صفات کی نفی کرتا تھا جو قرآن واحادیث میں وارد ہیں۔ اس نے تنزیہہ الٰہی میں اس قدر مبالغہ اور غلو سے کام لیا کہ بمطابق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اللہ کو لاشئے اور معدوم بنا دیا۔ وہ خدا کے لیے جہت یا سمت متعین کرنے کو شرک قرار دیتا تھا اور خدا کی طرف ہاتھ، پاؤں، چہرہ، پنڈلی جن کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے نسبت کرنے کو بھی ناجائز قرار دیتا تھا۔''

''جہم بن صفوان امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مجلس میں بھی آیا، وہاں دونوں کے درمیان مکالمہ ہوا جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ان الفاظ ''اخرج عنی یا کافر'' پر منتج ہوا۔(م۔ق)

فرقہ معتزلہ:

''اسی زمانہ میں ایک اور شخص واصل بن عطا کا ظہور ہوا۔ مشہور یہ ہے کہ واصل بن عطا حضرت حسن بصری کے درس میں بیٹھا ہوا تھا، اس کا حضرت حسن بصری سے یہ اختلاف ہوا کہ آیا گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہی رہتا ہے (جیسے مرجیہ کا خیال تھا) یا کافر ہو جاتا ہے (جیسا کہ خوارج کہتے ہیں)!؟ حضرت حسن بصری کا خیال یہ تھا کہ وہ منافق ہوتا ہے۔ واصل بن عطا نے اس مسئلہ میں ان سے اختلاف کیا اور اپنے ہمنوا ساتھیوں کو لے کر آپ کے حلقہ درس سے اُٹھ کر مسجد کے کسی دوسرے کونے میں الگ جا بیٹھا، تو حسن بصری نے کہا کہ ''اعتزل عنا!'' یعنی وہ ہم سے کنارہ کر گیا ہے۔ لیکن بات صرف اتنی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ واصل بن عطا ایک مکتب فکر کا بانی بن کر سامنے آیا جو بعد میں اعتزال کے نام سے مشہور ہوا۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق اس کے عقائد جہم بن صفوان سے ملتے جلتے تھے۔ یونانی فکر کا رنگ اس پر بھی غالب تھا۔ اس کے معتقدین بعد میں

معتزلہ کہلائے۔'' [آئینہ پرویزیت، ص:۵۱۔۴۹]

خوارج فتنہ انکار حدیث کے بانی ہیں، انھوں نے اپنے عقائد کی بنیاد ہی اس بات پر رکھی کہ وہ اس چیز کو اختیار کریں گے جو قرآن سے ملے گی۔ مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی خوارج کے اعتقادات بیان کرتے ہوئے ''خوارج اور انکار حدیث'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''انکار حدیث کے فتنے کی بنیاد سب سے پہلے خوراج نے رکھی، کیونکہ ان کے عقائد کی بنیاد ہی اس پر تھی کہ جو بات قرآن سے ملے گی اسے اختیار کریں گے۔ چنانچہ ان کے یہاں بڑی حد تک احادیث کا انکار پایا جاتا ہے۔ اور یہ اسی انکار حدیث کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے رجم کے شرعی حد ہونے سے انکار ہی اس بنا پر کیا کہ قرآن کریم میں اس ذکر نہیں ہے۔ اور وہ احادیث کو نہیں مانتے اور بعض لوگوں نے ان خوارج کی تکفیر ہی اسی رجم کے انکار کی وجہ سے کی ہے۔''
[عظیم فتنہ از ولی حسن ٹونکی، طبع ۱۹۸۴، ص:۲۲]

ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''تمام معتزلہ اور خوارج کا مسلک یہ ہے کہ خبر واحد موجب علم نہیں، ان کا کہنا ہے کہ جس خبر میں جھوٹ یا غلطی کا امکان ہو اس سے اللہ کے دین میں کوئی بھی حکم ثابت کرنا جائز نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کی نسبت اللہ کی طرف کی جاسکتی ہے اور نہ اللہ کے رسول کی طرف۔'' [الاحکام، ج:۱، ص:۱۱۹]

خوارج کی طرف سے انکار حدیث کی وجہ ان کے انتہا پسندانہ نظریات اور مقاصد تھے جو احادیث نبوی کی موجودگی میں پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔ جبکہ معتزلہ نے یونانی فلسفوں سے متاثر ہو کر عقل کو فیصلہ کن حیثیت دی اور اسلام کے احکامات کو عقلی تقاضوں کے مطابق بنانے کی کوشش کی۔ مگر اس راستے میں احادیث نبوی حائل تھیں۔ چنانچہ انھوں نے حدیث کی حجیت سے انکار کر دیا۔ خوارج اور معتزلہ کے فتنے زیادہ وقت تک نہ چل سکے اور تیسری صدی ہجری کے بعد تو مکمل طور پر مٹ گئے۔ ان فتنوں کے خاتمہ کے کئی اسباب تھے جن

میں سے ایک اہم سبب یہ تھا کہ فتنہ کی تردید میں وسیع تحقیقی کام کیا گیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے 'الرسالہ' اور ''کتاب الام'' میں اس فتنہ انکار حدیث کا رد پیش کیا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کے رد میں ایک مستقل جز تصنیف کیا، جس میں اطاعت رسول اللہ ﷺ کے اثبات کے ساتھ ساتھ قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں منکرین حدیث کے نظریات کی تردید کی گئی تھی اور پھر ابن قیم رحمہ اللہ نے ''اعلام الموقعین'' میں اس کے ایک حصہ کو نقل کیا، بعد ازاں امام غزالی رحمہ اللہ نے ''المستصفیٰ''، امام ابن حزم نے ''الاحکام'' اور محمد ابراہیم الوزیر نے ''الروض الباسم'' میں اس فتنہ کے رد میں دلائل دیے۔

دوسری صدی ہجری کے بعد صدیوں تک اسلامی دنیا میں اس فتنہ کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ اس طرح یہ فتنہ پوری طرح تقریباً ختم ہو چکا تھا اور کتابوں میں بھی شاذ و نادر ہی ان فتنوں کا تذکرہ ہوتا تھا، مگر تیرھویں صدی ہجری میں اس فتنہ نے اپنی اصل جگہ عراق کے بجائے برصغیر پاک و ہند میں سر اُٹھایا۔

برصغیر پاک و ہند میں فتنہ انکار حدیث کی تاریخ:

تیرھویں صدی ہجری میں برصغیر میں فتنہ انکار حدیث کی بنیاد کن لوگوں نے ڈالی اور پھر کون لوگ اس فتنہ سے منسلک رہے؟ آج کون لوگ اس کو خوش نما عبارت آرائی کے ساتھ تقویت پہنچا رہے؟ اس بارے میں علمائے اسلام مسلسل علمی کام کر رہے ہیں اور بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ جو حجیت حدیث پر علمی و تحقیقی کام اور منکرین حدیث سے مختلف مناظروں کے حوالے سے کافی شہرت رکھتے ہیں، برصغیر پاک و ہند میں انکار حدیث کی آواز اُٹھانے والوں کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''ہندوستان میں سب سے پہلے سر سید احمد خان علی گڑھی نے حجیت حدیث سے انکار کی آواز اُٹھائی، ان کے بعد پنجاب میں مولوی عبداللہ چکڑالوی مقیم لاہور

نے ان کا تتبع کیا، بلکہ سر سید احمد سے ایک قدم آگے بڑھے، کیونکہ سر سید احمد حدیث کو شرعی حجت نہ جانتے تھے لیکن عزت واحترام کرتے تھے۔ واقعات نبویہ کا صحیح ثبوت کتب احادیث سے دیتے تھے، بر خلاف ان کے مولوی عبداللہ چکڑالوی احادیث نبوی کو ''لہو الحدیث'' سے موسوم کیا کرتے۔''

[حجیت حدیث اور اتباع رسول، ص:۱]

مولانا مفتی تقی عثمانی فرماتے ہیں:

''یہ آواز ہندوستان میں سب سے پہلے سر سید احمد خان اور ان کے رفیق مولوی چراغ علی نے بلند کی، مگر انھوں نے انکار حدیث کے نظریہ کو علی الاعلان اور بوضاحت پیش کرنے کے بجائے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جہاں کوئی حدیث اپنے مدعا کے خلاف نظر آئی اس کی صحت سے انکار کر دیا، خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو۔ اور ساتھ ہی کہیں کہیں اس بات کا بھی اظہار کیا جاتا رہا کہ یہ احادیث موجود دور میں حجت نہیں ہونی چاہئیں اور اس کے ساتھ بعض مقامات پر مفید مطلب احادیث سے استدلال بھی کیا جاتا رہا۔ اسی ذریعے سے تجارتی سود کو حلال کیا گیا۔ معجزات کا انکار کیا گیا۔ پردہ کا انکار کیا گیا اور بہت سے مغربی نظریات کو سندِ جواز دی گئی۔ ان کے بعد نظریہ انکار حدیث میں اور ترقی ہوئی اور یہ نظریہ کسی قدر منظم طور پر عبداللہ چکڑالوی کی قیادت میں آگے بڑھا۔ اور یہ ایک فرقہ کا بانی تھا جو اپنے آپ کو ''اہل قرآن'' کہتا تھا۔ اس کا مقصد حدیث سے کلیتًا انکار کرنا تھا۔ اس کے بعد جے راج پوری نے ''اہل قرآن'' سے ہٹ کر اس نظریہ کو اور آگے بڑھایا یہاں تک کہ غلام احمد پرویز نے اس فتنہ کی باگ ڈور سنبھالی اور اسے ایک منظم نظریہ اور مکتب فکر کی شکل دے دی، نوجوانوں کے لیے اس کی تحریر میں بڑی کشش تھی۔ اس لیے اس کے زمانے میں یہ فتنہ سب سے زیادہ پھیلا۔'' [درس ترمذی۔ ص: ۲۶]

برصغیر پاک وہند میں فتنہ انکار حجیت حدیث کو جن لوگوں نے تقویت پہنچائی اور جو آج بھی اس فتنہ کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ان کے نام یہ ہیں:

عبداللہ چکڑالوی، چراغ علی، نیاز فتح پوری، عنایت اللہ مشرقی، حشمت علی لاہوری، مستری محمد رمضان گجرانوالہ، سید رفیع الدین ملتانی، تمنا عمادی، غلام احمد پرویز اُن کے ترجمان شیرین بیان جاوید احمد غامدی اور ڈاکٹر راشد شاذ۔

دین سے انحراف:

دوسری صدی ہجری کے منکرین حدیث اور تیرھویں صدی ہجری کے منکرین حدیث میں اگرچہ نتائج کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے مگر عزائم کے اعتبار سے ان میں فرق ہے: دوسری صدی ہجری کے منکرین حدیث کے انکار حدیث کی صورت جزوی تھی، یعنی وہ مکمل طور حجیت حدیث کے منکر نہیں تھے۔ دوم، وہ روز مرہ زندگی میں شریعت کی پابندی سے آزادی نہیں چاہتے تھے۔ سوم، وہ عالم کفر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے حدیث کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ یونانی فلسفہ سے مرعوبیت کی وجہ سے وحی پر عقل کے تفوق اور برتری کے قائل تھے۔ مگر تیرھویں صدی ہجری کے منکرین حدیث وحی پر عقل کی برتری کے قائل تو تھے ہی وہ مکمل طور حجیت حدیث کے بھی منکر تھے۔ دوم، وہ احادیث کو دفتر بے کار اور اسباب زوال امت میں سے ایک سبب مانتے تھے۔ سوم، وہ مغربی افکار ونظریات کو قرآن مجید سے کشید کرنے کی کوشش کرتے تھے اور احادیث کو اس سعی مذموم میں رکاوٹ تصور کرتے تھے۔ چہارم، احادیث سے روز مرہ زندگی پر جو پابندی عائد ہوتی ہے اس سے آزادی چاہتے تھے اور سب سے اہم یہ کہ وہ حدیث کا انکار کر کے مستشرقین کی تابع داری کر کے مغربی طاقتوں کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے تھے۔

مفتی رشید احمد لکھتے ہیں:

''دشمنانِ رسول اللہ ﷺ کا مقصد صرف انکار حدیث تک محدود نہیں بلکہ یہ لوگ

اسلام کے سارے نظام کو مخدوش کر کے ہر امر و نہی سے آزاد رہنا چاہتے ہیں، نمازوں کے اوقات خمسہ، تعداد رکعات، فرائض وواجبات کی تفاصیل، صوم وزکوۃ کے مفصل احکام، حج کے مناسک، قربانی، بیع وشراء، امور خانہ داری، ازدواجی معاملات اور معاشرت کے قوانین، ان سب امور کی تفصیل حدیث ہی سے ثابت ہے، قرآن میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے جس کی تشریح اور تفصیل حدیث میں ہے۔"

[فتنہ انکار حدیث، ص:١٠]

مولانا عبدالجبار عمر پوری نے حدیث نبوی کے بارے میں "شبہات اور ان کا ازالہ" کے عنوان کے تحت برصغیر کے منکرین حدیث کے اصل مقصد کو بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کی ذہنیت اور اعمال حیرت کے لائق نہیں، کیونکہ وہ قرآن کے منکر، رسول اللہ ﷺ سے منحرف اور ضروریات دین سے برگشتہ ہیں، لیکن سخت افسوس ان ظالموں کی حالت پر ہے کہ زبان سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں اور توحید اور رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور اسلام کو صحیح اور راست بھی کہتے ہیں اور بااین ہمہ اسلام کے اجزا و ارکان کو منہدم کرتے ہیں۔"

[مقالات مولانا عبدالجبار عمر پوری، ص:٤٩]

انکار حدیث صرف یہ نہیں کہ حدیث کو حجت شرعی اور شریعت اسلامیہ کا ماخذ ماننے سے انکار کیا جائے، بلکہ احادیث کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کا کوئی اہتمام نہیں کیا اور یہ کہ احادیث سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ نہیں ہوتا اور یہ کہ احادیث کی تدوین تیسری صدی ہجری میں ہوئی ہے۔ احادیث سے اپنی خواہشات کے مطابق مسائل کا استنباط کرنا اور احادیث کا خانہ ساز معنی ومفہوم بیان کرنا، یہ سب انکار حدیث ہی کی صورتیں ہیں۔

منکرین حدیث نبوی احادیث نبوی کو بے اعتبار اور بے وقعت بنانے کے لیے اس قسم کے شکوک وشبہات پیش کرتے ہیں کہ اگر حدیث شرعی ماخذ ہے پھر اس کی حفاظت قرآن

مجید ہی کی طرح کیوں نہیں ہوئی؟ رسول اللہ ﷺ نے کتابت حدیث سے منع کیوں فرمایا؟ جب قرآن مجید میں ہر چیز کا بیان ہے پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے؟ احادیث باہم متعارض ہیں اور مسلمانوں میں علمی اور مسلکی اختلاف کی وجہ احادیث ہی بنی ہیں اور اسی طرح کے کچھ شبہات اور اعتراضات۔ ہم نے اس تالیف میں ان ساری باتوں کا تحقیقی جائزہ لیا ہے۔

منکرین حدیث نے فتنہ انکار حدیث کو لوگوں میں عام کرنے کے لیے کتابوں کا ایک اچھا خاصا دفتر تیار کیا ہے۔ چند اہم کتابوں اور رسالوں کے نام اس طرح ہیں: سرسید احمد خان: تفسیر القرآن، خطبات احمدیہ۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی: ترجمہ القرآن، اشاعۃ القرآن۔ نیاز فتح پوری: من ویزدان۔ عنایت اللہ مشرقی: تذکرہ۔ اسلم جے راج پوری: مقالات جے راج پوری۔ غلام احمد پرویز: مفہوم القرآن، مقام حدیث، اسباب زوال امت، ادارہ طلوع اسلام۔ جاوید احمد غامدی: میزان، مقامات، برہان، ادارہ المورد۔

شاہ محمد عزالدین میاں پھلواری لکھتے ہیں:

''انکار حدیث کا جو فتنہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ اٹد چلا آیا ہے وہ کس طرح خرمن دین وایمان پر بجلیاں گرا رہا ہے آج اس فتنہ کا انسداد اسی طرح ہوسکتا ہے کہ دنیا کے سامنے حدیث رسول کریم ﷺ کی صحیح اہمیت کو پوری طرح واضح کیا جائے۔'' [علوم الحدیث، ص:۶]

فتنہ انکار حدیث کے خلاف برصغیر کے علماء نے جس طرح تقریری اور تحریری محاذ سنبھالا، جس مؤثر طریقے پر حجیت حدیث کو قرآن مجید کی آیات، احادیث نبوی، اجماع امت، سلف صالحین کی تشریحات اور عقلی دلائل سے ثابت کیا اور منکرین حدیث کی طرف سے پیدا کیے گئے شکوک وشبہات اور اعتراضات کا جس طرح علمی انداز میں جواب دیا گیا، منکرین حدیث کے ساتھ مناظرے کیے گئے اس سے یہ فتنہ انکار حدیث لوگوں میں کبھی عام نہیں ہوسکا۔

برصغیر پاک وہند میں فتنہ انکار حدیث کی وجوہات کیا تھیں؟ کیا داخلی وخارجی اسباب تھے؟ اس بارے میں علمائے اسلام نے جو کچھ لکھا ہے اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

انکار حدیث کے داخلی اسباب:

① خواہشات نفس کی پیروی: دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد مسلمان کو اسلام پابند کرتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے آزاد اور خود مختار نہیں بلکہ مکمل طور پر قرآن وحدیث کے احکامات کا پابند ہے۔ یہ پابندی طبیعت میں آزادی رکھنے والوں اور خواہشات کی پیروی کرنے والوں پر گراں گزرتی ہے۔ احادیث نبویہ جو قرآن مجید کے اصول اور کلیات کی تفصیل ہے قدم قدم پر خواہشات نفسانی کی پیروی میں رکاوٹ ہیں نیز ان میں تاویل کی گنجائش بھی نہیں ہے، جبکہ خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلوانا چاہتے ہیں اور ان پابندیوں سے آزادی کے طلب گار بھی ہیں۔ لہٰذا احادیث کا انکار کر دیا گیا اور مسلمان کہلوانے کے لیے قرآن کو مانتے رہے۔

مولانا ادریس کاندھلوی ''انکار حدیث کی اصل وجہ'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''انکار حدیث کی یہ وجہ نہیں کہ حدیث ہم تک معتبر ذریعے سے نہیں پہنچی ہے، انکار حدیث کی اصل وجہ یہ ہے کہ طبیعت میں آزادی ہے اور یہ آزاد رہنا چاہتی ہے۔ نفس یورپ کی تہذیب وتمدن پر عاشق اور فریفتہ ہے اور انبیاء ومرسلین کے تمدن سے نفور اور بے زار ہے، کیونکہ شریعت غرا اور ملت بیضاء اور احادیث نبویہ اور سنن مصطفویہ قدم قدم پر شہوات نفس میں مزاحم ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اولین مقصد نفسانی خواہشوں کا کچلنا اور پامال کرنا تھا۔ اس لیے کہ شہوتوں کو آزادی دینے سے دین اور دنیا دونوں ہی تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے منکرین حدیث نے ان دو متضاد راہوں میں تطبیق کی ایک نئی راہ نکالی، وہ یہ کہ حدیث کا تو انکار کر دیا جائے جو ہماری آزادی میں سدراہ ہے اور مسلمان کہلانے کے لیے قرآن کریم کا اقرار کر لیا جائے، کیونکہ قرآن ایک اصولی اور قانونی کتاب ہے، اس کی حیثیت ایک دستور اساسی کی ہے جو زیادہ تر اصول اور کلیات پر مشتمل ہے۔ جس میں ایجاز واجمال کی وجہ سے تاویل کی گنجائش ہے اور احادیث نبویہ

اور اقوال صحابہ میں ان اصول اور کلیات کی شرح و تفصیل ہے اس میں تاویل کی گنجائش نہیں، اس لیے اس گروہ نے حدیث نبوی کا انکار کر دیا اور مسلمان کہلانے کے لیے قرآن کو مان لیا اور اس کے مجملات اور معجز کلمات میں ایسی من مانی تاویلیں کیں جس سے ان کے اسلام اور یورپ کے کفر و الحاد میں کوئی منافرت ہی نہ رہی۔ و ذالك غاية طلبهم و نهاية طربهم.'' [حجیت حدیث، ص:۱۶]

مولانا محمد سرفراز لکھتے ہیں:

''یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ حدیث کی مخالفت آج وہ لوگ کر رہے ہیں جو دراصل اسلامی تہذیب و تمدن کے عادلانہ نظام کو یکسر توڑنا چاہتے ہیں، کیونکہ وہ اس کی تشریح ہے اور تعینات کی حدود میں اپنی اہواء اور خواہشات کی پیروی کے لیے وہ قطعاً کوئی گنجائش نہیں پاتے، لہٰذا انھوں نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ اس چیز کو اصل سے مٹا دیا جائے جو مکمل طور پر اسلام کے عادلانہ نظام کی تشریح اور حد بندی کرتی ہے، تاکہ وہ آزاد ہو جائیں اور اسلام کے ڈھانچے پر جس قدر اور جس طرح چاہیں گوشت پوست چڑھائیں اور جس طرح چاہیں اپنے خود ساختہ اسلام کی شکل بنا لیں۔'' [شوق حدیث، جلد اول، ص:۹]

مولانا عاشق الٰہی لکھتے ہیں:

''قرآن حکیم میں امر و نواہی ہیں جن میں بہت سے احکام ایسے ہیں جن کا اجمالی حکم قرآن میں دیا گیا اور ان پر عمل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ ان احکام کی تفصیلات رسول اللہ ﷺ نے بتائیں۔ جو لوگ آزاد منش اعمال کی بندش میں آنے کو تیار نہیں ان کا نفس زندگی کے شعبوں میں اسلام کو اپنانے کے لیے تیار نہیں، لہٰذا یہ لوگ حدیث کے منکر ہو جاتے ہیں۔ چونکہ قرآن میں احکام کی تفصیلات مذکور نہیں ہیں اس لیے آزادی کا راستہ نکالنے کے لیے بار بار یوں کہتے ہیں کہ فلاں بات قرآن میں دکھاؤ۔''

[فتنہ انکار حدیث اور اس کا پس منظر، ص:۹]

② **کم علمی اور جہالت:** برصغیر کے منکرین حدیث کے لٹریچر کے مطالعہ اور حدیث کے بارے میں ان کے خود ساختہ اور من گھڑت شبہات و اعتراضات کو دیکھ کر اس چیز کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ وہ نہ تو علم حدیث پر عبور رکھتے ہیں اور نہ ہی علوم قرآنی کی گہرائیوں سے واقف ہیں۔ چونکہ قرآن وسنت اور ان کے مستند ماخذ تک منکرین حدیث کی رسائی نہیں لہٰذا ان کی توجیہ بھی ان کے بس کا روگ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث رسول پر اعتراض کرنے لگتے ہیں۔

پیر محمد کرم شاہ ازہری لکھتے ہیں:

''جہاں تک میں نے معترضین حدیث کی مشکلات کا اندازہ لگایا ہے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان کا مطالعہ صرف چند نامکمل تراجم کتب حدیث تک محدود ہوتا ہے اور وہ ان اصولوں سے بے خبر ہوتے ہیں جس سے کسی حدیث کی فقہی اور قانونی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ اس سے قطعی ناواقف ہوتے ہیں کہ اس حدیث سے جو حکم ثابت ہے وہ فرض ہے، سنت ہے، جائز ہے یا مباح ہے، بلکہ انھوں نے تو احکام کے اس فرق کو جاننے کی کبھی کوشش بھی نہیں کی اور پھر بے چارے وہم وگمان کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگتے ہیں اور اسی طرح اپنے خود ساختہ اوہام میں غلطاں وپیچاں رہتے ہیں۔ اس وجہ سے بعض تو اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں اور حدیث پر بے جا اعتراض کرنے لگتے ہیں۔''

[سنت خیر الانام، ص: ۱۷۹]

مولانا محمد قطب الدین لکھتے ہیں:

''انکار حدیث کا سب سے پہلا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ منکرین حدیث راسخ فی علم القرآن ہی نہیں۔ وہ علم حدیث پر بھی مکمل عبور نہیں رکھتے اور حدیث کی مختلف انواع واقسام اور راویوں سے متعلق فن تنقید وتحقیق سے بے خبر واقع ہوئے ہیں۔ ان میں تطبیق آیات اور احادیث کا فن بھی مفقود ہے۔ اس کے لیے مسلسل اور عمیق

مطالعہ کی ضرورت ہے، جس کے بغیر احادیث نبوی کی صحیح عظمت وافادیت واضح نہیں ہو سکتی۔'' [مظاہر حق شرح مشکوٰۃ، دیباچہ کتاب، طبع ۱۹۶۶ء]

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل لکھتے ہیں:

''انکار حدیث احساس کمتری کی پیداوار ہے جس نے گریز کی صورت اختیار کر لی ہے۔ جب یہ حضرات کسی مخالف کا اعتراض سنتے ہیں تو چونکہ یہ قرآن وسنت اور اس کے مستند ماخذ سے واقف نہیں اور اس کی توجیہ سے ان کا ذہن قاصر ہوتا ہے اس لیے بھاگنا شروع کر دیتے ہیں، جس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ نصوص کا انکار کر دیا جائے اور احادیث سے متعلق تو وہ یہ ہتھیار استعمال کرتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو نہیں مانتے۔'' [حجیت حدیث، ص: ۱۲۶]

③ عقل کو وحی پر ترجیح دینا: تاریخ اسلام اس حقیقت کی گواہ ہے کہ جب بھی اسلام میں کسی فرقہ یا گروہ نے اپنے عقائد ونظریات کو داخل کرنا چاہا تو عقل کا سہارا لیا اور عقل کی برتری کو منوانے کی کوشش کی۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری میں معتزلہ کے انکار حدیث کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے عقل کو فیصلہ کن حیثیت دی اور راہ راست سے بھٹک گئے۔ برصغیر میں انکار حدیث کے دیگر اسباب میں ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ منکرین حدیث نے بعض ایسے امور میں عقل کا فیصلہ مانا جہاں عقل عاجز ہے۔ مثلاً جو حدیث عقل میں نہ آئی اس کو ماننے سے انکار کر دیا، حالانکہ انسانی عقل وحی کی محتاج ہے اور اسے قدم قدم پر رہنمائی اور ہدایت کی ضرورت ہے۔

محمد ادریس فاروقی لکھتے ہیں:

''بعض حضرات نے تو حدیث کو ٹھکرانے اور قبول نہ کرنے کے لیے عقل ومشاہدہ اور فکر کو معیار قرار دے رکھا ہے۔ حدیث خواہ کس قدر بے غبار اور صحیح ہو، سند کتنی مضبوط ہو، رواۃ کتنے بے عیب ہوں، پوری امت نے قبول کیا ہو، ان کی بلا سے انھیں ان باتوں کی کوئی پروا نہیں، انھوں نے کامل نبی کو اپنی ناقص عقل سے کم تر

مقام دیا جو کہ افسوس ناک بلکہ خطرناک ہے۔ عام طور پر ہمارے انگریزی خواہاں حضرات اور ماڈرن دوست اسی آسان اصول کو قبول فرما لیتے ہیں کہ جو حدیث عقل میں نہ آئے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ عقل کو کیسے معیار قرار دیا جا سکتا ہے!؟ عقل تو خام ہے، عقل میں تفاوت ہے اور سب کی عقل ایک جیسی نہیں، بہت لوگ ہیں کہ ان کی عقل پر مادیت کا غلبہ ہے، اس پر یورپ کی چھاپ ہے اور وہ اسلامی حدود وقیود سے سو فیصد نابلد اور یکسر نا آشنا ہے، پھر ایسی عقل حدیث کی جانچ کیسے کر سکتی ہے!؟'' [مقام رسالت، ص:١٦]

④ **دنیاوی اغراض ومقاصد کا حصول:**

مولانا محمد قطب الدین لکھتے ہیں:

''منکرین حدیث اور ان کے پیشوا علمائے یہود کی مانند محض دنیاوی اغراض ومفادات کے لیے دیدہ ودانستہ کتمان حق بھی کرتے ہیں اور التباس حق وباطل بھی۔'' [مظاہر حق، شرح مشکوۃ، دیباچہ کتاب، طبع ١٩٦٦ء]

پروفیسر محمد فرمان لکھتے ہیں:

''ہمیں یہ تسلیم ہے کہ بعض لوگوں نے دنیاوی جاہ ومنصب کے لیے حدیث کو نشانہ بنا رکھا ہے۔ بعضوں نے کسی محبوب کا اشارہ پا کر یہ تحریک شروع کر رکھی ہے۔ بعضوں نے کم علمی اور اسلام کے سطحی مطالعہ کی بنیاد پر یہ روش پسند کر لی ہے۔'' [انکار حدیث ایک فتنہ ایک سازش، ص:٢٠٤]

انکار حدیث کے خارجی اسباب:

① **برطانوی سامراج کی سازش:** ہندوستان پر انگریز حکومت کی مکمل عمل داری اور ١٨٥٧ء کی جنگ آزادی میں اپنی کامیابی کے بعد انگریز مسلمانوں کو اپنی انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنانے لگے، کیونکہ انھوں نے مسلمان حکمرانوں سے حکومت چھینی تھی اور انھیں ہر وقت مسلمانوں کی طرف سے مزاحمت کا خطرہ رہتا تھا۔ مزید برآں جنگ آزادی میں

مسلمانوں نے انگریزوں سے سخت مقابلہ کیا تھا، لہٰذا وہ مسلمانوں کو ہر میدان میں کچلنا چاہتے تھے۔ لیکن اس میں سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کی اپنے بنیادی عقائد کے ساتھ مکمل وابستگی اور آپس کا اتحاد تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے مسلمانوں کو دینی اعتبار سے کمزور کرنے کے لیے مختلف سازشیں شروع کر دیں۔ مثلاً مسلمانوں میں فرقہ بندی کو ہوا دینے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں ہی میں ایسے رجال تیار کیے جنھوں نے مختلف دینی احکام سے انحراف کر کے دین میں نئے نئے فتنے پیدا کیے۔ ان فتنوں میں انکار ختم نبوت اور انکار حدیث کے فتنے نہایت نقصان دہ اور خطرناک ثابت ہوئے۔

مولانا مفتی عاشق الٰہی لکھتے ہیں:

"انگریزوں نے جب غیر منقسم ہندوستان میں حکومت کی بنیاد ڈالی تو اس کے ساتھ ہی انھوں نے ایسے افراد سامنے لائے جو اسلام کے مدعی ہوتے ہوئے اسلام سے منحرف ہوں۔ اس طرح کے لوگوں نے تفسیر کے نام سے کتابیں لکھیں، معجزات کا انکار کیا، آیات قرآنیہ کی تحریف کی، بہت سے لوگوں کو انگلینڈ ڈگریاں لینے کے لیے بھیجا گیا، وہاں سے وہ گمراہی، الحاد اور زندیقیت لے کر آئے۔ مستشرقین نے ان کو اسلام سے منحرف کر دیا۔ اسلام پر اعتراضات کیے جو ان کے نفوس میں اثر کر گئے اور علماء سے تعلق نہ ہونے کی وجہ سے مستشرقین سے متاثر ہو کر ایمان کھو بیٹھے۔ انگریزوں نے اسکولوں اور کالجوں میں الحاد اور زندقہ کی جو تخم ریزی کی تھی اس کے درخت مضبوط اور بار آور ہو گئے اور ان درختوں کی قلم جہاں لگتی چلی گئی وہیں ملحدین اور زندیق پیدا ہوتے چلے گئے۔"

[فتنہ انکار حدیث اور اس کا پس منظر، ص:۷]

مستشرقین کی حدیث کے متعلق آراء

مستشرقین نے مسلمانوں کے بنیادی عقائد کو متزلزل کرنے کے لیے حدیث رسول کے بارے میں مختلف شکوک وشبہات اور بے بنیاد اعتراضات پیش کر کے حدیث نبوی پر

مسلمانوں کے یقین و اعتماد کو ختم کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔ ظاہر ہے یہ کام وہ ہمیشہ تحقیق کے نام پر ہی کرتے ہیں، جس کے اثرات برصغیر کے منکرین حدیث پر بھی پڑے جو پہلے ہی مغربی نظریات اور تہذیب سے مرعوب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث نبوی کے بارے میں یہاں کے منکرین حدیث کے بڑے بڑے شبہات واعتراضات دراصل مستشرقین ہی کی ''تحقیق'' ہے، جس سے یہ اندازہ لگانا بالکل آسان ہو جاتا ہے کہ برصغیر میں فتنہ انکار حدیث کا ایک بنیادی سبب مستشرقین کی حدیث رسول کے خلاف علمی (بددیانتی پر مبنی) فتنہ انگیزیاں ہیں۔ یہاں ہم بعض مستشرقین کی حدیث کے متعلق آراء نقل کرتے ہیں:

ان مستشرقین کے نام حسب ذیل ہیں:

1. Springer 2. Goldziher 3. Dozi 4. Arbury 5. H.A.R. Gibb

6.Schacht 7.A.R. Nicholoson 8. Robson. 9. Montgumery Watt

احادیث نبوی کے متعلق مستشرقین کی آراء:

① رسول اللہ بنیادی طور صرف امیین کی طرف ہی بھیجے گئے تھے۔

② رسول اللہ کی اصل حیثیت بگڑے ہوئے عرب معاشرے میں ایک مصلح کی ہے۔

③ رسول اللہ کا صرف یہ کام تھا کہ جو قرآن آپ دیے گئے وہ لوگوں تک پہنچائیں۔

④ احادیث کا بنیادی تعلق عرب تہذیب اور شعائر سے ہے نہ کہ اسلام سے۔

⑤ رسول اللہ نے کتابت حدیث سے صحابہ کو سختی کے ساتھ منع کیا تھا۔

⑥ احادیث نبوی کو گھڑنے اور دین کے طور ان کو پیش کرنے کا سلسلہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد شروع ہوا۔

⑦ احادیث کی تدوین تیسری صدی ہجری میں مؤلفین صحاح ستہ کے ہاتھوں ہوئی۔

⑧ مؤلفین صحاح ستہ سب فارسی ہیں، کیونکہ عرب تدوین حدیث میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ آپ برصغیر پاک وہند کے منکرین حدیث کی کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ کیجیے، یہی شکوک وشبہات، یہی اعتراضات اور یہی گمراہ کن آراء ان میں بھی نظر آئیں گی۔

پروفیسر عبدالغنی ''منکرین حدیث کے اعتراضات'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''ان لوگوں کے اکثر اعتراضات مستشرقین یورپ ہی کے اسلام پر اعتراضات سے براہِ راست ماخوذ ہیں۔ مثلاً حدیث کے متعلق اگر Goldziher, Springer اور Dozi کے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے تو آپ فوراً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ منکرین حدیث کی طرف سے کیے جانے والے بڑے بڑے اعتراضات من وعن وہی ہیں جو ان مستشرقین نے کیے ہیں۔'' [ریاض الحدیث،ص:۱۵۹]

مولانا محمد فہیم عثمانی لکھتے ہیں:

''افسوس تو زیادہ اس بات کا ہے کہ سب کچھ دشمنان اسلام کی پیروی میں ہو رہا ہے۔ مستشرقین یورپ کے سفیہانہ اعتراضات کی اندھا دھند تقلید سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ ڈھائی سو برس بعد احادیث کے قلم بند ہونے کی باتیں اور اس طرح حدیث کے ذخیرے کو ساقط الاعتبار ثابت کرنے کی سکیمیں، یہ رجال حدیث کی ثقاہت پر اعتراضات اور یہ عقلی حیثیت سے احادیث پر شکوک وشبہات کا اظہار، یہ سب کچھ مستشرقین یورپ کے اُتارن ہیں جن کو منکرین حدیث پہن پہن کر اتراتے ہیں۔''[1] [حفاظت اور حجیت حدیث۔ص:۱۳]

آخر پر ہم یہاں بعض منکرین حدیث کی آراء پیش کرتے ہیں:

ان منکرین حدیث کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ عبداللہ چکڑالوی۔ ۲۔ نیاز فتح پوری۔ ۳۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق

۴۔ حافظ اسلم جے راج پوری۔ ۵۔ غلام احمد پرویز۔ ۶۔ جاوید احمد غامدی

(۱) عبداللہ چکڑالوی: انکار حدیث

''پس کتاب اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح کتاب اللہ کے احکام کو مانا جاتا ہے اسی طرح کسی اور کتاب یا شخص کے قول یا فعل کو دین اسلام

---

[1] ماہنامہ محدث ستمبر ۲۰۰۲ء، برصغیر میں فتنہ انکار حدیث کی تاریخ واسباب از ڈاکٹر محمد عبداللہ عابد۔

میں مانا جائے، خواہ فرضاً جملہ رسل وانبیاء کا قول یا فعل ہی کیوں نہ ہو۔''

[ترجمة القرآن ، ص:۹۸]

④ نیاز فتح پوری: انکار حدیث

''یہ تھا وہ سب سے پہلا فتویٰ کفر والحاد جس نے مجھے یہ کہنے پر مجبور کیا کہ اگر مولویوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں یقیناً کافر ہوں اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب نا مسلمان ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کورانہ تقلید کا اور تقلید بھی اصول واحکام کی نہیں بلکہ بخاری ومسلم ومالک وغیرہ کی اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیت اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہو سکتی جب تک ہر شخص اپنی جگہ غور کر کے کسی نتیجہ پر نہ پہنچے۔'' [من ویزدان، ص: ۵۴۷]

③ ڈاکٹر غلام جیلانی برق: انکار حدیث

''ملا سے میرا نزاع اس بات پر ہے کہ وہ حدیث کو آگے لا کر بے شمار ظواہر کو جزو اسلام بنانا چاہتا ہے اور میں قرآن کو پیش کر کے ملت کو ان ملائی قیود سے آزاد کرانا چاہتا ہوں۔'' [دو اسلام، ص: ۱۱۴]

④ حافظ اسلم جے راج پوری: انکار حدیث

''اس تکمیل ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' کے بعد اب دین میں کمی کیا رہ گئی جو روایتوں (احادیث) سے پوری کی جائے؟ اس لیے روایتوں کی جگہ اپنی تاریخ کی الماری ہے۔ ان سے تاریخی اور علمی فائدے حاصل کیے جا سکتے ہیں اور فقہ اسلامی یعنی قوانین وضوابط کے استنباط میں کام لیا جا سکتا ہے۔ حدیثوں میں آں حضرت ﷺ کے اقوال، اعمال اور احوال بیان کیے گئے ہیں اور اسی کا نام تاریخ ہے۔'' [طلوع اسلام، ستمبر ۱۹۵۵ء]

⑤ غلام احمد پرویز: انکار حدیث

''مثلاً یہ عقیدہ کہ قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل کچھ اور بھی ہے (مثلہ معہ) اور یہ وہ مجموعہ روایات ہے جسے رسول اللہ ﷺ کے اڑھائی سو سال بعد لوگوں نے

انفرادی طور پر مرتب کیا۔ یہ ایک اصولی عقیدہ ہے جو قرآن کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن بے مثل و بے نظیر ہے۔ یہ عقیدہ نہ اپنے دور میں صحیح تھا نہ اسے آج ہی کسی اور سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک یہ عقیدہ عجم کی سازش کا نتیجہ ہے۔'' [اسباب زوال امت، ص:۱۵۴]

⑥ جاوید احمد غامدی: انکار حدیث

''نبی کریم ﷺ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کی روایتیں جو زیادہ تر اخبار آحاد کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں اور جنھیں اصطلاح میں حدیث کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں یہ دو باتیں ایسی واضح ہیں کہ کوئی صاحب علم انھیں ماننے سے انکار نہیں کر سکتا: ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے لیے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا (ایک خطبہ حجۃ الوداع کے متعلق البتہ کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے دوسروں تک پہنچانے کی ہدایت فرمائی تھی، لیکن اس کے بھی چند جملے ہی روایتوں میں نقل ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی چیز کے بارے میں اس نوعیت کی کوئی چیز تاریخ کے مستند ماخذ میں مذکور نہیں)۔ دوسری یہ کہ ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ کبھی علم یقین کے درجے تک نہیں پہنچتا۔ حدیث سے متعلق یہی دو حقائق ہیں جن کی بنا پر یہ ماننا تو ناگزیر ہے کہ اس سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔''

[میزان، ص: ۶۸، طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ء لاہور]

حرف مطلب:

احقر کو بعض ساتھیوں کے ذریعے سے چند ماہ پہلے معلوم ہوا کہ جاوید احمد غامدی منکر حدیث کی گمراہیاں جموں کشمیر میں بھی پھیل رہی ہیں اور ایک حلقہ جس میں عموماً ذرائع ابلاغ سے وابستہ مضمون نگار، کالم نویس اور کچھ طلبہ بھی شامل ہیں، اُن سے متاثر ہے۔ یہ بات سن کر افسوس تو ہوا مگر تعجب کچھ نہیں ہوا، کیونکہ ایک ملت جو کئی صدیوں سے غیر فطری زندگی

(غلامی کی زندگی) گزار رہی ہو، وہ ہر طرح کی علمی گمراہی اور علمی بگاڑ کے لیے دستیاب ہوتی ہے۔ غلامی میں لوگوں کے عقائد اور نظریات ہی خراب نہیں ہوتے بلکہ قول وفعل میں منافقت پیدا ہوتی ہے اور زندگی کی ترجیحات بھی آقاؤں کی ترغیب سے تبدیل ہو جاتی ہیں۔ شکم سے اوپر اور ناک سے آگے دیکھنے کی صلاحیت بھی تقریباً ختم ہو جاتی ہے۔ اِلا ماشا اللہ! اور سب سے اہم بات یہ کہ لوگوں کا اپنے اسلاف سے علمی وعملی انقطاع ہو جاتا ہے اور آقا اس انقطاع کو یقینی بنانے کے لیے سب کچھ کرتے ہیں، کیونکہ اگر محکوم اخلاف حاکم اسلاف کی علم وعمل میں اطاعت واتباع کریں گے پھر محکوم کیوں رہیں گے؟ اس لیے اس انقطاع کے ساتھ ہی زمانے کے تقاضوں کے مطابق دین کی نئی تعبیر اور تشریح (جو لوگوں کو دین کی بنیاد پر اغیار کی غلامی پر آمادہ کرے گی) ناگزیر بن جاتی ہے اور لوگوں کی اکثریت ہر ایسی نئی تعبیر اور تشریح کو دل وجان سے قبول کرتی ہے جس میں نفسِ امارہ کی آزادی کا پوری طرح خیال رکھا گیا ہو اور ''مزاحمت'' کے متعلق ''غیر شرعی، فرسودہ اور غلیظ خیالات'' کی تنسیخ کی گئی ہو۔ غلاموں کی دینی، علمی، فکری اور اخلاقی حالت کیا ہوتی ہے؟ اس کے لیے قرآن مجید میں سورۃ البقرہ کی اُن اسی (۸۰) آیات کا بغور مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے جس میں مصر میں فرعون کی غلامی میں بنی اسرائیل کی اخلاقی حالت بیان ہوئی ہے؟ ساتھیوں کی اس اطلاع کے بعد ہم نے اُن بعض مضمون نگاروں اور کالم نویسوں کی تحریروں پر نظر رکھی جن کے بارے میں احقر کو بتایا گیا تھا کہ وہ جاوید احمد غامدی کے گمراہ کن نظریات کو یہاں پھیلانے میں کلیدی رول ادا کر رہے ہیں۔ ان کے مضامین اور کالموں سے اس اطلاع کی تصدیق ہوگئی، ہم نے ان کے مضامین اور کالموں میں وہی گمراہ کن باتیں دیکھیں جو جاوید احمد غامدی اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے اب کئی سالوں سے پھیلا رہے ہیں۔ پھر ساتھیوں کی طرف سے یہ اصرار ہونے لگا کہ آپ ان گمراہیوں کے متعلق کچھ لکھیں، پہلے تو یہی طے ہوا کہ ایک مضمون کے ذریعے جاوید احمد غامدی کی گمراہیوں کا جائزہ لیا جائے، مگر پھر ایک مکمل تالیف کی ضرورت محسوس کی گئی۔

جاوید احمد غامدی کے نظریات (انحرافات) کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لینے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ ہم اُن کے متعلق جو کچھ ثانوی ذرائع سے معلومات حاصل ہیں ان پر انحصار نہ کریں اور اخلاقاً یہ صحیح بھی نہیں ہے کہ کسی شخص پر ثانوی ذرائع سے حاصل ہوئیں معلومات کی بنیاد پر تبصرہ کیا جائے۔ چنانچہ احقر نے پہلے جاوید احمد غامدی کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ ساتھیوں کے ذریعے اس کی کتابیں میزان، مقامات، برہان اور البیان (تفسیری کاوش) دستیاب کی گئیں۔ ہم نے خالی الذہن اور غیر جانبداری کے ساتھ اور پوری توجہ کے ساتھ دو ماہ تک ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ ان کی کتابوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد دو لفظوں میں اگر ان پر تبصرہ کرنے کے لیے کہا جائے تو یہی کہا جائے گا ''تضادات اور انحرافات کا مجموعہ'' ہے۔ برصغیر پاک وہند میں تیرھویں صدی ہجری میں جو دو خطرناک فتنے انکار ختم نبوت اور انکار حجیت حدیث کے اُٹھے تھے، ان ہی کی تجدید ہو رہی ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ آج کل اسلام کے متعلق ہر نئی بات کو ''تحقیق'' اور انحراف کو ''اجتہاد'' سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح جو باتیں اسلام میں مردود ہیں وہ ''مکتبہ فکر'' بن جاتی ہیں اور اس ''تحقیق اور اجتہاد'' کے لیے علمی قابلیت یہ مقرر ہوئی ہے کہ اس شخص نے کئی سال تک علوم اسلامی کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہو، پھر وہ بھی فقہائے سبعہ اور ائمہ اربعہ کی طرح دین کی تعبیر وتشریح کر سکتا ہے۔

جاوید احمد غامدی کو آپ برصغیر پاک وہند میں گمراہیوں کی مشہور تثلیث ''غلام احمد قادیانی، مولوی عبداللہ چکڑالوی اور غلام احمد پرویز کا ترجمان شیریں بیان کہہ سکتے ہیں۔ آپ غلام احمد قادیانی، عبداللہ چکڑالوی اور غلام احمد پرویز کی کتابوں کا مطالعہ کیجیے تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہوگا کہ جاوید احمد غامدی کے گمراہ کن نظریات جن کو وہ مطالعہ کتب، قرآن فہمی اور تحقیق کے نام پر پیش کر رہے ہیں، ان ہی تین لوگوں کے ملحدانہ نظریات کا عکس اور پرتو ہیں۔

① غلام احمد قادیانی نے قرآن مجید کی معنوی تحریف کی۔

① مولوی عبداللہ چکڑالوی نے قرآن مجید کی معنوی تحریف کی۔

① غلام احمد پرویز نے قرآن مجید کی معنوی تحریف کی۔

② غلام احمد قادیانی نے احادیث کی تشریعی حیثیت کا انکار کیا۔

② مولوی عبداللہ چکڑالوی نے احادیث کی تشریعی حیثیت کا انکار کیا۔

② غلام احمد پرویز نے احادیث کی تشریعی حیثیت کا انکار کیا۔

③ غلام احمد قادیانی نے اسلامی اصطلاحات کے خود ساختہ معنی بیان کیے۔

③ مولوی عبداللہ چکڑالوی نے اسلامی اصطلاحات کے من مانی معنی بیان کیے۔

③ غلام احمد پرویز نے اسلامی اصطلاحات کے خانہ ساز معنی بیان کیے۔

یہی تین چیزیں آپ کو جاوید احمد غامدی کی کتابوں میں بھی ملیں گی۔ ظاہر ہے ۴۰ سالہ مطالعۂ کتب کے بعد ایک انسان میں یہ صلاحیت تو پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ان گمراہیوں کو خوش نما الفاظ اور موثر عبارت آرائی کے ساتھ پیش کرے۔ جاوید احمد غامدی کے گمراہ کن نظریات کا جب آپ بغور جائزہ لیں گے تو آپ دیکھیں گے یہ گمراہ کن نظریات باہم مربوط ہیں۔ وہ جب ایک گمراہ کن نظریہ پیش کرتے ہیں تو اس گمراہ کُن نظریہ سے اپنے دوسرے گمراہ کن نظریہ کے لیے زمین ہموار اور فضا ساز گار بناتے ہیں۔ یعنی قاری کو پہلے ہی اپنے دوسرے گمراہ کن نظریہ کے لیے ذہنی طور تیار کرنا چاہتے ہیں اور اس بارے میں تسلسل کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ جاوید احمد غامدی کے گمراہ کن نظریات کا علمی محاسبہ کئی جید علماء نے کیا ہے اور احسن اور مؤثر طور پر کیا ہے۔

احقر کی دلی خواہش تو یہی تھی کہ ملت اسلامیہ کشمیر میں بھی کوئی اہل علم ان کے گمراہ کن نظریات کا محاسبہ کرے تاکہ اُن بدنصیب جوانوں کو جو دین میں بھی سائنس کی طرح ہر نئی بات (بدعت) کو ''تحقیق'' اور سلف صالحین کی دین کی تعبیر وتشریح سے انحراف کو ''اجتہاد'' سمجھ کر ان ''محققین'' اور ''مجتہدین'' کے عقیدت مند اور معاون بن جاتے ہیں۔ دعوتِ غور وفکر دی جاتی کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟ اُن کو یہ بتایا جائے کہ مسلمان کی دنیاوی سلامتی اور اُخروی فلاح اسی میں ہے کہ وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فرمان کو ضابطہ زندگی بنائیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

《إنا نقتدي ولا نبتدئ》

''ہم اقتدا کرنے والے ہیں نہ کہ ابتدا کرنے والے۔''

مگر ہمیں بتایا گیا کہ ملت اسلامیہ کشمیر میں اہل علم کی ترجیحات میں یہ بات شامل نہیں ہے، کیونکہ وہ فی الوقت مسلکی معرکہ آرائی میں بہت مصروف ہیں۔ اِلا ماشاء اللہ! تو اس اعتراف کے ساتھ کہ علمی بے بضاعتی کی وجہ سے شاید ہم جاوید احمد غامدی کے گمراہ کُن نظریات کا اچھی طرح محاسبہ نہ کرسکیں گے، مگر ہماری اس پہلی اور حقیر کاوش سے ممکن ہے اہل علم کو اس کا احساس ہو کہ جاوید احمد غامدی کا علمی محاسبہ کرنا اسلام میں عقیدۂ رسالت بالخصوص ایمان بہ رسالت محمدیہ کی حفاظت کے لیے کتنا ضروری ہے۔ ہم صرف اذان دیں گے، امامت تو اہل علم ہی کریں گے۔ ہم اس بات پر آمادہ ہوئے کہ کچھ اس بارے میں تدوین وترتیب کا کام کریں۔ اس کاوش سے اگر جاوید احمد غامدی کے گمراہ کُن نظریات سے ایک بھی جوان تائب ہو کر سلف صالحین کی دین کی تعبیر وتشریح اور سبیل المومنین کی طرف واپس آتا ہے تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری محنت ٹھکانے لگی۔ ہم نے اس تالیف میں جاوید احمد غامدی کی اُن گمراہیوں پر بات نہیں کی ہے جن کا علمی محاسبہ اہل علم اپنی کتابوں یا مضامین میں کر چکے ہیں۔ ہم نے جاوید احمد غامدی کی تحریروں میں موجود اس مرکزی گمراہی پر ہی زیادہ توجہ دی ہے اور تفصیل کے ساتھ بات کی ہے جس پر اہل علم نے اجمالاً ہی بات کی ہے۔ وہ اسلام میں عقیدۂ رسالت ایمان بالرسالت محمدیہ کے متعلق ان کا خطرناک اور گمراہ کُن نظریہ ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اُن کی تحریروں کا اصل ہدف عقیدۂ رسالت ہے تو لازم ہے اس کے لیے ہم ان ہی کی کتابوں سے شہادت پیش کریں۔ الحمد للہ بفضلِ تعالیٰ! ہم نے ایسا ہی کیا ہے۔

مسیلمہ کذاب اور غلام احمد قادیانی سیدنا رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار نہیں کرتے تھے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مسیلمہ کذاب رسول اللہ ﷺ کی رسالت میں اپنے آپ کو شریک ٹھہراتا تھا اور غلام احمد قادیانی کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ مہر رسول اللہ ہی سے غیر تشریعی

نبی ہیں۔ جاوید احمد غامدی رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار تو نہیں کرتے اور نہ ہی مدعی نبوت ہیں، مگر وہ جو رسالت محمدی ﷺ کا اقرار بھی کرتے ہیں تو اس اقرار میں کیا رکھا ہے؟

① رسول اللہ ﷺ صرف عرب ادیان پر اسلام غالب کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔

② رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا اضافہ نہیں ہوتا۔

③ رسول اللہ ﷺ نے احادیث کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔

④ رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کے کسی حکم کی تحدید و تخصیص نہیں کر سکتے ہیں۔

⑤ جنت کے لیے اب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے۔

⑥ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے والے کافر نہیں ''غیر مسلم'' ہیں۔

⑦ سنت سے مراد رسول اللہ ﷺ کا قول و فعل نہیں ابراہیم علیہ السلام کی روایت ہے۔

ان باتوں کے ساتھ اگر جاوید احمد غامدی محمد رسول اللہ ﷺ کو رسول بھی مانتے ہوں مگر آپ ﷺ کی حیثیت ایک نامہ بر کے علاوہ کیا رہ جاتی ہے؟ جن پر اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا اور آپ ﷺ نے اس کو لوگوں تک پہنچایا اور آپ کی ذمہ داری ختم...... رہی بات اس میں بنیادی فرائض (صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج) کی، ان کے شرائط و ارکان اور اعمال واذکار سے قریش مکہ پہلے ہی واقف تھے۔ اس لیے ان کو اس بارے میں احادیث نبوی کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی اور اسی لیے قرآن مجید نے بھی ان فرائض کی تفصیل نہیں بتائی ہے۔ جہاں تک فہم قرآن کا تعلق ہے تو اس کے لیے انسان کی فطرت اور عقل (داخلی صلاحیت) اور عربی لغت اور عرب جاہلیت کے اشعار (خارجی ضرورت) راہنما ہیں۔ آپ غور کیجیے ان غامدی نظریات کے بعد ایمان بالرسالت میں کیا معنویت اور کیا اہمیت رہ جاتی ہے؟

اوپر مذکور ان غامدی انحرافات میں جو بات آپ کو مشترک معلوم ہوگی وہ یہ کہ اسلام کا عقیدۂ رسالت، ایمان بہ رسالتِ محمدیہ، رسول اللہ کی تشریعی حیثیت، احادیث کا شرعی ماخذ ہونا اور رسول اللہ کی رسالت کی ہمہ گیریت اور عالم گیریت ہی ان کا اصل ہدف ہے۔

جاوید احمد غامدی امام الانبیاء سیدنا رسول اللہ ﷺ کو اکمل دین کے اکمل رسول کے بجائے روایت ابراہیم علیہ السلام کے مجدد کی حیثیت سے جو پیش کرتے ہیں اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت پیدا کی جائے۔ وہ جو ہندوؤں کو انکار نبوت محمدیہ کے باوجود کافر قرار نہیں دیتے صرف ان کو ''غیر مسلم'' سمجھتے ہیں اور ان کو مشرک بھی نہیں جانتے۔ ''ان کو خدا اور آخرت پر یقین'' کے ساتھ جنت کا حق دار مانتے ہیں تو اس سے بھی اُن کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت پیدا ہو جائے گی۔ چونکہ اس نظریہ وحدت ادیان میں ''خدا اور آخرت'' کے متعلق عقائد رکاوٹ نہیں ہیں، کیونکہ یہ دونوں عقائد ہر مذہب میں کسی نہ کسی صورت میں پائے جاتے ہیں اس میں اگر رکاوٹ ہے تو وہ ایمان بالرسالت محمدیہ ہے اور اسی ''رکاوٹ'' کو جاوید احمد غامدی اپنی تقریروں اور تحریروں سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام میں عقیدۂ رسالت کی مرکزیت اور اہمیت کو ختم کرنے کی خطرناک کوشش برصغیر پاک و ہند میں مشہور منکرِ حدیث ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے کی تھی۔ انھوں نے اپنی کتاب ''ایک اسلام'' میں یہ ملحدانہ نظریہ پیش کیا تھا کہ دنیاوی ہدایت اور اُخروی فلاح کے لیے رسولوں پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ صرف ''خدا اور آخرت پر یقین'' ہی دنیاوی اصلاح اور اُخروی فلاح کے لیے کافی ہے۔ (ایک اسلام، ص:۴۸، ۴۶) مگر پھر انھوں نے انکار حدیث اور اس ملحدانہ نظریہ سے توبہ کر لی اور اپنی غلطی کا صرف برملا اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ ''تاریخ حدیث'' لکھ کر تلافی مافات بھی کر دی۔ وحدت ادیان کا یہ نظریہ بنیادی طور ہندوستانی فلسفہ ہے اور اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ ہندوستان کی سیاسی ضرورت ہے۔ جاوید احمد غامدی کا غلبہ دین کے لیے ہو رہی کوششوں کے متعلق نظریہ، یہ کہ ایسی کوششوں کا کوئی شرعی ماخذ نہیں ہے اور نہ ہی ایسی کوششیں دینی فریضہ یا شرعی ذمہ داری ہے اور ان کے ''قانون اتمام حجت اور قانون جہاد'' جیسے خانہ ساز اصول بھی ''وحدت ادیان'' کے لیے زمین ہموار اور فضا سازگار بنانے کی کوششیں ہیں۔ ہم نے اُن کے جن

گمراہ کُن نظریات کا جو باہم مربوط ہیں اس تالیف میں جائزہ لیا ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

جاوید احمد غامدی کے گمراہ کن نظریات:

① جنت میں جانے کا معیار قرآن میں بیان ہوا ہے، خدا اور آخرت پر یقین، اچھے اعمال کرنا اور جرائم سے دور رہنا، خواہ اب وہ مسلمان ہو، یہودی ہو یا کسی بھی مذہب کو ماننے والا، جنت کا حق دار ہے۔

② رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے والوں کو آپ ''غیر مسلم'' سمجھیں اُن کو کافر نہیں کہہ سکتے، کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے۔ پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تکفیر کرتا ہے، یہ حیثیت اب کسی کو حاصل نہیں ہے۔

③ رسول اللہ ﷺ صرف عرب ادیان پر اسلام غالب کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے، نہ کہ دنیا کے تمام ادیان پر غالب کرنے کے لیے۔

④ حدیث سے دین سے کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ نہیں ہوتا، رسول اللہ ﷺ نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔

⑤ رسول اللہ ﷺ قرآن کے کسی حکم کی تحدید وتخصیص نہیں کر سکتے۔

⑥ اسلام صرف قرآن اور ۲۶ سنتوں (روایت ابراہیم) سے عبارت ہے۔

⑦ پردے اور داڑھی کا کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ پردہ وقتی تدبیر اور داڑھی متکبرانہ وضع اختیار نہ کرنے کے لیے ایک ہدایت تھی۔

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ:

اے باری تعالیٰ! اس کاوش کا مقصد مسلمانوں میں عقیدۂ رسالت کی مرکزیت اور سیدنا وسیدی محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تشریعی حیثیت کو اُجاگر کرنا ہے۔ اگر یہ مقصد حاصل ہو جائے اور اس کے پڑھنے والوں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے تو یہ صرف تیرا ہی فضل واحسان ہوگا کہ ہر تقریر اور تحریر میں تاثیر تیرے ہی کرم سے پیدا ہوتی ہے۔ علم وعمل کی اصلاح بھی

تیری ہی توفیق سے حاصل ہو جاتی ہے۔ باری تعالیٰ! اس کاوش میں احقر سے جو لغزشیں معنی اور بیان میں سرزد ہوئی ہیں ان کو معاف فرما۔ اس کاوش کو احقر اور احقر کے والدین، اہل وعیال، اساتذہ، تلامذہ اور دوست واحباب کے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بنادے۔ باری تعالیٰ! ہمارے دین وایمان کی حفاظت فرما، ہمیں سلف صالحین اور سبیل المومنین کی اطاعت واتباع کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں خواہشات نفس کی تباہ کن غلامی سے آزادی عطا فرما اور کفار ومشرکین کی غلامی (سوء العذاب) سے خلاصی عطا فرما۔ آمین!

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ [آل عمران : ٨]

احقر العباد

محمد قاسم فکتو

اسیر تا حیات

سنٹرل جیل سرینگر جموں وکشمیر

٢٦ رمضان المبارک ١٤٣٧ھ

٢ جولائی ٢٠١٦ء

فتنہ انکار حدیث کے بنیادی محرکات

فتنہ انکار حدیث کے درج ذیل دو بنیادی محرکات ہیں:

① مغربی نظریات اور تہذیب سے مرعوبیت۔

② اتباع ہوائے نفس۔

''موجودہ دور میں اس فتنے (فتنہ انکار حدیث) کو اگرچہ کہیں بھی حکومت کی سرپرستی حاصل نہیں تاہم اس کی پذیرائی کے اور کئی اسباب پیدا ہو گئے ہیں۔ سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ جب قرآن کے نام پر نوجوان انگریزی تعلیم یافتہ اور اسلام بے زار طبقہ کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اسلام دراصل ان گنے چنے اصول وقوانین اور احکام کا نام ہے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ رہا ان پر عمل درآمد اور تعمیل کا طریق کار، تو اس کے لیے ہر دور کے مسلمانوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے دور کے علم کے مطابق اور اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ان احکام کی تاویل اور تعبیر کر لیا کریں۔ پھر کچھ حضرات نے سنت رسول سے آزاد ہو کر اور لغت کے بنیادی معنوں سے فرار اور دور کے کنائی اور مجازی معنی استعمال کر کے قرآنی احکام کی اس انداز میں تاویل ووضاحت فرمائی جس سے شریعت کی عائد کردہ پابندیاں ایک ایک کر کے ختم ہو جاتی تھیں۔ تو ان مبشرات سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو مغربی تہذیب وافکار میں پھلا پھولا اور اسلام کے مبادیات تک سے ناواقف ہوتا ہے، بہت خوش ہو جاتا ہے۔ بھلا جس شخص کو اپنے اتباع ہوائے نفس کی پوری آزادی حاصل رہے اور اس سے اس کے ایمان واسلام کا بھی کچھ نہ

بگڑے تو اس کے لیے اس سے زیادہ اور خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے؟ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے عقائد وافکار میں کتنا ہی ملحد اور اعمال و کردار میں کتنا ہی مفسد کیوں نہ ہو جائے وہ اپنے آپ سے اسلام کے لیبل کو اتارنا گوارا نہیں کرتا۔ نہ تو وہ یہ گوارا کرتا ہے کہ مذہب تبدیل کر کے یہودی یا عیسائی یا ہندو یا سکھ ہو جائے اور نہ ہی یہ گوارا کرتا ہے کہ اسے اس کے اعمال وعقائد کی بنا پر کوئی دوسرا کافر، مرتد یا ملحد قرار دے، لہٰذا ایسے حضرات کو جو راستہ منکرین حدیث نے دکھایا ہے وہ ان کے لیے نہایت پسندیدہ ہے۔''

[آئینہ پرویزیت از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، ص: ۳۵]

اسلام میں عقیدۂ رسالت کی مرکزیت

سوال: کیا جنت میں صرف مسلمان ہی جائیں گے یا کوئی نیک غیر مسلم بھی جنت میں جا سکتا ہے؟

جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

''جنت میں جانے کا معیار قرآن میں بیان ہے، خدا اور آخرت پر یقین، اچھے اعمال کرنا اور جرائم سے دور رہنا، خواہ وہ مسلمان ہو، یہودی ہو یا کسی بھی مذہب کو ماننے والا، جنت کا حق دار ہے۔'' [سالانہ مجلہ، مصعبی، سال ۰۹۔۲۰۰۸ء، ص:۱۵۔ لاہور]

کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے۔ پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تکفیر کرتا ہے، یہ حیثیت اب کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ اب ہمارا کام یہی ہے کہ ہم مختلف گروہوں کے عمل وعقیدہ کی غلطی واضح کریں اور جو لوگ نبی کریم ﷺ کی نبوت کو نہیں مانتے انھیں بس غیر مسلم سمجھیں اور ان کے کفر کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔''

[اشراق:۵۴، دسمبر ۲۰۰۰ء]

ان دو گمراہ کن نظریات پر غور کیجیے! پہلی بات کہ تمام لوگ خواہ یہود ہوں یا عیسائی، ہندو ہوں یا مجوسی یا کسی اور مذہب کے پیروکار، وہ اگر خدا پر اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، اچھے کام کرتے ہیں، جرائم سے دور رہتے ہیں جنت میں جائیں گے۔ دوسری بات سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے منکر غیر مسلم ہو سکتے ہیں مگر ان کو کافر نہیں کہہ سکتے اور یہ کہ ان کے کفر کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا اسلام قبول کیے بغیر بھی لوگ جنت میں جائیں گے؟ کیا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کرنے والے کافر نہیں ہیں؟ کیا دنیاوی ہدایت اور اُخروی

سعادت (جنت) کے لیے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے؟

یہ تین اہم سوال ہیں جو جاوید احمد غامدی کے اوپر مذکور گمراہ کن نظریات کی وجہ سے مسلمانوں کے ذہنوں میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ ہم یہاں ان گمراہ کن نظریات کا قرآن مجید اور احادیث نبوی کی روشنی میں جائزہ لیں گے۔ بفضلِ تعالیٰ ان شاء اللہ!

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ [آل عمران: ۱۹]

''بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [آل عمران: ۸۵]

''اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدة: ۳]

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کیا۔''

﴿فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ﴾ [الأنعام: ۱۲۵]

''تو وہ شخص جسے اللہ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت دے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔''

﴿أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ﴾ [الزمر: ۲۲]

''کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے پس وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہے۔''

ان محکم آیات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے

لیے صرف اور صرف اسلام کو دین کے طور پسند فرمایا ہے اور وہ اپنے بندوں کے کفر سے خوش نہیں ہے۔

﴿ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ﴾ [الزمر : ۷]

''اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا۔''

اسلام کی بنیاد کسی انسان نے نہیں ڈالی، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اسلام کے بانی نہیں ہیں اور نہ ہی اسلام کی بنیاد ۱۴۵۰ سال پہلے مکہ میں پڑی ہے، بلکہ اسلام کی بنیاد وہ وحی ہے جو آدم علیہ السلام سے رسول اللہ ﷺ تک اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام اور رسل عظام علیہم السلام پر نازل فرمائی ہے اور نزول وحی کا یہ سلسلہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی تکمیل کو پہنچا۔ اور تمام انبیائے کرام اور رسل عظام علیہم السلام پر نازل فرمائی گئی اس وحی میں اساسی تعلیمات (توحید، رسالت اور آخرت) ایک ہی رہی ہیں اور شریعت اسلام کی تکمیل سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے ساتھ کر دی گئی۔ اور اس طرح یہ نعمت جس سے دنیاوی ہدایت اور اخروی سعادت انسان کو حاصل ہوتی ہے، پوری کر دی گئی۔ اسلام کے بغیر کسی بھی دین کو عنداللہ قبولیت حاصل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کی واحد صورت صرف اسلام کی پیروی ہے اور جو لوگ کسی اور دین کی پیروی کریں گے جنت حاصل کرنے کی بات تو دُور رہی وہ الٹا قیامت کے دن خسارہ اٹھانے والوں میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو توفیق ہدایت بخشتا ہے تو اس کا دل اسلام ہی کے لیے کھولتا ہے اور جو شخص اسلام کا پیروکار ہے وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور ہدایت پر ہے اور صرف وہی قیامت کے دن بفضلِ تعالیٰ جنت میں جائے گا۔

قرآن مجید میں اسلام کے بغیر تمام ادیان کے لیے ''ظلمات'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ظاہر ہے جب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اس وقت دنیا میں بُت پرستی، مظاہر پرستی، ٹوٹکا پرستی، یہودیت، عیسائیت، مجوسیت، ہندومت، بُت مت اور جین مت جیسے مذاہب کی پیروی ہو رہی تھی۔

﴿الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ [إبراهيم : ١]

''یہ عالی شان کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے اجالے (ظلمات سے نور) کی طرف لائیں ان کے رب کے حکم سے، زبردست اور تعریفوں والے اللہ کی طرف۔''

کفر کی تاریکیوں (ادیان باطلہ) میں پڑے لوگوں کو سیدنا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نور کی طرف (اللہ تعالیٰ کی طرف، توحید کی طرف، جنت کی طرف) بلائیں گے۔ اور اسی کام کے لیے آپ مامور من اللہ ہیں اور یہی آپ کی اصل اور بنیادی ذمہ داری ہے۔ یہاں ایک بات غور طلب ہے کہ آیت میں ''الظُّلُمٰتِ'' جمع لفظ اور ''النُّوْرِ'' واحد لفظ استعمال ہوا ہے، صاف ظاہر ہوتا ہے تاریکیاں اور گمراہیاں بے شمار ہیں یعنی کفر کی صورتیں مختلف ہیں اور ہر زماں اور مکاں میں بدلتی رہتی ہیں اور نئی پیدا ہوتی رہتی ہیں، ایک سے بڑھ کر ایک خوش نما بنا کر پیش کی جاتی ہیں، مگر نور (صراط المستقیم) یعنی ہدایت کی راہ ہمیشہ صرف ایک ہی رہی ہے اور قیامت تک ایک ہی رہے گی اور یہ اسلام کی راہ ہے جس کی رہنمائی ہمیشہ انبیاء و رسل علیہم السلام کرتے آئے ہیں اور اب صرف سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اس کی رہنمائی کریں گے۔

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [الأنعام : ١٥٣]

''اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے، پس تم اسی راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر نہ چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

یہی مضمون عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں یوں مروی ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا: یہ اللہ کا راستہ

ہے۔ پھر اس لکیر کے دائیں بائیں چند لکیریں اور کھینچی اور فرمایا کہ یہ غیر اللہ (ادیان باطلہ) کے راستے ہیں۔ ان راستوں میں سے ہر راستے پر ایک شیطان ہے جو ان کی طرف بلاتا ہے۔ پھر آپ نے اوپر مذکور آیت تلاوت فرمائی۔"

[دیکھیے مسند احمد : ۱/ ۴۳۵]

ہماری دُعا ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ [الفاتحة]

"ہمیں سیدھی راہ (صراط المستقیم) دکھا۔"

سیدنا رسول اللہ ﷺ سیدھی راہ پر ہیں:

﴿يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

[یٰس : ۱ تا ۴]

"یٰس۔ قسم ہے قرآن با حکمت کی۔ کہ بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں (پیغمبروں کے راستے پر ہیں)۔ سیدھے راستے پر ہیں۔"

﴿وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ [المؤمنون : ۷۳]

"یقیناً آپ تو انھیں راہ راست (صراط المستقیم) کی طرف بلا رہے ہیں۔"

تمام انبیاء و رُسل اسلام ہی کے ساتھ لوگوں کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور اسلام میں داخل ہونے کی واحد صورت ہمیشہ نبی اور رسول کی نبوت اور رسالت پر ایمان ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب بعثت نبوی کے وقت تمام ادیان "ظلمت" قرار پائے، ان ادیان کی پیروی کو کھلی گمراہی کہا گیا، پھر آج وہ دنیاوی ہدایت اور حصول جنت کے ذرائع کیسے ہو سکتے ہیں؟

"خدا اور آخرت پر یقین" کے کیا معنیٰ ہیں؟ یہ الفاظ مبہم بھی ہیں اور گمراہ کُن بھی۔ مبہم اس لیے کہ خدا پر یقین کے معنیٰ اگر اللہ کو ماننا ہے تو اس طرح کا یقین بعثت نبوی کے وقت اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہی نہیں بلکہ مشرکین مکہ بھی رکھتے تھے:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ

لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ [العنكبوت : ٦١]

''اگر آپ ان (مشرکین) سے دریافت کریں کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ۔ پھر کدھر الٹے جا رہے ہیں۔''

ابلیس کا خدا پر یقین:

ابلیس بھی خدا اور آخرت پر یقین رکھتا ہے:

﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ [الأعراف : ١٢]

''آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے۔''

ابلیس کا آخرت پر یقین:

﴿قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ [الحجر : ٣٦]

''کہنے لگا کہ اے میرے رب! مجھے اس دن تک کی ڈھیل دے کہ لوگ دوبارہ اُٹھا کھڑے کیے جائیں۔''

اگر خدا پر یقین کے معنی عقیدۂ توحید ہے تو جس طرح زمانۂ رسالت کے اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ کئی طرح کے شرکیہ عقائد اختیار کیے ہوئے تھے آج بھی یہود و نصاریٰ اور ہنود اسی طرح کے کئی شرکیہ عقائد اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اللہ اور آخرت پر تو ان کا یقین تھا اور ایسا بھی نہیں ہے کہ سب اہل کتاب اور مشرکین دہری تھے یا اچھے کام نہیں کرتے تھے یا سب جرائم میں ملوث تھے۔ پھر اُن کو اسلام کی دعوت کیوں دی گئی؟ یہ کیسی جہالت ہے کہ زمانۂ رسالت میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ کو اسلام کی دعوت دی جانے کی ضرورت مان لی جائے اور یہ بھی مان لیا جائے کہ اس وقت ان کی موسیٰ، عیسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کی طرف نسبت بے اعتبار قرار پائی، ان سب کو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا پابند سمجھا جائے، ایمان نہ لانے کی صورت میں اُن کو کافر قرار دیا جائے، مگر

عصرِ حاضر کے یہود و نصاریٰ، ہنود اور دیگر کافر اقوام کے لیے دنیاوی ہدایت اور جنت کے لیے ''خدا اور آخرت پر یقین'' کو کافی مانا جائے، یعنی ان کو نہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی ضرورت ہے نہ اسلام میں داخل ہونے کی ضرورت ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت کے اہل کتاب اور مشرکین کے لیے خدا اور آخرت پر یقین کے باوجود اسلام کی دعوت قبول کرنا اس لیے ضروری تھا کیونکہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ براہِ راست ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''اتمام حجت'' کر رہے تھے، اب چونکہ سیدنا رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اس لیے آپ کی وفات کے بعد ''اتمام حجت'' کی یہ براہِ راست صورت باقی نہیں رہی ہے اس لیے تمام مذاہب کے وہ لوگ جو ''خدا اور آخرت پر یقین'' رکھتے ہوں، اچھے کام کرتے ہوں اور جرائم میں ملوث نہ ہوتے ہوں، جنت میں جائیں گے۔ اگر اس طرح کی بات کہی جاتی ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت آفاقی اور ابدی نہیں بلکہ سابق انبیاء اور رسل کی طرح خاص زمان و مکاں کے لیے تھی۔

جاوید احمد غامدی کا یہ نظریہ کہ ''خدا اور آخرت پر یقین رکھنے والا ہر شخص خواہ وہ کسی بھی مذہب کا پیروکار ہو جنت میں جائے گا'' اسلام میں عقیدۂ رسالت کو ختم کرنے کی انتہائی خطرناک اور مکروہ کوشش ہے جس سے وہ وحدتِ ادیان کے لیے زمین تیار کر کے عالم کفر کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ [الأحزاب: ٢١]

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ عمدہ نمونہ (موجود) ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے۔''

جاوید احمد غامدی کہتے ہیں:

''جو خدا اور آخرت پر یقین رکھتا ہے خواہ وہ کسی بھی مذہب کا پیروکار ہو جنت کا

حق دار ہے۔''

جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے اس کے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے (اطاعت واتباع کے لیے)۔''

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

① آپ ﷺ کی اطاعت واتباع آپ کے زمانے تک ہی محدود نہ تھی بلکہ قیامت تک آپ ﷺ کی اطاعت واتباع لازم وواجب ہے۔

② اور وہی لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو اللہ اور آخرت پر یقین نہ رکھتے ہوں، یعنی اللہ اور آخرت پر یقین کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع کی جائے۔

اس طرح اللہ، رسول اور آخرت پر یقین تینوں باتیں لازم وملزوم ہوگئیں۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۶۲ اور نظریہ وحدتِ ادیان:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [البقرة: ٦٢]

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی بنے اور نصاریٰ اور صابی، جو بھی اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

''جنت میں جانے کا معیار قرآن میں بیان ہوا ہے۔'' جاوید احمد غامدی ان الفاظ میں غالباً سورۃ البقرہ کی اس آیت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو تقریباً انھی الفاظ کے ساتھ سورۃ المائدہ (۶۹) میں بھی آئی ہے۔ بعض لوگ بالخصوص وحدتِ ادیان کے علمبردار انھی دو آیات

سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس وقت بھی اگر یہود و نصاریٰ اور صابی اور دیگر مذاہب کے پیروکار اپنے اپنے مذہب کی پیروی کرتے ہوئے خدا اور آخرت پر یقین رکھ کر اچھے کام کریں تو مسلمانوں کی طرح آخرت میں جنت کے حق دار ہوں گے۔ یہ خطرناک قسم کی جہالت اور گمراہی ہے، کیونکہ اس طرح دنیا میں نہ صرف حق و باطل اور نور و ظلمات کے درمیان تمیز ختم ہو جاتی ہے بلکہ سب سے اہم یہ کہ اس طرح سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت بھی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے، جب کہ مسلمانوں کا یہ یقین راسخ اور ایمان غیر متزلزل ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ شریکوں سے پاک ہے اسی طرح اس کا دین اسلام بھی شریکوں سے پاک ہے۔ تعجب ہے کہ قرآن مجید کی ان تمام آیات کو جن میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں تمام لوگوں کو خواہ وہ کسی بھی مذہب کے پیروکار ہوں، عربی ہوں یا عجمی، سفید ہوں یا سیاہ محمد رسول اللہ ﷺ پہ ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے ان دو آیات کو سیاق وسباق سے الگ کر کے یہ لوگ اس طرح پیش کرتے ہیں گویا ہر شخص خواہ وہ کسی بھی مذہب کا پیروکار ہو، اگر خدا اور آخرت پر یقین رکھتا ہے، جنت کا حق دار ہے۔ تورات اور انجیل میں بنی اسرائیل کو صاف الفاظ میں سیدنا رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم موجود ہے اور ظاہر ہے ان میں جو شخص سیدنا رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لاتا تو اس کا تورات اور انجیل پر بھی ایمان نہیں ہے۔

﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ١٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ١ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ١ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [الأعراف : ١٥٧]

”وہ جو رسول کی پیروی کرتے ہیں جو امی نبی ہے، جسے وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور انھیں برائی سے روکتا

ہے، ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان سے ان کا بوجھ اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔ سو وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے اور اسے قوت دی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ [الصف : ٦]

''اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! بلاشبہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اس کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے تورات کی صورت میں ہے اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہے۔ پھر جب وہ (محمد رسول اللہ ﷺ) ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔''

ان دو آیات پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوگا کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی رسالت کا علم ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص ایمان نہیں لاتا خواہ یہودی ہو یا نصرانی یا کوئی اور، وہ ہرگز دنیا میں ہدایت اور آخرت میں جنت نہیں پا سکتا۔

فرمان نبوی ﷺ ہے:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس امت کا کوئی بھی یہودی یا نصرانی جو میرے بارے میں سن لے، پھر وہ مجھ پر ایمان نہ لائے۔ وہ آگ میں داخل ہوگا۔'' [مسلم]

جب اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے لیے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا دنیاوی ہدایت اور اُخروی فلاح کے لیے لازم ہے تو باقی ادیان اور مذاہب کے پیروکاروں کے لیے تو بالاولیٰ لازم و ملزوم ہے۔ یہود و نصاریٰ تو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام جیسے رسل کی طرف اپنے آپ

کو منسوب کرتے تھے، تورات اور انجیل جیسی آسمانی کتابوں پر ایمان کے مدعی تھے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۶۲ کے متعلق مفسرین کے اقوال:

امام طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت کے بعد "وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا" آیت نازل ہوئی۔ یعنی دین اسلام آجانے کے بعد دیگر تمام ادیان منسوخ ہو گئے۔ اور اس آیت میں یہود و نصاریٰ اور صابین کے لیے جو اجر بتایا گیا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے لوگوں کے لیے ہے، آپ کے زمانے کے یہود و نصاریٰ اور صابین میں سے جو لوگ آپ پر ایمان لائیں انھی کو یہ حکم شامل ہوگا، جو لوگ آپ پر ایمان نہیں لائیں ان کے لیے یہ وعدہ نہیں ہے۔'' [تفسیر طبری]

ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ہر نبی کا تابع دار اور اس کا ماننے والا ایمان دار اور صالح ہے اور اللہ کے ہاں نجات پانے والا ہے، لیکن جب دوسرا نبی آجائے اور وہ اس کا انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔'' [تفسیر ابن کثیر]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ سدی سے روایت کرتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زمانۂ رسالت سے قبل دین حنیف (توحید) پر تھے۔ جیسے زید بن نفیل، قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، ابوذر غفاری، بحیریٰ اور وفد نجاشی۔ یہ بعثت نبی کے انتظار میں تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق یہ لوگ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے۔ (تفسیر روح المعانی)

امام بغوی رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ سے پہلے مومن تھے اور ان میں سے بعض نے رسالت محمدی کا زمانہ پایا اور بعض نے نہیں پایا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے پہلے جب کئی صدیاں بنی اسرائیل کے آخری رسول عیسیٰ علیہ السلام پر گزر چکی تھیں اور ان کی تعلیمات میں تحریف ہو چکی تھی اس وقت (زمانۂ فترت) جو لوگ توحید اور آخرت پر یقین رکھتے ہوئے اچھے کام کرتے

تھے ان کے لیے ہی اس آیت (البقرۃ: ٦٢) میں وعدۂ اجر ہے نہ کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے بعد "خدا اور آخرت پر یقین" رکھنے والوں کے لیے، خواہ وہ کسی بھی مذہب کے پیروکار ہوں۔

عقیدۂ رسالت اور اسلام:

جاوید احمد غامدی کے اس نظریہ سے فتنۂ وحدت ادیان کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ وحدتِ ادیان کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب یکساں برحق ہیں اور ان میں کسی بھی مذہب کی پیروی سے خالق کائنات کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ظاہر ہے دنیا کے تمام مذاہب میں خواہ وہ آسمانی ہوں یا انسان ساختہ، کسی نہ کسی طرح خدا اور آخرت کا واضح یا مبہم تصور پایا جاتا ہے، تورات اور انجیل میں اللہ اور آخرت کا تصور اظہر من الشمس ہے، ویدوں بالخصوص رِگ وید میں بھی یہ تصور موجود ہے، وحدت ادیان کے اس گمراہ کُن نظریے کی زد اگر پڑتی ہے تو وہ اسلام کے عقیدۂ رسالت پر پڑتی ہے۔ یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت غیر اہم اور آپ کی دعوتی، تبلیغی اور جہادی کاوشیں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ (نعوذ باللہ)

اگر گہرائی سے غور کریں تو یہ نظریہ وحدتِ ادیان اسلام کے عقیدۂ توحید اور عقیدۂ آخرت کے بھی منافی ہے۔ اس پر ہم آگے چل کر بات کریں گے۔ ہم یہاں اسلام میں عقیدۂ رسالت کی مرکزیت اور اہمیت کے بارے میں کچھ گزارشات جاوید احمد غامدی اور ان کے عقیدت مندوں کے سامنے رکھیں گے:

اسلام کی ابتدا عقیدۂ رسالت کے ساتھ ہوئی ہے (آدم علیہ السلام پہلے نبی ہوئے ہیں اور انھوں نے اپنی زندگی زمین پر اسلام کے ساتھ شروع کی ہے) اور تکمیل بھی عقیدۂ رسالت کے ساتھ ہوئی ہے (محمد رسول اللہ ﷺ اسلام کے آخری رسول ہیں اور آپ پر دین کی تکمیل بھی ہوئی)۔ ہم یہاں جن اہم نکات پر بات کریں گے وہ یہ ہیں:

① انسان کی فطرت میں توحید کی معرفت ہی نہیں رسالت کی معرفت بھی ہے۔

② انسان کی دنیاوی ہدایت اور اخروی فلاح ہمیشہ انبیاء اور رسل علیہم السلام پر ایمان اور ان کی اطاعت میں ہے۔

③ اسلام میں عقیدۂ توحید اور عقیدۂ آخرت کا جو تصور ہے اس کی بنیاد وحی ہے، انسان کی فطرت صحیحہ اور عقل سلیم وحی کی اس تعلیم کو فوراً قبول کرتی ہے، فطرت صحیحہ کے لیے یہ تعلیم یاد دہانی ہوتی ہے اور عقل سلیم انسان کو ان عقائد کے مطالبات کو وجدانی شعور اور اطمینان کے ساتھ پورا کرنے کے لیے آمادہ کرتی ہے۔

④ انبیاء اور رسل علیہم السلام جب اسلام کے ساتھ لوگوں کے پاس بھیجے جاتے ہیں تو وہ پہلے اعلان نبوت یا رسالت کرتے ہیں، پھر نبی یا رسول کی حیثیت سے ان کو توحید کی تعلیم دیتے ہیں اور آخرت سے ڈراتے ہیں۔

⑤ لوگوں پر اتمام حجت کرنے کے لیے کیا ہر زمانے میں رسول اللہ کی موجودگی ضروری ہے یا قرآن مجید کی؟ قرآن مجید کی حفاظت رسالتِ محمدی کی بھی حفاظت ہے اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک قرآن مجید کے ذریعے فریضۂ انذار انجام دیں گے۔

انسان کی فطرت میں توحید کی معرفت:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾ [الأعراف: ١٧٢]

"اور جب تیرے رب نے آدم کے بیٹوں سے ان کی پشتوں میں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انھیں خود ان کی جانوں پر گواہ بنایا، کیا میں واقعی تمھارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں، ہم نے شہادت دی۔ (ایسا نہ ہو) کہ تم قیامت کے دن کہو بے شک ہم اس سے غافل تھے۔"

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''ہر بچہ فطرت (توحید ربوبیت) پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔'' [بخاری]

انسان کی فطرت میں رسالت کی معرفت:

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [البقرة : ۳۸، ۳۹]

''ہم نے کہا تم سب یہاں سے چلے جاؤ، جب کبھی تمھارے پاس میری ہدایت (انبیاء اور رسل کے ذریعے) پہنچے تو اس کی تابع داری کرنے والوں پر کوئی خوف وغم نہیں اور جو انکار کر کے ہماری آیتوں کو جھٹلائیں وہ جہنمی ہیں، ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔''

آیت میں خطاب آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حوا سے ہے مگر مراد ان کی اولاد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور حوا کو دنیا کی طرف بھیجے جانے سے پہلے ہی ان پر واضح فرمایا کہ تمھارے پاس میری ہدایت آجائے گی۔ ظاہر ہے یہ ہدایت جیسا کہ ائمہ سلف وخلف لکھتے ہیں کہ انبیاء اور رسل اور ان پر نازل ہونے والی کتابیں اور صحیفے ہیں اور جس نے ایمان بالرسالت کے ساتھ انبیاء اور رسل کی اطاعت کی تو اُن پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو ان انبیاء اور رسل اور ان کی تعلیمات کی تکذیب کریں گے وہ لوگ آگ والے ہیں (اہل دوزخ ہیں)، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ان آیات سے کیا معلوم ہوتا ہے کہ

① انسان کی فطرت میں توحید کی معرفت کے ساتھ رسالت کی معرفت بھی ہے۔

② انبیاء اور رسل کے ذریعے پہنچنے والی ہدایت کی پیروی کرنے والے ہی اُخروی فلاح پائیں گے۔

اس لیے یہ کہنا کہ خدا اور آخرت پر یقین رکھنے والے خواہ وہ کسی بھی مذہب کے پیروکار ہوں جنت کے حق دار ہیں، صرف جہالت اور گمراہی۔

انسان نے اپنی زندگی وحی کے ساتھ شروع کی ہے:

آدم علیہ السلام پہلے انسان ہی نہیں بلکہ پہلے نبی بھی ہیں جو اس بات کی شہادت ہے کہ انسان نے اپنی زندگی کی شروعات اس زمین پر وحی کی رہنمائی کے ساتھ اور عقیدۂ توحید اور عقیدۂ آخرت کے ساتھ کی ہے۔

﴿وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [المائدة : ٢٧ تا ٣٠]

''آدم (علیہ السلام) کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انھیں سنا دو اور ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا، ان میں سے ایک کی نذر تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی، تو وہ کہنے لگا کہ میں تجھے مار ہی ڈالوں گا۔ اس نے کہا اللہ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔ گو تو میرے قتل کے لیے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا، میں تو اللہ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ میرا گناہ تو اپنے سر پر رکھ لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے۔ ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا، جس سے نقصان پانے والوں میں سے ہوگیا۔''

رسول توحید اور شرک کے درمیان تمیز کرتے ہیں:

﴿ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ [البقرة : ٢١٣]

''دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے (یعنی توحید پر، پھر شرک میں پڑ گئے)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوش خبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں، تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے۔ اور اس میں انھی لوگوں نے اختلاف کیا جنھیں وہ دی گئی تھی، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیلیں آ چکیں، آپس کی ضد کی وجہ سے۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اللہ نے انھیں اپنے حکم سے حق میں سے اس بات کی ہدایت دی جس میں انھوں نے اختلاف کیا تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔''

رسول اللہ کی طرف سے حجت ہوتے ہیں:

﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴾ [النساء : ١٦٥]

''ہم نے انھیں رسول بنایا ہے، خوش خبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر نہ رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے۔''

رسول پر ایمان ہی اُخروی امان کی ضمانت ہے:

﴿ وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [الأنعام : ٤٨]

''اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں، پھر جو ایمان لے آئے اور درستی کر لے سو ان لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔''

رسول اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [النساء : ٦٤]

''اور ہم نے ہر رسول کو صرف اسی لیے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرماں برداری کی جائے۔''

اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کو اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے اور تمام انبیاء اور رسل کو اسلام کے ساتھ لوگوں کے پاس بھیجا، تاکہ وہ لوگوں کے لیے حجت ہوں اور قیامت کے دن لوگوں کے لیے بے علمی کا عذر باقی نہ رہے۔ اسلام کی تمام تعلیمات عقائد و عبادات، معاملات، احکام حلال و حرام اور اخلاقیات سب وحی پر مبنی ہیں جو انبیاء و رسل کی طرف بھیجی جاتی ہیں:

﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾

[النساء : ١٦٣، ١٦٤]

''یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب ان کی اولاد پر اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔ اور آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کیے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کیے

اور موسیٰ سے اللہ نے صاف طور پر کلام کیا۔''

ایک انسان ایمان بالرسالت کے ساتھ ہی اسلام میں داخل ہوسکتا ہے۔عقیدۂ توحید اگر اسلام کی بنیاد اور عقیدۂ آخرت روح ہے تو عقیدۂ رسالت اسلام کا دروازہ (Door to Islam) ہے۔ اوپر مذکور آیات قرآن سے یہ باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں کہ انبیاء اور رُسل اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے حجت ہوتے ہیں، ان کے ذریعے ہی لوگ توحید الوہیت کی معرفت حاصل کرتے ہیں، توحید کے مطالبات کو پورا کرتے ہیں اور شرک کی تمام صورتوں سے آگاہ ہوکر ان سے اجتناب کرتے ہیں۔ رُسل پر ایمان لائے بغیر نہ دنیا میں ہدایت حاصل ہوسکتی ہے اور نہ ہی اخروی فلاح حاصل ہوسکتی ہے۔ اور یہ کہ رسول دراصل بھیجے ہی اس لیے جاتے ہیں کہ لوگ ان پر ایمان لاکر ان کی اطاعت کر کے دنیاوی ہدایت اور اُخروی سعادت حاصل کریں۔ رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ [النساء : ۸۰]

''اس رسول (ﷺ) کی جو اطاعت کرے اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمان برداری کی اور جو منہ پھیر لے تو ہم نے آپ کو کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے۔''

کیونکہ جو لوگ رسول پر ایمان لائے ہیں اور ان کی اطاعت کرتے ہیں ایسا کر کے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ اس لیے یہ صرف سیدنا محمد رسول ﷺ کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے کہ آپ پر ایمان لائے بغیر اور آپ کا اتباع کیے بغیر دنیا میں ہدایت اور آخرت میں سعادت حاصل نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ ایک مستقل اللہ کا حکم ہے کہ جب بھی کوئی نبی یا رسول لوگوں کی طرف بھیجا جاتا ہے اُن لوگوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اس نبی یا رسول پر ایمان لائیں اور اس کی اطاعت کریں، انکار کی صورت میں وہ کافر قرار پائیں گے۔ عقیدۂ رسالت (ایمان بالرسالت) اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ایک انسان اسلام میں ایمان بالرسالت کے ساتھ ہی داخل ہوتا ہے۔ عقیدۂ رسالت کے

معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء اور رسل پر ایمان لایا جائے۔ آدم علیہ السلام سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تک جن انبیاء اور رُسل کا تذکرہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں آیا ہے سب پر ایمان لایا جائے۔ آدم علیہ السلام کو پہلا نبی اور محمد رسول اللہ ﷺ کو آخری رسول مانا جائے۔ اور پھر اگر آخری رسول یعنی محمد ﷺ کا زمانہ پائے تو آپ کی رسالت پر ایمان لائے، آپ کی تعلیمات کی تصدیق کرے اور آپ کی اطاعت کرے۔

رُسل کی تکذیب کھلی گمراہی ہے:

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴾ [النساء : ١٣٦]

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں، ایمان لاؤ۔ ایمان والو! جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔“

بعض رُسل کو ماننے اور بعض کو نہ ماننے والے کافر ہیں:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴾ [النساء: ١٥٠ تا ١٥٢]

”جو لوگ اللہ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جو لوگ کہتے

ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے بین بین کوئی راہ نکالیں، یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لائے ہیں اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے ہیں اللہ ان کو پورا ثواب دے گا اور اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔"

یہود و نصاریٰ بعض نبیوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے، جیسے یہود عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے ہیں اور عیسائی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے ہیں۔ ہندوؤں میں رسالت کا نہیں اوتار واد کا عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے درمیان تفریق کرنے والوں کو پکا کافر قرار دیا ہے۔ مسلمان الحمد اللہ تمام انبیاء و رسل پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس آیت سے جاوید احمد غامدی اور دوسرے وحدتِ ادیان کے علمبرداروں کی جہالت بھی واضح ہوگئی جو رسالت محمدیہ پر ایمان لانا ضروری نہیں سمجھتے اور "خدا اور آخرت پر یقین" کو ہی اُخروی فلاح کے لیے کافی مانتے ہیں۔ اس آیت نے صاف کر دیا کہ ایمان باللہ بھی وہی قابلِ اعتبار ہے جس کے ساتھ ایمان بہ رسالتِ محمدیہ بھی ہو، اگر اس آخری رسالت (رسالت محمدیہ) کا انکار ہوگا تو یہ کفر ہے اور کفار کے لیے جنت نہیں جہنم کی آگ ہے۔

عقیدۂ رسالت کی اہمیت:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ [البقرة : ٢٨٥]

"رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے، یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اس کے رسولوں میں سے کسی میں

ہم تفریق نہیں کرتے۔ انھوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب! اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آؤ:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾

[النساء: ۱۷۰]

''اے لوگو! رسول تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے حق لے کر آ گیا ہے، پس تم ایمان لاؤ تاکہ تمھارے لیے بہتری ہو اور اگر تم کافر ہو گئے تو اللہ ہی کی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ دانا ہے حکمت والا۔''

اہلِ کتاب سیدنا رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [الأعراف : ۱۵۷]

''جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے،

ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔“

سیدنا رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا دین حق ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾ [محمد : ۲]

”اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اس پر بھی ایمان لائے جو محمد پر اتاری گئی ہے۔ اور دراصل ان کے رب کی طرف سے سچا (دین) بھی وہی ہے۔ اللہ نے ان کے گناہ دور کر دیے اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔“

اللہ کے ساتھ رسولوں پر ایمان رکھنے والے ہی صدیق ہیں:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖۗ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ [الحديد : ۱۹]

”اللہ اور اس کے رسولوں پر جو ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں، ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے اور جو لوگ کفر کرتے ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ جہنمی ہیں۔“

جنت اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کے لیے ہے:

﴿سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ [الحديد : ۲۱]

”(آؤ) دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے، یہ ان کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے

دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔"

قرآن سن کر جن بھی سیدنا رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے:

﴿قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَ لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا﴾

[الجن: ۱، ۲]

"(اے محمد!) آپ کہہ دیں کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا اور کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لاچکے، ہم ہرگز کسی کو بھی اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے۔"

جن بھی رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول نہ کرنے والوں کو گمراہ مانتے ہیں:

﴿وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ [الأحقاف: ۳۲]

"اور جو شخص اللہ کے بلانے والے کا کہا نہ مانے گا پس وہ زمین میں (کہیں بھاگ کر اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتا اور نہ اللہ کے سوا اور کوئی اس کے مددگار ہوں گے۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔"

انبیاء اور رسل اگر سیدنا رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پاتے تو آپ کی رسالت پر ایمان لاتے:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ﴾ [آل عمران: ۸۱]

"جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمھیں کتاب وحکمت دوں، پھر تمھارے پاس وہ رسول آئے جو تمھارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمھارے

لیے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے، فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے، فرمایا تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمھارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔"

اس آیت میں "رَسُوْلٌ" لفظ نکرہ ہے، مگر اس سے مراد جیسا کہ سیدنا علی اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے آثار ہیں، سیدنا محمد رسول اللہ ہیں۔ (تفسیر قرطبی) قرآن مجید میں کئی موقعوں پر "رسول" (نکرہ) لفظ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہوا ہے۔

[دیکھیے البقرہ: ۱۵۱۔ آل عمران : ۱۶۴]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا کہ اس کی زندگی میں اگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد کو بھیج دیں تو اس پر فرض ہے کہ وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تابع داری میں لگ جائے۔

[تفسیر ابن کثیر]

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ اگر وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پالیں تو آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں اور انھیں حکم دیا کہ وہ اپنی امتوں سے بھی یہ میثاق لیں۔ (تفسیر قرطبی) تمام انبیاء و رسل اس بات کے پابند بنائے گئے کہ وہ اگر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ رسالت پائیں تو ان پر ایمان لائیں، یعنی ان انبیاء اور رسل کی طرف نسبت کا دعویٰ کرنے والے از خود اس بات کے پابند ہو گئے کہ وہ جب زمانۂ رسالت (جو آپ کی بعثت سے قیامت تک ہے) پائیں گے تو آپ پر ایمان لائیں گے۔

ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ سب کے پیروکار رسول اللہ پر ایمان لانے کے پابند:

❁ ابراہیم علیہ السلام کی دُعا:

﴿ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ [البقرہ: ۱۲۹]

''اے ہمارے رب! ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے، انھیں کتاب وحکمت سکھائے اور انھیں پاک کرے، یقیناً تو غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔''

مشرکین مکہ اپنے آپ کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے، اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو جو دُعا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کی اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسمٰعیل کی اولاد میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر قبول فرمائی، وہ آپ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟

❁ موسیٰ علیہ السلام کی دُعا:

﴿وَ اكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَیْكَ ؕ قَالَ عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۟ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ ؗ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [الأعراف: ١٥٦، ١٥٧]

''اور ہم لوگوں کے نام دنیا ہی میں نیک حالی لکھ دے اور آخرت میں بھی ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے، تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ جو لوگ ایسے رسول نبی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات، انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال

کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔‘‘

یہود اپنے آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، وہ اگر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو پھر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے جو دنیا و آخرت کی بھلائی کی دعا کی، جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری رحمت اُن لوگوں کے لیے ہے جو تقویٰ شعار ہیں اور زکوۃ دینے والے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ فلاح تو صرف ایسے لوگوں کے لیے ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور نور (قرآن مجید) کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ اس بنا پر یہود کو چاہیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں آپ پر ایمان لے آئیں۔

✿ عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت:

﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ [الصف: ٦]

’’اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا اے (میری قوم) بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمھیں خوش خبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے، پھر جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو یہ کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔‘‘

عیسائی اپنے آپ کو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے صاف الفاظ میں بنی اسرائیل کو بتایا کہ ان کے بعد رسول مبعوث ہوں گے جن کا نام احمد ہوگا۔ اس طرح

عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار بھی سیدنا رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے پابند ہو گئے۔

ان آیات سے یہ بات کسی شک وشبہ کے بغیر واضح ہو جاتی ہے کہ یہود ونصاریٰ ہوں یا کسی اور مذہب کے پیروکار، دنیاوی بہتری اور اخروی فلاح صرف سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لا کر ان کی اطاعت کر کے ہی حاصل ہو سکتی ہے اور یہ دعویٰ کہ ان کو ''خدا اور آخرت پر یقین'' کی بنیاد پر ہی جنت حاصل ہو سکتی ہے، بے بنیاد اور گمراہ کن ہے۔ دوسری حقیقت جو ان آیات سے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ یہود اور نصاریٰ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو اچھی طرح پہچانتے تھے کہ آپ ﷺ وہی نبی برحق ہیں جن کا تذکرہ ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سب کر چکے ہیں۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾[البقرة : ١٤٦]

''جنھیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے، ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے۔''

اگر چہ یہود نصاریٰ نے تورات اور انجیل میں لفظی اور معنوی تحریف خوب کی ہے اور پوری کوشش کی ہے کہ ان کتابوں میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا کسی قسم کا تذکرہ باقی نہ رہے۔ تاہم آج بھی تورات اور انجیل میں وہ الفاظ موجود ہیں جن میں بنی اسرائیل کو نبی کی آمد کی بشارت دی گئی ہے۔ مثلاً: استثناء باب ۱۸ فقرہ ۱۹۔۱۵، باب ۳۳ فقرہ ۲۔ متی باب ۳ فقرہ ۱۲۔۱۔ یوحنا باب ۱ فقرہ ۲۲۔ ۱۹، باب ۱۴ فقرہ ۱۷۔۱۵، اور ۲۷۔۲۵، باب ۱۶ فقرہ ۱۵۔۱۲۔ علاوہ ازیں دیکھیے تورات کی پانچویں کتاب استثناء باب ۱۷ فقرہ ۱۴۔ یوحنا باب ۱۶ فقرہ ۱۴۔۱۲۔ اس کو فکری افلاس اور کج قلبی ہی کہا جا سکتا ہے کہ ایک انسان بالخصوص جب وہ اپنے آپ کو داعی دین کہتا ہو، یہود ونصاریٰ ہوں یا باقی کفار، ان کو دنیاوی ہدایت اور جنت کے لیے ایمان بالرسالت محمدیہ کی دعوت دینے کے بجائے یہ کہتا ہے کہ وہ اگر ''خدا اور آخرت پر یقین'' رکھتے ہیں تو جنت میں جانے کے حق دار ہوں گے۔

اہل کتاب کو قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفر نہ کرنے (یعنی انکارِ رسالت محمدیہ نہ کریں) کی تلقین کی گئی ہے، فرمایا:

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَ اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ۝ وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؗ وَّ اِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ۝ وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة : ٤٠ تا ٤٢]

''اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو تا کہ میں تمھارے عہد کو پورا کروں اور مجھ ہی سے ڈرو۔ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے تمھاری کتابوں کی تصدیق میں نازل فرمائی ہے اور اس کے ساتھ تم ہی پہلے کافر نہ بنو اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ فروخت کرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔ اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور نہ حق کو چھپاؤ، تمھیں تو خود اس کا علم ہے۔''

''کَافِرٍۭ بِہٖ'' میں ''بِہٖ'' کی ضمیر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ یا قرآن مجید کی طرف ہے۔ دونوں ہی صورتیں صحیح ہیں، کیونکہ دونوں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید لازم وملزوم ہیں، جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کیا اس نے اس قرآن مجید کا بھی انکار کیا جو آپ پر نازل ہوا ہے۔ چونکہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے بحیثیت رسول ہی لوگوں کے سامنے قرآن مجید کو پیش کیا اس لیے اقرب الی الصواب یہی بات ہے کہ رسالت محمدیہ کا انکار نہ کرو جب کہ تم اچھی طرح ان کو پہچانتے ہو اور ان کی بعثت کا تمھیں انتظار بھی تھا۔

اہل کتاب کو قرآن مجید پر ایمان نہ لانے پر اللہ تعالیٰ کی وعید:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ

وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ [النساء : ٤٧]

''اے اہل کتاب! جو کچھ ہم نے نازل فرمایا ہے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمھارے پاس ہے، اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انھیں لوٹا کر پیٹھ کی طرف کر دیں یا ان پر لعنت بھیجیں جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کی اور ہے اللہ تعالیٰ کا کام کیا گیا۔''

سیدنا رسول اللہ ﷺ اہل کتاب کے لیے حجت ہیں:

﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ١ٞ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ١ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [المائدة : ١٩]

''اے اہل کتاب! بالیقین ہمارا رسول تمھارے پاس رسولوں کی آمد کے ایک وقفے کے بعد آ پہنچا ہے جو تمھارے لیے صاف صاف بیان کر رہا ہے، تاکہ تمھاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی خوش خبری سُنانے والا اور ڈر سنانے والا آیا ہی نہیں۔ پس اب تو یقیناً خوش خبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آ پہنچا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی رسالت ہمہ گیر اور عالمگیر ہے:

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی آفاقیت اور ابدیت پر بات کرنے سے پہلے ہم یہاں جاوید احمد غامدی اور ان کے بدنصیب تلامذہ کے سامنے چند سوال رکھتے ہیں:

① کیا سیدنا رسول اللہ ﷺ صرف بنی اسمٰعیل کی طرف بھیجے گئے تھے؟

② کیا سیدنا رسول اللہ ﷺ صرف اہل کتاب کی طرف بھیجے گئے تھے؟

③ کیا سیدنا رسول اللہ ﷺ صرف عرب کی طرف بھیجے گئے تھے؟

④ کیا سیدنا رسول اللہ ﷺ صرف ہم زماں لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے؟

ان سوالات کو یہاں نقل کرنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ ان کے جواب سے ہی یہ معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ کی رسالت ہمہ گیر اور عالمگیر تھی یا نہیں؟ اگر یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی رسالت ماورائے زمان ومکاں ہے اور یہ کہ آپ ﷺ تا قیامت نبی و رسول، بشیر و نذیر اور ہادی و داعی ہیں پھر یہ بات بھی از خود ثابت ہو جائے گی کہ آپ بلاشبہ تا قیامت تمام لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت ہیں اور یہ کہ آپ پر ایمان لائے بغیر اب کسی کو نہ دنیاوی ہدایت حاصل ہوگی نہ اُخروی فلاح، خواہ وہ خدا اور آخرت پر یقین بھی کیوں نہ رکھتا ہو۔

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ [النساء : ١٦٥]

”ہم نے انھیں رسول بنایا ہے، خوش خبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے ہیں، تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ پر نہ رہ جائے، اللہ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے۔“

ہم یہاں جاوید احمد غامدی کے خود ساختہ قانون اتمام حجت اور قانون جہاد پر بات نہیں کر رہے ہیں، اس پر جناب ڈاکٹر حافظ محمد زبیر صاحب نے ”فکر غامدی، ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ“ میں اچھی بحث کی ہے۔ ہم یہاں جاوید غامدی کے اس گمراہ کن نظریہ پر بات کر رہے جس میں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ”خدا اور آخرت پر یقین“ کی بنیاد پر کوئی بھی شخص خواہ وہ کسی بھی مذہب کا پیروکار ہو، جنت کا حق دار ہے، یعنی ایمان بالرسالت محمدیہ اس کے لیے ضروری نہیں ہے۔ اس گمراہ کن نظریہ سے نہ صرف تمام انبیاء اور رسل کی نبوت اور رسالت بے معنی بن جاتی ہے بلکہ اسلام میں ایمان بالرسالت کو جو مرکزیت حاصل ہے وہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو رسالت کا منصب عطا کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قُمْ فَاَنْذِرْ﴾ [المدثر : ٢]

”(اے محمد!) کھڑے ہو جائیے اور آگاہ کیجیے۔“

﴿وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ [الشعراء : ٢١٤]

''اپنے قریبی رشتہ والوں کو ڈرائیے۔''

﴿وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ [الأنعام : ٩٢]

''اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے۔ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور تاکہ آپ مکہ والوں کو اور آس پاس والوں کو ڈرائیں اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور وہ اپنے نماز پر مداومت رکھتے ہیں۔''

ان آیات میں رسالت کے ارتقائی مراحل نہیں بلکہ دعوت کی تدریجی حکمت بیان ہوئی ہے۔

﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ [الأعراف : ١٥٨]

''آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں، جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر، جو کہ اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو، تاکہ تم راہ پر آجاؤ۔''

یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جن سے رسالت محمدیہ کی ہمہ گیریت اور عالم گیریت ثابت ہوتی ہے۔ ''النَّاسُ'' سے مراد تمام لوگ ہیں، قریش مکہ، بنی اسمٰعیل، بنی اسرائیل، (ذریت ابراہیم) عرب، عجم، اہل مشرق اور اہل مغرب، سفید اور سیاہ، یعنی بعثت نبوی سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والے تمام مرد و زن اور جن و انس۔

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [سبا : ٢٨]

''ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبریاں سنانے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، ہاں مگر (یہ صحیح ہے) کہ لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔''

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ [الفرقان : ١]

''بہت بابرکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر یہ فیصلہ کرنے والی کتاب نازل فرمائی، تاکہ وہ جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کرنے کی حکمت بیان فرمائی کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ جہانوں کے لیے ڈرانے والے ہوں۔ یعنی قرآن مجید ہی کے ذریعے آپ فریضۂ انذار انجام دیں گے۔ آپ پوری دنیا کے لیے ہر زمان اور مکاں کے لیے رسول ہیں۔ کسی گروہ، نسل یا بستی کے لیے نہیں، کسی خاص وقت کے لیے نہیں، بلکہ قیامت تک کے ہر جن وانس کے لیے رسول ہیں۔

﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ [هود : ١٧]

''کیا وہ شخص جو اپنے رب کے پاس کی دلیل پر ہو اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف کا گواہ ہو اور اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب (گواہ ہو) جو پیشوا اور رحمت ہے (اوروں کے برابر ہو سکتا؟) یہی لوگ ہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں اور تمام فرقوں میں سے جو بھی اس کا منکر ہو اس کے آخری وعدے کی جگہ جہنم ہے۔ پس تو اس میں کسی قسم کے شبے میں نہ رہ، یقیناً یہ تیرے رب کی جانب سے سراسر حق

ہے۔ لیکن اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہوتے۔"

"الْاَحْزَابِ" (تمام فرقوں) سے مراد روئے زمین پر پائے جانے والے مذاہب ہیں۔ یہودی، عیسائی، مجوسی، ہندو، بدھ مت اور جین مت کے پیروکار، جو بھی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا وہ خدا اور آخرت پر یقین رکھتا ہو۔ جنت کی کنجی ایمان بالرسالت محمدیہ ہے۔

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الأنبياء : ١٠٧]

"اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔"

فرمان نبوی ﷺ ہے:

« إنما أنا رحمة مهداة » [صحيح الجامع الصغير]

"میں رحمت مجسم بن کر آیا ہوں، جو اللہ کی طرف سے اہل جہان کے لیے ایک ہدیہ ہے۔"

جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا اور آپ کی اطاعت کی اس نے دنیا میں رحمت اور ہدایت اور آخرت میں رحمت اور جنت حاصل کی۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت بنی نوع انسان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ آپ ﷺ پر ایمان نہ لانے والے اللہ تعالیٰ کے اس احسان کی بے قدری کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ناشکری کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، جس طرح رب العلمین کی ربوبیت کے بغیر کائنات کی کسی شے کی نشو ونما نہیں ہو سکتی اور نہ وہ احسن تکمیل تک پہنچ سکتی ہے اسی طرح سیدنا رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کے اتباع و اطاعت کے بغیر کسی جن و انس کو دنیاوی ہدایت اور اُخروی نعمت حاصل نہیں ہو سکتی۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔" [بخاري]

"مجھے تمام لوگوں کے لیے بھیجا گیا ہے۔" [بخاري]

''ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا، مجھے ہر سرخ و سیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔'' [مسلم]

''میں فخر یہ نہیں کہتا کہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے وہ سرخ ہوں یا سیاہ۔'' [مسند احمد]

''مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے اور مجھ سے پہلے نبی اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے۔'' [طحاوی]

''مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے۔'' [مسلم]

قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت آفاقی اور ابدی ہے۔ ختم نبوت اور حفاظتِ قرآن بھی اس کی دو بڑی شہادتیں ہیں اور صحابہ سے لے کر آج تک مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے۔

قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں ایسی کوئی شہادت نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ صرف بنی اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے ہوں یا صرف عرب اور ہم زماں لوگوں کے لیے بھیجے گئے ہوں۔ اور نہ ہی ایسی کوئی دلیل پیش کی جا سکتی ہے کہ آپ کی وفات کے بعد دنیاوی ہدایت اور اُخروی فلاح کے لیے آپ پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں رہی، جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق واضح طور قرآن مجید اور خود عیسیٰ علیہ السلام کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل ہی کی طرف بھیجے گئے تھے:

﴿وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ﴾ [آل عمران: ٤٩]

''اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔''

عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے:

''میں اسرائیل کی کھوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔'' (متی)

چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت ایک خاص زمانے میں صرف بنی اسرائیل کے لیے تھی اس لیے ان کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ غیر نبی

اسرائیل میں یا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل دونوں میں ان کی تعلیمات کی تبلیغ کرے۔ یہ عمل خود عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی خلاف ورزی ہوگا۔ ان کی تعلیمات کی صحیح پیروی یہی ہے کہ انھوں نے جس رسول رحمۃ للعالمین کی بشارت دی تھی ان پر ایمان لایا جائے۔

سیدنا رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے متعلق یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ آپ ﷺ کی رسالت آفاقی اور ابدی ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر دنیاوی ہدایت اور اُخروی فلاح کے لیے آپ کے زمانۂ رسالت میں لوگوں کے لیے آپ پر ایمان لانا ضروری تھا، کیا آپ کی وفات کے بعد دنیاوی ہدایت اور اُخروی فلاح کے لیے آپ ﷺ پر ایمان لانا لوگوں کے لیے ضروری نہیں ہے؟ جاوید احمد غامدی اپنی تالیف ''میزان'' (مجموعہ تضادات وانحرافات) میں لکھتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ ان کی ذریت کی رہنمائی کے لیے وہ خود اپنی طرف سے ہدایت نازل کرے گا۔ یہ ہدایت اُنھی نبیوں کے ذریعے سے بنی آدم کو دی گئی۔ وہ آسمان سے وحی پاکر لوگوں کو حق بتاتے، اس کے ماننے والوں کو اچھے انجام کی خوش خبری دیتے اور نہ ماننے والوں کو برے انجام سے خبردار کرتے تھے۔'' [میزان، ص : ١٢٦]

سیدنا رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، آپ کی وفات کے بعد بنی آدم کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کا کیا بندوبست ہے؟ اگر قرآن مجید ہے، پھر ظاہر ہے پہلے اُن پر جن پر قرآن مجید نازل ہوا ایمان لانے کی ضرورت ہے، کیونکہ قرآن مجید اور سیدنا رسول اللہ ﷺ لازم وملزوم ہیں۔ مگر جاوید احمد غامدی جنت کے لیے، جو ظاہر ہے دنیاوی ہدایت کے عوض ہی حاصل ہوسکتی ہے، صرف ''خدا اور آخرت پر یقین'' اور ''اچھے کام اور جرائم سے اجتناب'' ہی کافی سمجھتے ہیں۔ پھر اس اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کا کیا ہوا جو ''نبیوں کے ذریعے سے بنی آدم کو دی جاتی ہے؟'' کیا اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد

اپنی سنت کہ ''ہر قوم کی طرف رسول بھیجے گئے ہیں'' (فاطر:۲۴) تبدیل کر دی ہے؟ اب یا تو یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا رسول اللہ ﷺ کے بعد اپنی سنت تبدیل کی ہے جو وہ نہیں کرتا۔ (دیکھیے فتح:۲۳) یا پھر یہ مانا جائے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ کی تعلیمات ہمیں بنی آدم کے لیے قیامت تک رہنمائی ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی آدم کے ساتھ وعدہ رہنمائی کی صورت ہے۔ اور اگر ایسا ہے واقعتاً ایسا ہی ہے، پھر ظاہر ہے قیامت تک لوگوں کے لیے دنیاوی رشدو ہدایت اور اُخروی سعادت وجنت کے لیے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا لازمی ہے۔ جاوید احمد غامدی اپنی کتاب میزان میں نبی کی ضرورت کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ نبی کی ضرورت دو وجوہ سے پیش آتی ہے:

> اولاً: اتمام ہدایت کے لیے۔ یعنی انسان کی فطرت میں جو کچھ بالاجمال ودیعت ہے اور جو کچھ وہ ہمیشہ سے جانتا ہے اس کی یاد دہانی کی جائے اور اس کی ضروری تفصیلات کے ساتھ اس کے لیے اسے بالکل متعین کر دیا جائے۔
>
> ثانیاً اتمام حجت کے لیے۔ یعنی انسان کو غفلت سے بیدار کیا جائے اور علم وعقل کی شہادت کے بعد ان نبیوں کے ذریعے سے ایک دوسری شہادت بھی پیش کر دی جائے جو حق کو اس درجہ واضح کر دے کہ کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے۔
>
> [میزان۔ ص: ۱۲۸، ۱۲۹]

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بنی آدم کی یاد دہانی کیسے ہوگی؟ ان کی فطرت میں جو کچھ بالاجمال ودیعت ہے اس کی ضروری تفصیل ان کے لیے کون متعین کرے گا؟ انسان کو غفلت سے کون بیدار کرے گا اور ان پر حق کو کون واضح کرے گا تاکہ اُن کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے؟

جاوید احمد غامدی کے پاس اب صرف دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ عقیدۂ رسالت/ایمان بالرسالت کے متعلق اپنے گمراہ کن نظریہ کہ ''جنت کے لیے صرف خدا اور آخرت پر یقین ہی

کافی ہے'' یعنی ایمان بالرسالت محمدیہ ضروری نہیں ہے، اس سے تائب ہوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ خود نبوت کا دعویٰ کریں، ابھی تک انھوں نے نبوت کا دعویٰ تو نہیں کیا ہے مگر وہ جس زبان میں بات کر رہے ہیں وہ مدعی نبوت ہی کی زبان ہے۔ اور اہم بات یہ کہ وہ کذاب غلام احمد قادیانی کو کافر نہیں مانتے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جاوید احمد غامدی اس بات کو مانتے ہیں کہ زمانۂ رسالت میں لوگوں کے لیے اس کے سوائے کوئی اور صورت نہیں ہوتی، مگر یہ کہ وہ رسول اللہ پر ایمان لائیں، (میزان: نبیوں پر ایمان ۱۴۹۔۱۲۴، قانون دعوت ۵۷۶۔۵۳۲) مگر وہ اس بارے میں بالکل خاموش ہیں کہ زمانۂ رسالت میں لوگوں کے لیے رسول اللہ پر ایمان لانا کیوں ضروری تھا اور آپ کی وفات کے بعد لوگوں کو آپ پر ایمان لانے کی ضرورت کیوں نہیں رہی؟ انھوں نے جو فلسفہ ''قانون اتمام حجت'' کے عنوان سے ''میزان'' میں بیان کیا ہے وہ قانونِ جہاد (جس میں انھوں نے پوری طرح کذاب غلام احمد قادیانی کی ترجمانی کی ہے) کے حوالے سے لکھا ہے۔ ہم یہاں ایمان بالرسالت محمدیہ پر بات کر رہے ہیں۔ جاوید احمد غامدی اگر عقیدۂ رسالت محمدیہ کے متعلق اپنے گمراہ کُن نظریہ سے تائب نہیں ہوتے ہیں اور نہ ہی دعوائے نبوت کرتے ہیں۔ پھر اس سوال کہ زمانۂ رسالت میں لوگوں کو آپ پر ایمان لانا کیوں ضروری تھا اور آپ کی وفات کے بعد لوگوں کو آپ ﷺ پر ایمان لانے کی ضرورت کیوں نہیں ہے؟ کی ایک ہی توجیہ ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ ہم زماں لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت تھے مگر آپ ﷺ کی وفات کے بعد اب آپ لوگوں کے لیے حجت نہیں ہیں۔ یہ توجیہ بھی گمراہ کُن اور جہالت پر مبنی ہے۔ ''نبیوں پر ایمان'' عنوان کے تحت جاوید احمد غامدی نے ''میزان'' میں کئی امور پر بات کی ہے:

> ''نبوت کی حقیقت، نبی کی ضرورت، نبی کی معرفت، نبی کی بشریت، نبی کی فطرت، نبی کی عصمت، نبی کی ریاضت، نبی کی فضیلت، نبی کی اطاعت، نبی کی شفاعت، ختم نبوت۔''

مگر انھوں نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی ہمہ گیریت اور عالمگیریت پر بالکل خاموشی اختیار کی ہے جو یقیناً معنی خیز ہے۔

ہم یہاں اتمام حجت کے حوالے سے بات کریں گے۔ بلاشبہ نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے لیے حجت ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کیا وہ صرف ہم زماں لوگوں یا خاص کسی نسل یا مکاں کے لیے ہی حجت ہوتے ہیں؟ جو انبیاء اور رُسل خاص زماں یا مکاں یا خاص نسل یا بستی کی طرف بھیجے جاتے ہیں ان کے متعلق تو یہ بات درست ہے کہ وہ اسی خاص زماں یا مکاں اور نسل یا بستی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت ہوتے ہیں، جس طرح سیدنا رسول اللہ ﷺ سے پہلے انبیاء اور رُسل ہوئے ہیں، مگر جس رسول (سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ) کو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہو، جن کی رسالت سب جن وانس کے لیے ہو، جن پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہو، جن پر نازل ہونے والی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ پر ہو، جن کی رسالت ماورائے زمان و مکاں ہو، جن کی رسالت کی آفاقیت اور ابدیت قرآن مجید کی محکم آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہو، عقل سلیم بھی جن کی رسالت کی آفاقیت اور ابدیت کو تسلیم کرتی ہے، کیا وہ بھی صرف ہم زماں لوگوں کے لیے ہی حجت ہو سکتے ہیں یا پھر قیامت تک تمام سفید و سیاہ لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت ہیں؟ دوسری اہم بات یہ ہے کہ کیا اتمام حجت کے لیے سیدنا رسول اللہ ﷺ کی ہر زماں میں موجودگی ضروری ہے یا پھر اس چیز کی ہر زماں میں موجودگی ضروری ہے جس کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف حجت قائم کی۔

سیدنا رسول اللہ قیامت تک فریضۂ انذار انجام دیں گے:

سیدنا رسول اللہ ﷺ اپنی حیات طیبہ میں جس فریضۂ انذار سے لوگوں پر حجت قائم کرتے تھے وہ فریضۂ انذار (قرآن و حدیث کی صورت میں) آپ ﷺ آج بھی انجام دے رہے ہیں اور قیامت تک انجام دیں گے اور حجت قائم کریں گے:

﴿قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ۚ قُلِ اللّٰهُ ۚ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۚ وَ اُوْحِیَ

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۝ [الانعام : ۱۹]

''آپ کہیے کہ سب سے بڑی چیز گواہی دینے کے لیے کون ہے؟ آپ کہیے کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ گواہ ہے اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعے سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے اُن سب کو ڈراؤں۔''

قرآن مجید کی اس آیت سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

① سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی توحید کے گواہ ہیں۔
② قرآن مجید کی قیامت تک حفاظت ہوگی اور یہ اللہ کی طرف سے ہوگی۔
③ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ یوم الدین کے متعلق قیامت تک لوگوں کو آگاہ کریں گے۔
④ سیدنا رسول اللہ ﷺ کی رسالت قیامت تک کے لوگوں کے لیے اللہ کی طرف سے حجت ہے۔
⑤ قرآن مجید کی تعلیم ہر زماں اور مکاں میں لوگوں تک پہنچے گی۔
⑥ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور سیدنا رسول اللہ ﷺ آخری رسول ہیں۔

اس آیت میں اسلام کے تین اہم عقائد توحید، رسالت اور آخرت کی تعلیم ہے اور انسان کی دنیوی ہدایت اور اُخروی فلاح کے لیے ان کی ناگزیر ضرورت کا بیان بھی۔

عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت تینوں عقائد باہم اس طرح مربوط ہیں کہ ان میں کسی ایک کی تکذیب سے باقی دو کی بھی تکذیب ہو جاتی ہے۔ جاوید احمد غامدی اگر قرآن مجید پر عقلِ سلیم اور قلبِ منیب کے ساتھ غور کرتے تو اُن کو یہ معلوم ہوتا کہ اسلام میں عقیدۂ توحید اور عقیدۂ آخرت کا جو تصور ہے وہ انسان کی اپنی اختراع نہیں بلکہ اس کی بنیاد وحی ہے۔ یعنی عنداللہ جو عقیدۂ توحید اور عقیدۂ آخرت مقبول ہے وہ صرف وہی ہے جس

کی اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رُسل کے ذریعے انسان کو تعلیم دی ہے، جسے انسان کی فطرت سلیم اور عقل صحیح نے ہمیشہ بغیر کسی تردد کے قبول کیا ہے، یعنی عنداللہ وہی عقیدۂ توحید اور عقیدۂ آخرت قابل اعتبار ہے جو ایمان بالرسالت کے ساتھ ہو، انکار رسالت کے ساتھ یہ دونوں عقائد عنداللہ بے وقعت ہیں، دوسری اہم بات یہ کہ ان دو عقائد کے مطالبات اور تقاضے بھی صرف انبیاء اور رُسل کی تعلیم سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہاں ہم ان تینوں عقائد کے باہمی تعلق کے بارے میں چند گزارشات پیش کریں گے۔

❁ شرک اللہ تعالیٰ کی بے قدری ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ [الحج : ٧٣، ٧٤]

''لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے ذرا کان لگا کر سن لو! اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے رہے ہو وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں، بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے، بڑا بودا ہے طلب کرنے والا اور بڑا بودا ہے وہ جس سے طلب کیا جا رہا ہے۔ انھوں نے اللہ کے مرتبہ کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں، اللہ تعالیٰ بڑا ہی زور و قوت والا اور غالب و زبردست ہے۔''

''قدر'' کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور یہ کسی چیز کی اصل حقیقت جاننے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

❁ انکار رسالت اللہ تعالیٰ کی بے قدری ہے:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ﴾

[الأنعام : ٩١]

''اور ان لوگوں نے اللہ کی جیسی قدر پہچاننا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی جب کہ

یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پہ کوئی چیز نازل نہیں کی۔"

یہ خطاب یہودیوں کو ہے جنھوں نے حسد اور عناد کی بنیاد پر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کر دیا۔ اُن کو اگر اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہوتی تو وہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار نہیں کرتے۔ جس طرح یہ بات فرمائی کہ لوگوں کو اگر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی، اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت اور جلالت کا صحیح اندازہ اور علم ہوتا تو وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر (من دون اللہ) یا اس کے ساتھ (مع اللہ) مخلوق کو نہ پکارتے، اسی طرح اس آیت میں فرمایا جو لوگ سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بے قدری کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ نبی اور رسول جب بھی جھٹلائے جاتے ہیں نبوت اور رسالت جو اُن کو اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے، کی وجہ سے ہی جھٹلائے جاتے ہیں، اس لیے انکارِ رسالت کو اللہ تعالیٰ کی بے قدری کہا۔

❁ انکارِ آخرت اللہ تعالیٰ کی بے قدری ہے:

﴿وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ﴾ [الزمر: ٦٧، ٦٨]

"اور ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے تھی نہیں کی، ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بنائیں اور صور پھونک دیا جائے گا۔ پس آسمانوں اور زمین والے سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جسے اللہ چاہے۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا، پس وہ ایک دم کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جائیں گے۔"

جس نے اس کائنات کی تخلیق فرمائی وہی اس کی تخریب فرمائے گا، بھلا اس میں تعجب

کی کیا بات ہے؟ جس نے پہلے انسان کو مٹی سے پیدا کیا وہی اُسے دوبارہ اس کی موت کے بعد پیدا کرے گا، اس پر تعجب کیسا؟ حقیقت یہ ہے کہ منکرینِ بعث کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قوت کا صحیح اندازہ ہی نہیں ہے۔

یہ آیات جو ہم نے اوپر تین عقائد توحید، رسالت اور آخرت کے باہمی تعلق کے حوالے سے نقل کیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکار توحید، انکار رسالت اور انکار آخرت دراصل اللہ تعالیٰ کی بے قدری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو تو انسان کسی بھی ایک کی تکذیب نہیں کرے گا۔

انسان جب رسالت کا انکار کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم، اُس کی آیت اور اُس کی صفت فعلی کا انکار کرتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان جب رسالت کا انکار کرتا ہے تو اس سے توحید اور آخرت کی بھی تکذیب ہو جاتی ہے، کیونکہ انکار رسالت سے رسول کی تعلیم کی بھی از خود تکذیب ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے ہر نبی اور رسول کی بنیادی تعلیم توحید اور آخرت ہی ہوتی ہے، اس لیے ان تین عقائد میں کسی ایک عقیدے کے انکار سے باقی دو عقائد پر بھی زد پڑ جاتی ہے۔ اس لیے ایمان بالرسالت محمدیہ کے بغیر جنت کے لیے خدا اور آخرت پر یقین کو معیار بتانا جہالت ہے، اسلامی علم عقائد سے بے خبری کی دلیل ہے۔

پہلے رسالت کا دعویٰ پھر توحید کی تبلیغ:

قرآن مجید میں جن ۲۴ یا ۲۵ انبیاء اور رُسل کا تذکرہ آیا ہے اور ان میں جن انبیاء اور رُسل کے تبلیغی کاموں کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے ان سب کے بارے میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے اپنی نبوت یا رسالت کا اعلان کرتے ہیں اور پھر اسلام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، یعنی لوگوں کو پہلے نبی یا رسول پر ایمان لانے کے لیے کہا جاتا ہے۔ یہ دو باتیں ہیں:

① پہلے اعلان نبوت یا رسالت پھر اسلام کی دعوت۔

② وحی پر مبنی توحید الوہیت کی تعلیم اور انذار۔

یہاں ہم چند آیات پیش کرتے ہیں جن سے مقصد یہ بتانا ہے کہ جب بھی انبیاء اور رُسل لوگوں کی طرف بھیجے جاتے ہیں وہ سب سے پہلے اپنی نبوت یا رسالت کا اعلان کرتے

ہیں۔ یعنی وہ نبی یا رسول کی حیثیت سے ہی لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں اور یہ کہ وہ توحید کی تعلیم وحی کی بنیاد پر لوگوں کو دیتے اور وحی کی بنیاد پر ہی فریضہ انذار انجام دیتے ہیں۔

نبی ﷺ کو اعلان رسالت کا حکم:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ [الأعراف : ١٥٨]

”آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں، جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو تا کہ تم راہ پر آجاؤ۔“

نوح علیہ السلام کا اعلان رسالت:

﴿اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ﴾ [الشعراء : ١٠٧، ١٠٨]

”سنو! میں تمھاری طرف اللہ کا امانت دار رسول ہوں۔ پس تمھیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور میری بات ماننی چاہیے۔“

ہود علیہ السلام کا اعلان رسالت:

﴿اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ﴾ [الشعراء : ١٢٥، ١٢٦]

”سنو میں تمھاری طرف اللہ کا امانت دار رسول ہوں۔ پس تمھیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور میری بات ماننی چاہیے۔“

صالح علیہ السلام کا اعلان رسالت:

﴿اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ﴾ [الشعراء : ١٤٣، ١٤٤]

''سنو! میں تمھاری طرف اللہ کا امانت دار رسول ہوں۔ پس تمھیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور میری بات ماننی چاہیے۔''

لوط علیہ السلام کا اعلان رسالت:

﴿ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴾ [الشعراء : ۱۶۲، ۱۶۳]

''سنو! میں تمھاری طرف اللہ کا امانت دار رسول ہوں۔ پس تمھیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور میری بات ماننی چاہیے۔''

شعیب علیہ السلام کا اعلان رسالت:

﴿ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴾ [الشعراء : ۱۷۸، ۱۷۹]

''سنو! میں تمھاری طرف اللہ کا امانت دار رسول ہوں۔ پس تمھیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور میری بات ماننی چاہیے۔''

وحی کی بنیاد پر توحید کی تبلیغ اور انذار:

توحید:

﴿ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ [الأنبیاء : ۲۵]

''اور تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔''

انذار:

﴿ قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ ۖٞ وَ لَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ ﴾ [الأنبیاء : ۴۵]

''کہہ دیجیے! میں تمھیں اللہ کی وحی کے ساتھ آگاہ کر رہا ہوں مگر بہرے لوگ بات نہیں سنتے جبکہ انھیں آگاہ کیا جائے۔''

نوح علیہ السلام کی دعوت توحید اور انذار:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ [الأعراف : ٥٩]

''ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمھارا معبود ہونے کے قابل نہیں، مجھ کو تمھارے لیے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔''

ہود علیہ السلام کی دعوت توحید اور انذار:

﴿وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ [الأعراف : ٦٥]

''اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انھوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمھارا معبود نہیں، سو کیا تم ڈرتے نہیں۔''

صالح علیہ السلام کی دعوت توحید اور انذار:

﴿وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

[الأعراف : ٧٣]

''اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، انھوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمھارا معبود نہیں۔ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے۔ یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمھارے لیے دلیل ہے، سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ مت لگانا کہ کہیں تم کو دردناک عذاب آ پکڑے۔''

شعیب علیہ السلام کی دعوت توحید اور انذار:

﴿وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ۔ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ۔ قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا ۔ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ [الأعراف : ۸۵]

’’اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انھوں نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے۔‘‘

خلاصہ:

قرآن مجید میں نوح علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جن انبیاء اور رُسل کی دعوتی کاوشوں کا تذکرہ موجود ہے ان کے بارے میں اوپر مذکور آیات سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ پہلے اعلان رسالت کرتے ہیں اور پھر لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے ہیں۔ ایسی کوئی مثال قرآن مجید میں نہیں ملتی کہ رسولوں نے قبل از رسالت لوگوں کو توحید کی دعوت دی ہو، حالانکہ رُسل قبل از رسالت بھی نہ صرف معصوم عن الخطا ہوتے ہیں بلکہ موحد بھی ہوتے ہیں ان کی فطرت سلیمہ میں توحید کی معرفت باقی لوگوں سے احسن اور اکمل ہوتی ہے اور کسی بھی نبی یا رسول کا دامن قبل از نبوت ورسالت شرک سے آلودہ نہیں ہوتا اور وہ ہمیشہ شرک سے بے زار ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود توحید الوہیت کے تقاضوں سے وہ وحی کے ذریعے ہی آگاہ کیے جاتے ہیں، ایسا کبھی نہیں ہوا ہے کہ کسی شخص نے رسول کی رسالت کی تصدیق کی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی تکذیب کی ہو یا رسول کی رسالت کی تکذیب کی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی تصدیق کی ہو۔ جبکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جو لوگ رسول کی رسالت کی تکذیب کرتے ہیں، چونکہ ان کی تکذیب کے باوجود بھی رسول دعوت وتبلیغ کا کام جاری رکھتے ہیں، یہ مکذبین پھر رسول کی تعلیم کی بھی تکذیب کرتے ہیں اور جو لوگ

رسولوں کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں وہ رسولوں کی تعلیم کی بھی تصدیق کرتے ہیں۔ اوّل الذکر مکذبین اور ثانی الذکر مصدقین کہلاتے ہیں۔

اسلام کی تاریخ اور آدم سے رسول اللہ ﷺ تک انبیاء اور رُسل کے تسلسل سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ عقیدۂ رسالت کو اسلام میں مرکزیت حاصل ہے اور عقیدۂ رسالت کے بغیر اسلام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ایمان بالرسالت کے بغیر دنیاوی ہدایت اور اُخروی فلاح کی بات کرنا جہالت اور ضلالت ہے۔

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾

[النور : ٥٤]

”کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم مانو، رسول اللہ کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمے تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کر دیا گیا ہے اور تم پر اس کی جواب دہی ہے جو تم پر رکھا گیا ہے، ہدایت تو تمھیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی اطاعت کرو۔ سنو! رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔“

جن قوموں (قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم لوط، قوم شعیب) پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ہے ان قوموں کا پہلا جرم تکذیب رسالت ہی کا جرم تھا۔

قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ [الشعراء : ١٠٥]

”قوم نوح نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔“

نوٹ: قوم نوح نے اگرچہ صرف اپنے پیغمبر نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی، مگر چونکہ ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب کے مترادف اور اس کو مستلزم ہے اس لیے فرمایا کہ قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا۔

قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی تکذیب کی:

﴿كَذَّبَتْ عَادُ ٱلْمُرْسَلِينَ﴾ [الشعراء : ۱۲۳]

''عادیوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔''

قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کی تکذیب کی:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ ٱلْمُرْسَلِينَ﴾ [الشعراء : ۱٤۱]

''ثمودیوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔''

قوم لوط نے لوط علیہ السلام کی تکذیب کی:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ ٱلْمُرْسَلِينَ﴾ [الشعراء : ۱٦۰]

''قوم لوط نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔''

قوم شعیب نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی:

﴿ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ شُعَيْبًا كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا۟ فِيهَا ۚ ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ شُعَيْبًا كَانُوا۟ هُمُ ٱلْخَٰسِرِينَ﴾ [الأعراف : ۹۲]

''جنھوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی وہی خسارے میں پڑ گئے۔''

جہنم کے داروغے اہل جہنم سے رسولوں کے بارے میں سوال کریں گے، جس کے جواب میں اہل جہنم اپنا جرم تکذیب رسالت بتائیں گے:

﴿تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ ٱلْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ أُلْقِىَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا۟ بَلَىٰ قَدْ جَآءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ ٱللَّهُ مِن شَىْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِى ضَلَٰلٍ كَبِيرٍ ۝ وَقَالُوا۟ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِىٓ أَصْحَٰبِ ٱلسَّعِيرِ ۝ فَٱعْتَرَفُوا۟ بِذَنۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّأَصْحَٰبِ ٱلسَّعِيرِ ۝﴾ [الملك : ۸ تا ۱۱]

''قریب ہے کہ (ابھی) غصے کے مارے پھٹ جائے، جب کبھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا اس سے جہنم کے داروغے پوچھیں گے کہ کیا تمھارے پاس ڈرانے والا کوئی نہیں آیا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ بے شک آیا تھا لیکن ہم نے

اسے جھٹلایا اور ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ تم بہت بڑی گمراہی میں ہی ہو۔ اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے عقل رکھتے ہوتے تو دوزخیوں میں (شریک) نہ ہوتے۔ پس انھوں نے اپنا جرم قبول کر لیا، اب یہ دوزخی دفع ہوں۔"

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کے پاس اگر عقل سلیم ہو، اس پر اہواء کا پردہ نہ پڑا ہو تو یہ عقل سلیم اس کو بآسانی ایمان بالرسالت کی طرف رہنمائی کر سکتی ہے اور اس کو رسول کی اطاعت و اتباع پر آمادہ کرے گی۔ اور یہ کہ عقل کا بنیادی کام اور صحیح مصرف بھی یہی ہے کہ وہ انسان کو صاحب وحی کا مطیع اور فرماں بردار بنائے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عقل جب وحی کے تابع ہوتی ہے تو نعمت عظمیٰ ثابت ہوتی ہے، مگر جب وحی کی حریف بن جاتی ہے تو ضلالت ہی کی طرف انسان کو لے جاتی ہے۔

قیامت کے دن کافر دنیا کی طرف دوبارہ لوٹائے جانے پر رسول کے اتباع کا وعدہ کریں گے:

﴿وَ اَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَ لَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ﴾ [إبراهيم: ٤٤]

"اور لوگوں کو اس دن سے ہوشیار کر دے جب کہ ان کے پاس عذاب آ جائے گا اور ظالم کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں بہت تھوڑے قریب کے وقت تک ہی مہلت دے کہ ہم تیری تبلیغ مان لیں اور تیرے رسولوں کی تابع داری میں لگ جائیں۔ کیا تم اس سے پہلے بھی قسمیں نہیں کھا رہے تھے کہ تمھارے لیے دنیا سے ٹلنا ہی نہیں؟"

قرآن مجید کی حفاظت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی بھی حفاظت ہے:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ [الحجر : ۹]

''ہم نے اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اس کو دست برد زمانہ اور تحریف وتغیر سے محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ جس طرح یہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا پوری حفاظت کے ساتھ نازل ہوا تھا۔ ''وَ بِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰهُ وَ بِالۡحَقِّ نَزَلَ'' [بني إسرائيل : ۱۰۵] گمراہ فرقے اپنے اپنے گمراہانہ عقائد کے اثبات کے لیے اس کی آیات میں معنوی تحریف تو کرتے رہے ہیں اور آج بھی کرتے ہیں مگر بفضلِ تعالیٰ ان کی گمراہیوں کو کبھی بھی امت میں قبول عام حاصل نہیں ہوا، قرآن مجید لفظی تحریف اور تغیر سے محفوظ ہے اور اس کے علاوہ علمائے حق کی ایک جماعت ہر دور میں ان ضالّ ومضلّ لوگوں کی تحریفات معنوی کی کوششوں کا علمی محاسبہ کر کے ان کی گمراہیوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے موجود رہی ہے۔ اس لیے ان گمراہ فرقوں کے گمراہانہ عقائد اور باطل استدلالات سے قرآن مجید کی حفاظت کبھی متاثر نہیں ہوسکتی۔ قرآن مجید کی حفاظت سیدنا محمد رسول اللہ کی رسالت کی بھی حفاظت ہے، چونکہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت تک لوگوں کے لیے حجت قائم کرنے کی صرف یہی ایک صورت تھی کہ آپ ﷺ پر نازل ہوئی اس آخری کتاب ہدایت کی حفاظت ہو۔ کتاب کی یہ حفاظت آیتِ ختم نبوت کی بہت بڑی دلیل ہے، کیونکہ ایک نبی یا رسول کی ضرورت جبھی پیدا ہو جاتی ہے جب سابقہ نبی یا رسول کی تعلیم میں تحریف ہو جاتی ہے اور حق اور باطل خلط ملط ہوں۔ لہٰذا یہ آیت جس میں حفاظتِ قرآن کا وعدہ ہے سیدنا محمد رسول اللہ کی رسالت کی آفاقیت اور ابدیت کی شہادت بھی ہے۔ جہاں کہیں بھی دنیا میں اس کتاب ہدایت کا نسخہ موجود ہے وہاں سیدنا رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی شہادت موجود ہے، کیونکہ قرآن مجید اور رسول اللہ لازم وملزوم ہیں۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ لوگوں کو نصیحت کرتے تھے تو اسی قرآن مجید کے ذریعے (دیکھیے ق: ۴۵) آپ لوگوں کو خبردار کرتے تھے تو اسی قرآن مجید کے ذریعے (دیکھیے انبیاء۔ ۴۵)، اس لیے

ظاہر ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ جس طرح ناصح اور نذیر کی حیثیت سے اپنی حیات طیبہ میں لوگوں تک دین پہنچاتے تھے، اُن کو خبردار کرتے تھے، آج بھی آپ قرآن مجید کے ذریعے لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا دین پہنچاتے ہیں، اُن کو خبردار کرتے ہیں آج بھی آپ قرآن مجید کے ذریعے لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا دین پہنچا رہے ہیں اور ان کو خبردار کر رہے ہیں۔ (الانعام۔۱۹) سوال یہ ہے کہ اگر آپ ہم زماں لوگوں کے لیے حجت تھے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد آپ لوگوں کے لیے حجت کیوں نہیں ہیں؟ اگر آپ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد لوگوں کے لیے حجت نہیں ہیں پھر آپ کے بعد لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسے حجت قائم ہوگی اور پھر قرآن مجید کی حفاظت سے کیا مقصد حاصل ہوا؟

فرمان نبوی ہے:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری امت میں جو شخص بھی میری بات سن لے، وہ یہودی ہو یا عیسائی، پھر وہ مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔'' [مسلم]

ایک موقع پر فرمایا:

''جس نے مجھے دیکھا اور ایمان لایا، اس کے لیے طوبٰی (خوش خبری) ایک دفعہ اور جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کے لیے طوبٰی سات دفعہ ہے۔'' [مسند احمد]

اس دنیا میں قیامت تک کوئی مرد ہو یا عورت جس کو آپ ﷺ کی رسالت پہنچ گئی جس کا بنیادی ذریعہ قرآن مجید ہے، اس نے اسے تسلیم نہیں کیا، اس پر ایمان نہیں لایا خواہ وہ کسی بھی مذہب کا پیروکار کیوں نہ ہو، یہودی ہو یا عیسائی، ہندو ہو یا بدھ، مجوسی ہو یا دہری اور وہ اسی حالت میں مرگیا تو وہ جہنم میں جائے گا۔ حدیث میں "ھذہ الامة" سے مراد ''امت دعوت'' ہیں اور قیامت تک کے تمام لوگ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ''امت دعوت'' ہیں اور آپ پر ایمان لانے والے ''امت اجابت'' ہیں۔ سیدنا رسول اللہ جس طرح اپنے ہم

زماں لوگوں کے لیے حجت تھے اسی طرح آپ قیامت تک تمام لوگوں کے لیے حجت ہیں۔ دنیاوی ہدایت اور اُخروی فلاح کے لیے جس طرح آپ کی حیات مبارکہ میں آپ ﷺ پر ایمان لانا ضروری تھا اسی طرح قیامت تک تمام لوگوں کے لیے بھی ضروری ہے۔

رسالت کا انکار کرنے والے کافر ہیں

جاوید احمد غامدی کے عقائد، عبادات اور احکامِ حلال وحرام کے متعلق تمام گمراہ کُن نظریات باہم مربوط ہیں۔ ان کی تالیفات کا جب آپ مطالعہ کریں گے تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہوگا کہ وہ جب ایک گمراہ کُن نظریہ پیش کرتے ہیں تو اس سے اپنے دوسرے گمراہ کُن نظریہ کے لیے قارئین کا ذہن تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے ان کے گمراہ کُن نظریات کا بھی تسلسل کے ساتھ محاسبہ کیا جائے۔ یہاں ہم اُن کے جس نظریہ پر بات کریں گے وہ اُن کے ایمان بالرسالت سے متعلق گمراہ کُن نظریہ ہی کی نسبت ہوگی۔

جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

”کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے۔ پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تکفیر کرتا ہے۔ یہ حیثیت اب کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ اب ہمارا کام یہی ہے کہ ہم مختلف گروہوں کے عمل وعقیدہ کی غلطی واضح کریں اور جو لوگ نبی کریم کی نبوت کو نہیں مانتے انھیں بس غیر مسلم سمجھیں اور ان کے کفر کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔“ [اشراق۔۵۴، دسمبر۲۰۰۰ء]

اس عبارت پر غور کرنے سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے:

- سیدنا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اب دنیا میں کسی کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔
- جو لوگ سیدنا رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو نہیں مانتے اُن کو بھی کافر نہیں کہا جا سکتا، ان کو بس غیر مسلم سمجھیں۔

ان باتوں پر پوری توجہ کے ساتھ غور کیجیے اُن کے اُس گمراہ کُن نظریہ جس پر ہم بات مکمل کر چکے ہیں، کو بھی سامنے رکھیں اس میں ان کا کہنا تھا کہ ''خدا اور آخرت پر یقین'' رکھنے والے جنت کے حق دار ہیں خواہ وہ کسی بھی مذہب کے پیروکار ہوں۔ جاوید غامدی اوپر مذکور عبارت میں کہتے ہیں کہ دنیا میں اب کسی کو کافر نہیں کہا جاسکتا کیونکہ نبی الہامی علم کی بنیاد پر ہی کسی گروہ کی تکفیر کرتے ہیں، اب جب نبی موجود ہی نہیں ہیں کسی کی تکفیر کیسے ہو سکتی ہے؟ ان کو بھی کافر نہیں صرف ''غیر مسلم'' کہا جا سکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو نہیں مانتے ہیں۔ اہل علم ''غیر مسلم'' اور ''کافر'' کے الفاظ بطور مترادف ہی استعمال کرتے ہیں، کافروں کے لیے ''غیر مسلم'' الفاظ استعمال کرنے کا رواج مسلمانوں میں غلبہ کفار کے سامنے ذہنی مرعوبیت اور سیاسی مغلوبیت اختیار کرنے کے بعد ہی جاری ہوا ہے، کیونکہ کفار اس لفظ ''کافر'' سے بہت برانگیختہ ہوتے ہیں۔ ہم جن باتوں کو یہاں قرآن مجید اور احادیث نبوی سے ثابت کرنے کی کوشش کریں گے ان کی تفصیل یہ ہے:

- دنیا میں ہمیشہ صرف دو ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں، مومن یا کافر۔
- لوگوں کی تکفیر قرآن مجید سے ہوتی ہے، قرآن مجید آج بھی موجود ہے۔
- رسول کی رسالت کا انکار کرنے والے کافر ہیں، اُن کو کافر ہی کہا جائے گا۔
- رسول کو نہ ماننے والوں کا کفر معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو کافر کہا ہے۔

کفر کے معنی:

لغوی طور پر کفر کے معنی ''ستر الشيء'' کے ہیں۔ بعض ماہرین لغت کے بقول رات اور کسان کے لیے بطور اسم تو نہیں البتہ بطور صفت لفظ ''کافر'' بولا جاتا ہے، اس لیے کہ رات تمام لوگوں کو (اپنے اندھیرے میں) چھپا لیتی ہے اور کسان بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ کفران نعمت یعنی کسی کے کفر سے مراد یہ ہے کہ اس نعمت کا شکر ادا نہ کر کے اسے چھپایا جائے۔ سب سے بڑا کفر یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت یا شریعت یا نبوت کا انکار کیا جائے۔ جب کسی نعمت کو چھپایا جائے تو وہ نتیجے کے اعتبار سے اس نعمت کا انکار کرنا ہی سمجھا جاتا ہے،

اس لیے کفر کا لفظ انکار کے مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:
﴿وَلَا تَكُونُوٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ﴾ [البقرة : ٤١] یعنی ''اس کا انکار کرنے والے اور اسے چھپانے والے نہ بنو۔'' کفر ایمان کی ضد ہے۔ [مفردات القرآن]

اصطلاحی طور پر ''کفر'' کی جتنی بھی تعریفات اہل علم سے منقول ہیں ان سب کا اگر خلاصہ یا ایسی قدرِ مشترک بیان کی جائے کہ جس پر کسی کا اختلاف نہ ہو تو وہ یہی ہے کہ کفر ایمان کی ضد ہے۔ اب جس شخص کے نزدیک جو چیز ایمان ہے، اس کی ضد اس کے نزدیک کفر قرار پائے گی۔

> ''کفر کا لفظ کئی ایک گناہوں پر بولا جاتا ہے جن میں شرک باللہ، نبوت کا انکار، اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال کرنا وغیرہ شامل ہے اور یہ آخری چیز ایک لحاظ سے نبوت ہی کا انکار ہے۔'' [فروق اللغويه]

کفر کا لفظ عربی میں کسی چیز کو چھپانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کاشت کار (کسان) کے لیے بھی لغوی طور پر ''کافر'' کا لفظ بولا جاتا ہے (الحدید:۲۰) اس لیے کہ وہ بیج کو جب کھیت میں ڈالتا ہے تو اسے کھیت کی مٹی میں چھپا دیتا ہے۔

اسلامی اصطلاح میں کفر کا لفظ ایمان کے بالمقابل (یعنی متضاد کے طور پر) استعمال کیا جاتا ہے، اسی لیے کافر اسے کہتے ہیں جو دین اسلام کو دل وجان سے تسلیم کرنے اور اس کا اقرار اور اظہار کرنے کے بجائے اسے چھپاتا ہے اور نتیجے کے اعتبار سے کسی چیز کو چھپانا ایسے ہی ہے کہ جیسے اس کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اس لیے لفظ کفر کا معنی ''انکار'' بھی کیا جاتا ہے۔

کفر اکبر کی چھ صورتیں:

① کفر تکذیب۔ ② کفر جحود۔ ③ کفر استکبار۔ ④ کفر نفاق۔ ⑤ کفر اعراض۔
⑥ کفر شک۔

① کفر تکذیب:

کفر تکذیب کا مفہوم یہ ہے کہ زبان اور دل سے حق کا انکار کیا جائے اور جو تعلیماتِ

اسلام ہم تک سیدنا رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے پہنچیں ہیں انھیں قبول کرنے سے انکار کرنا کفر متصور ہوگا اور اس پر دونوں جہاں میں کفر کے احکام جاری وساری ہوں گے:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

[البقرة : ۳۹]

''اور جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ لوگ آگ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

کفر تکذیب کی چند صورتیں:

① اللہ کی آیات کا انکار:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ﴾ [الأعراف : ٤٠]

''بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور انھیں قبول کرنے سے تکبر کیا ان کے لیے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے اور ہم مجرموں کو اسی طرح بدلا دیتے ہیں۔''

② آخرت کا انکار:

﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ﴾ [الروم : ١٦]

''اور رہ گئے وہ جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا تو وہ لوگ عذاب میں حاضر رکھے جائیں گے۔''

③ رسولوں کا انکار:

﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا

مُعْرِضِيْنَ ۝ وَ كَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ﴾ [الحجر : ۸۰ تا ۸۳]

''اور بلاشبہ یقیناً حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ اور ہم نے انھیں اپنی نشانیاں دیں تو وہ ان سے منہ پھیرنے والے تھے۔ اور وہ پہاڑوں سے مکان تراشتے تھے اس حال میں کہ بے خوف تھے۔ پس انھیں صبح ہوتے ہی چیخ نے پکڑ لیا۔''

④ حق کا انکار:

﴿فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ [الأنعام : ۵]

''بے شک انھوں نے حق کو جھٹلایا، جب وہ ان کے پاس آیا۔ تو عنقریب ان کے پاس اس کی خبریں آجائیں گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔''

⑤ قرآن مجید کی تکذیب:

﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [یونس : ۳۹]

''بلکہ انھوں نے اس چیز کو جھٹلا دیا جس کے علم کا انھوں نے احاطہ نہیں کیا، حالانکہ اس کی اصل حقیقت ابھی ان کے پاس نہیں آئی تھی۔ اسی طرح ان لوگوں نے جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے۔ سو دیکھ ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔''

② کفر جحود:

کفر تکذیب میں دل اور زبان سے انکار تھا، یہاں صرف زبان سے انکار ہے، یعنی دل سے تو اعتراف ہے لیکن زبان اس کی نفی کرتی ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''کفر جحود یہ ہے کہ اللہ کو دل سے پہچانتا ہے اور اپنی زبان سے اقرار نہیں کرتا۔''

[معالم التنزیل]

حافظ الحکمی لکھتے ہیں:

''اور حق کی صداقت کو جانتے بوجھتے چھپائے تو کفر جحود وکتمان ہے۔''

[معارج القبول]

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''آدمی اللہ تعالیٰ کی پہچان کرے اور زبان سے اس کا اقرار نہ کرے۔'' [النهاية]

بعض اوقات یہ نفی عمل تک بھی پہنچ جاتی ہے، یعنی زبان اور عمل دونوں ہی نفی میں شریک ہوتے ہیں، جیسے فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر اور یہود کا محمد ﷺ کے ساتھ کفر۔ قرآن مجید نے اسی کفر کو واضح کرتے ہوئے بیان کیا ہے:

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا﴾ [النمل: ١٤]

''اور انھوں نے انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے، صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر۔''

③ کفر استکبار:

کفر استکبار (عناد) سے مراد حق کو ظاہری اور باطنی طور پر پہچاننا لیکن اس پر لبیک کہنے سے عار محسوس کرنا اور اس کی وجہ بغض، حسد وغیرہ ہو سکتا ہے کہ باوجود اس کے کہ حق کی تصدیق کی جا رہی ہے لیکن زبانی تصدیق کرنا اور اس کا عملی مظہر اس کی مخالفت میں ہو تو یہ عملی مظہر اس تصدیق کی نفی کرتا ہے، جیسا کہ ابلیس ملعون کا کفر تھا:

﴿أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾ [البقرة: ٣٤]

''اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں میں داخل ہو گیا۔''

④ کفر نفاق:

لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو ظاہری طور پر تو اسلام قبول کرتے ہیں لیکن باطن سے اس کے مخالف ہوتے ہیں۔ صرف اور صرف ریاکاری یعنی لوگوں کو دھوکا دینے یا پھر اپنے

دنیاوی مصالح وفوائد کی خاطر یہ بھیس بدلتے ہیں۔ یہی لوگ قرآنی اصطلاح میں منافقین ہیں:

﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ [المنافقون : ١]

”تیرے پاس جب منافق آتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔“

⑤ کفر اعراض:

جو شخص اسلامی تعلیمات سے منہ پھیرتا ہے، یعنی نہ تو ان کی تصدیق کرتا ہے اور نہ ہی تکذیب اور نہ ان پر غور وفکر کرتا ہے:

﴿كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ [فصلت : ٣، ٤]

”ایسی کتاب جس کی آیات کی واضح تفصیل کی گئی ہے اور اس حال میں کہ قرآن عربی زبان میں ہے اور اس قوم کے لیے جو جانتی ہے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا، پھر بھی ان کی اکثریت نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں۔“

⑥ کفر شک:

کفر کی چھٹی قسم ان لوگوں کے بارے میں ہے جو ہمیشہ شک اور شبہات میں رہتے ہیں۔ یعنی تذبذب کی کیفیت میں ”لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ“ حق کے واضح ہونے اور اظہر من الشّمس ہونے کے باوجود شک میں پڑے رہتے ہیں:

﴿قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ﴾ [هود : ٦٢]

”انھوں نے کہا اے صالح! اس سے پہلے تو ہم تجھ سے بہت کچھ امیدیں لگائے

ہوئے تھے۔کیا تو ہمیں ان کی عبادتوں سے روک رہا ہے جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے، ہمیں تو اس دین میں حیران کن شک ہے جس کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے۔"

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اہل حدیث، جمہور فقہاء، حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، عام صوفیاء اور متکلمین وغیرہ کا اتفاق ہے:

"ان من لم يؤمن بعد قيام الحجة عليه بالرسالة فهو كافر سواء كان مكذبا أومرتابا أو معرضا أو مستكبرا أو مترددا أوغير ذالك."

[مجموع الفتاوى لابن تيمية]

"جو کوئی رسالت کے قیامِ حجت کے بعد اس پر ایمان نہ لائے چاہے وہ تکذیب کی شکل میں ہو یا شک کی صورت میں، اعراض یا تکبر یا تذبذب وغیرہ کے ذریعے انکار کرے، وہ کافر ہوگا۔"

قرآن مجید کے مطابق انسان مومن ہے یا کافر:

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ [التغابن : ٢]

"اسی نے تمھیں پیدا کیا ہے، سو تم میں سے بعض تو کافر ہیں اور بعض ایمان دار ہیں اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔"

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا﴾ [الدهر : ٣]

"ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے خواہ ناشکرا۔"

﴿وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾

[الكهف : ٢٩]

"اور اعلان کر دے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمھارے رب کی طرف سے ہے۔

اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن مجید فرقان ہے، یعنی حق و باطل، توحید و شرک، ایمان و کفر اور عدل و ظلم کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔[الفرقان : ١] اس قرآن مجید نے کھول کر ان تمام باتوں کی وضاحت کر دی ہے۔ اس لیے ہمیشہ زمانۂ رسالت میں بھی اور سیدنا رسول اللہ کی وفات کے بعد بھی یہی فرقان اللہ تعالیٰ کی کتاب بتائے گی کہ توحید کیا ہے اور شرک کیا ہے، ایمان کیا ہے اور کفر کیا ہے۔

ہم دُعا میں بھی دو ہی جماعتوں کا تذکرہ کرتے ہیں:

① انعام یافتہ لوگوں کا راستہ۔ ② مغضوب و ضالین کی راہ۔

سیدھی راہ:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ [الفاتحة]

"ہمیں سیدھی راہ دکھا۔"

انعام پانے والوں کی راہ:

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ [الفاتحة]

"ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا۔"

انعام پانے والے کون ہیں:

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ [النساء : ٦٩]

"اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔"

نہ کہ مغضوب اور ضالین کی راہ:

﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ [الفاتحة]

''ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی۔''

قرآن مجید کا انکار کرنے والے مغضوب اور کافر ہیں:

﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ [البقرة : ۹۰]

''بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انھوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا، وہ انکار کفر کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ چیز (قرآن مجید اور رسالت محمدیہ) کے ساتھ محض اس بات سے جل کر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل اپنے جس جس بندے پر چاہا نازل فرمایا، اس کے باعث یہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے اور ان کافروں کے لیے رسوا کرنے والے عذاب ہیں۔''

ایمان لانے والے مومن ہیں:

﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ ھُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ عَلٰي ھُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۤ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

[البقرة : ۳ تا ۵]

''جو لوگ غیب پر ایمان لائے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے (مال) میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور

نجات پانے والے ہیں۔"

ایمان نہ لانے والے کافر ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [البقرة : ٦، ٧]

"کافروں کو آپ کا ڈرانا، یا نہ ڈرانا برابر ہے، یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

اوپر مذکور آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے کفر اور ایمان کی وضاحت کرنے کے بعد اس کو ارادہ اور اختیار کی جو آزادی دی ہے اسی کی رو سے کسی نے کفر اور کسی نے ایمان کی راہ اختیار کی ہے اور دنیا اسی اختیار کی آزمائش ہے اور انسان اسی اختیار کے لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔ دوسری بات جو ان آیات سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں انسانوں کی دو ہی جماعتیں ہوتی ہیں: ایک جماعت جو اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یومِ آخرت اور تقدیر پر ایمان رکھتی ہے، یہ مومنوں کی جماعت ہے۔ دوسری جماعت ان باتوں پر ایمان نہیں رکھتی ہے، یہ کافروں کی جماعت ہے۔ برزخ میں بھی ارواح کے لیے دو ہی حالتیں ہیں: مومنوں کی روحیں علیین میں [المطففين: ١٩] اور کافروں کی روحیں سجین میں [المطففين: ٧] ہوں گی۔ میدان حشر میں بھی لوگ دو ہی گروہوں میں ہوں گے: مومن [أصحاب اليمين۔ الواقعة: ٢٧] اور کافر [أصحاب الشمال۔ الواقعة : ٤١] اور مقام ابدی بھی دو ہی ہیں: مومنوں کے لیے جنت اور کافروں کے لیے جہنم۔ دنیا میں تصدیقِ رسالت یا تکذیبِ رسالت کرنے والی مومن یا کافر جماعت کے علاوہ "غیر مسلم" نامی تیسری کوئی جماعت نہیں۔

ان آیات سے یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی بعض لوگوں کو مومن اور بعض لوگوں کو کافر کہتا ہے۔ قرآن مجید نے لوگوں کے کئی طرح کے کفریہ اور شرکیہ عقائد اور نظریات بیان کیے ہیں اور پھر ان کے لیے کافر اور مشرک الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یہ بات تو درست ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی سیدنا رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی ہے اور آپ ﷺ اس وحی کی بنیاد پر بھی کسی گروہ کی تکفیر کر سکتے ہیں، مگر یہ کہنا کہ ''نبی الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تکفیر کرتا ہے اب چونکہ وہ دنیا میں موجود نہیں ہیں اس لیے کسی کو کافر نہیں کہا جا سکتا'' جہالت ہے۔ جاوید احمد غامدی قرآن مجید کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جو باتیں قرآن کے بارے میں بطور اصول ماننی چاہئیں، وہ یہ ہیں: پہلی یہ کہ قرآن سے باہر کوئی وحی خفی یا جلی، یہاں تک کہ خدا کا وہ پیغمبر بھی جس پر یہ نازل ہوا ہے اس کے کسی حکم کی تحدید و تخصیص یا اس میں کوئی ترمیم و تغیر نہیں کر سکتا۔ دین میں ہر چیز کے رد و قبول کا فیصلہ اس کی آیات بینات ہی کی روشنی میں ہوگا۔ ایمان و عقیدہ کی ہر بحث اس سے شروع ہوگی اور اس پر ختم ہوگی اور اسی پر ختم کر دی جائے گی۔ ہر وحی، ہر الہام، ہر القا، ہر تحقیق اور ہر رائے کو اس کے تابع قرار دیا جایے گا اور اس کے بارے میں یہ حقیقت تسلیم کی جائے گی کہ ابوحنیفہ و شافعی، بخاری و مسلم، اشعری و ماتریدی اور جنید و شبلی، سب پر اس کی حکومت قائم ہے اور اس کے خلاف ان میں سے کسی کی کوئی چیز بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔ دوسری یہ کہ اس کے الفاظ کی دلالت اس کے مفہوم پر بالکل قطعی ہے۔ یہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے پوری قطعیت کے ساتھ کہتا ہے اور کسی معاملے میں بھی اپنا مدعا بیان کرنے سے ہرگز قاصر نہیں رہتا۔ اس کا مفہوم وہی ہے جو اس کے الفاظ قبول کر لیتے ہیں۔ وہ نہ اس سے مختلف ہے نہ متبائن۔ اس کے شہرستان معانی تک پہنچنے کا ایک ہی دروازہ ہے اور وہ اس کے الفاظ ہیں۔ وہ اپنا مفہوم پوری قطعیت کے ساتھ واضح کرتے ہیں۔ اس میں کسی ریب و گمان کے لیے ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ

دونوں باتیں قرآن کے میزان اور فرقان ہونے کا لازمی تقاضا ہیں۔''

[میزان، ص: ۲۵۔ طبع پنجم ۲۰۰۹ء]

سوال یہ ہے کہ غامدی صاحب نے یہ ''اصول'' کہاں سے لیا!؟ اگر صحابہ، تابعین، تبع تابعین یا اسلاف میں سے کسی ایک یا چند بزرگوں سے لیا ہے تو اس کی تصریح فرمائیں۔ اور اگر محض اُن کے اپنے ''غور وفکر'' کا نتیجہ ہے تو ہم ان کے ''غور وفکر'' سے مستنبط اصول کو کیوں تسلیم کریں جبکہ سلف سے لے کر خلف تک پوری اُمت اس ''اصول'' کی نفی کر رہی ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہر شخص قرآن سے اپنے مذعومہ ''غور وفکر'' کے بعد ''اصول'' مستنبط کرتا رہے اور پھر اس ''اصول'' پر قرآن وسنت اور تمام اُمت کے اجتماعی موقف سے گریز بھی کرتا رہے اور پھر اپنے تئیں اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ میں ''حق'' پر ہوں اور پوری اُمت غلطی پر ہے۔ اگر اس کی ہر شخص کو اجازت دی جائے تو یہ سلسلہ کہاں پر جا کر رُکے گا!؟

اس اقتباس پر غور کیجیے! سادہ لوح قاری اس عبارت آرائی سے بہت متاثر ہو سکتا ہے کہ کس طرح جاوید احمد غامدی قرآن مجید کی عظمت بیان کر رہے ہیں، مگر اس عبارت میں وہ کس طرح سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریعی حیثیت کا انکار کر رہے ہیں اس کو اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ان کی اس لفظی شاطرت پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔ جاوید احمد غامدی جب احادیث نبوی کو ہدف بنانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ''صرف قرآن'' کی آڑ حاصل کرتے ہیں، یہاں چونکہ مسئلہ تکفیر پر کئی قرآنی آیات موجود ہیں اس لیے ان کو یکسر نظر انداز کرنے یا ان کی معنوی تحریف کرنے کے لیے ''نبی کے الہامی علم'' کو آڑ بنا رہے ہیں۔

عبارت میں موجود ان الفاظ پر بار بار غور کیجیے:

۱۔ ایمان وعقیدہ کی ہر بحث اس سے (قرآن مجید سے) شروع ہوگی اور اسی پر ختم ہوگی اور اسی پر ختم کر دی جائے گی۔

۲۔ یہ (قرآن مجید) جو کچھ کہنا چاہتا ہے پوری قطعیت کے ساتھ کہتا ہے اور کسی معاملے میں اپنا مدعا بیان کرنے سے ہرگز قاصر نہیں رہتا۔

ہم جاوید احمد غامدی سے پوچھتے ہیں:

① اسلامی عقائد اور ایمان، کفریہ عقائد اور کفر کی بحث بھی قرآن مجید ہی سے شروع ہوگی اور اسی پر ختم ہوگی، اس کے لیے پھر ''نبی کے الہامی علم'' کی ضرورت کیوں ہے؟

② قرآن مجید جو کچھ کہنا چاہتا ہے پوری قطعیت کے ساتھ کہتا ہے اور اپنا مدعا بیان کرنے سے ہرگز قاصر نہیں رہتا، پھر اسلامی عقائد کیا ہیں، مومن کون ہے، کفریہ عقائد کیا ہیں، کافر کون ہے؟ یہ معلوم کرنے کے لیے پھر ''نبی کے الہامی علم'' کی ضرورت کیوں ہے؟ وہ بھی جب یہ دونوں باتیں قرآن کے فرقان ہونے کا لازمی تقاضا ہیں، کیا قرآن مجید کو آج فرقان ہونے کی حیثیت حاصل نہیں ہے؟

حقیقت یہ ہے ایمان کی تفصیل کیا ہے اور ایمان کے تقاضے کیا ہیں؟ کفریہ عقائد کیا ہیں اور کفر کی کیا کیا صورتیں ہیں؟ زمانہ رسالت میں بھی یہ جاننے کے دو ماخذ قرآن مجید اور احادیث نبوی تھے آج بھی یہ باتیں معلوم کرنے کے یہی دو ماخذ ہیں۔

قرآن مجید نے تکفیر کے لیے کس چیز کو بنیاد بنایا ہے؟

آدم علیہ السلام سے نوح علیہ السلام تک اسلام کی تاریخ:

﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۪ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ [البقرة : ٢١٣]

''دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوش خبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں، تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے اور صرف ان ہی لوگوں نے جو اسے دیے گئے تھے، اپنے پاس دلائل آچکنے کے بعد آپس کے بغض وعناد کی وجہ سے اس میں

اختلاف کیا، اس لیے اللہ نے ایمان والوں کی اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنی مشیت سے رہبری کی اور اللہ جس کو چاہے سیدھی رہ کی طرف رہبری کرتا ہے۔"

﴿وَ مَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۚ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ [یونس : ١٩]

"اور تمام لوگ ایک ہی امت کے تھے پھر انھوں نے اختلاف پیدا کیا اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا۔"

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے اپنی زندگی کی شروعات زمین پر توحید کے ساتھ کی ہے اور وحی کی رہنمائی کے ساتھ کی ہے۔ آدم علیہ السلام پہلے انسان بھی تھے اور پہلے نبی بھی، اس لیے یہ کہنا کہ انسان نے اپنی زندگی شرک اور مظاہر پرستی کے ساتھ شروع کی ہے اور پھر ارتقائی طور عقلی صلاحیت کی وجہ سے توحید تک پہنچا صرف ظن وقیاس پر مبنی بے حقیقت باتیں ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

"آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان دس قرن (ایک ہزار سال) تھے۔ یہ سب شریعت حقہ (توحید) پر تھے۔ پھر ان میں اختلافات پیدا ہوئے (شیطان کی ترغیب سے شرک میں پڑ گئے)، تب اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیجے۔"

[طبری وحاکم بسند صحیح]

رسولوں کی بعثت کا سلسلہ نوح علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے (اگر آدم علیہ السلام کو رسول کے بجائے صرف نبی مانا جائے)۔ نوح پہلے ایسے رسول ہیں جن کی دعوتی سرگرمیوں کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ وہ پہلے رسول ہیں جو لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی حجت بن کر آئے۔ جب کوئی رسول لوگوں کی طرف بھیجا جاتا ہے اور وہ اعلان رسالت کر کے لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتا ہے اس وقت لوگوں کی دو جماعتیں بن جاتی ہیں: ۱۔ جو رسول کی رسالت کی تصدیق کرتی ہے، ان پر ایمان لاتی ہے اور ان کا اتباع کرتی ہے۔ ۲۔ جو رسول

کی رسالت کی تکذیب کرتی ہے، ان پر ایمان نہیں لاتی ہے اور ان کی اطاعت کرنے سے انکار کرتی ہے۔ اول الذکر جماعت کے لیے قرآن مجید میں مصدقین اور ثانی الذکر کے لیے مکذبین کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ پھر قرآن مجید میں مصدقین اور مکذبین کے لیے کئی صفاتی نام بھی استعمال ہوئے ہیں، عموماً مصدقین کے لیے مومنین اور مکذبین کے لیے کافرین کے نام استعمال ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے مدعی رسالت کی تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے الگ الگ ہی نہیں بلکہ متصادم مذاہب رکھتے ہیں اس لیے عقل سلیم کا بھی یہی تقاضا ہے ان کو دو مختلف مبنی بر عقائد ناموں سے پکارا جائے۔ قرآن مجید کا یہ معروف اسلوب ہے کہ وہ جب تاریخی واقعات بیان کرتا ہے تو اپنے مقصد وعظ وتذکیر کے مطابق کہیں یہ واقعات اجمال کے ساتھ تو کہیں تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ کہیں واقعہ کا کوئی ایک پہلو تو کہیں کوئی دوسرا پہلو اجاگر کرتا ہے۔ اسی اسلوب بیان کے مطابق قرآن مجید نے تقریباً ۲۵ انبیاء اور رُسل کے واقعات بیان کیے ہیں۔ نوح علیہ السلام کا واقعہ نقل کر کے ہم دراصل قارئین کے سامنے یہ حقیقت رکھنا چاہتے ہیں کہ رسول کی رسالت کی تکذیب کرنے والے کافر اور تصدیق کرنے والے مومن کہلاتے ہیں اور یہ بات قرآن مجید کی کئی آیات سے ثابت ہوتی ہے۔ اس کے لیے آج ''نبی کے الہامی علم'' کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح زمانۂ رسالت میں انکار رسالت کرنے والے کافر تھے آج بھی انکار رسالت کرنے والے کافر ہی کہلائیں گے، خواہ انکار کی وجہ کچھ بھی ہو۔ ہم جن آیات کو یہاں نقل کر رہے ہیں ان سے تین باتیں معلوم ہوں گی:

① نوح علیہ السلام کی رسالت کی اُن کی قوم کی اکثریت نے تکذیب کی۔

② قرآن مجید نے ان تکذیب کرنے والوں کے لیے ''کافر'' لفظ استعمال کیا ہے۔

③ تصدیق رسالت کرنے والوں کے لیے قرآن مجید نے ''مومن'' لفظ استعمال کیا ہے۔

نوح علیہ السلام کا اعلان رسالت:

﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾ [الشعراء : ۱۰۷]

''سنو! میں تمھاری طرف اللہ کا امانت دار رسول ہوں۔''

توحید کی دعوت اور انذار:

﴿اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌۙ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ﴾ [ھود: ۲۵، ۲۶]

''میں تمھیں صاف صاف ہوشیار کر دینے والا ہوں کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو، مجھے تو تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے۔''

قوم کے سرداروں (کافروں) کا جواب:

﴿فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ﴾ [ھود: ۲۷]

''اس کی قوم کے کافر سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تو تجھے اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں اور تیرے تابع داروں کو بھی ہم سرسری نظر میں دیکھتے ہیں کہ سوائے نیچ اور موٹی عقل والوں کے اور کوئی نہیں، ہم تو تمھاری کسی قسم کی برتری اپنے اوپر نہیں دیکھ رہے ہیں، بلکہ ہم تو تمھیں جھوٹا سمجھ رہے ہیں۔''

نوح علیہ السلام کا ایمان والوں کے متعلق جواب:

﴿وَ یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ﴾

[ھود: ۲۹]

''میری قوم والو! میں تم سے اس پر کوئی مال نہیں مانگتا۔ میرا ثواب تو صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے، نہ میں ایمان داروں کو اپنے پاس سے نکال سکتا ہوں، انھیں اپنے رب سے ملنا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو۔''

قرآن مجید نے اسی طرح ان تمام لوگوں کو کافر قرار دیا ہے (قرآن مجید میں تقریباً ۱۷۵ مرتبہ کافر، کافرین اور کافرون الفاظ استعمال ہوئے ہیں) جنھوں نے انبیاء اور رسل کی تکذیب کی ہے، توحید اور آخرت کی تکذیب کی ہے اور اُن لوگوں کو جنھوں نے انبیاء اور رُسل کی تصدیق کی ہے مومن قرار دیا ہے۔ اب ہم زمانۂ رسالت محمدیہ کے متعلق دیکھیں گے کہ اُس وقت قرآن مجید نے کن کن لوگوں کے لیے کافر لفظ استعمال کیا ہے:

مشرکین (کافر):

﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ [الکافرون : ۱]

''آپ کہہ دیجیے کہ اے کافرو!''

یہود (کافر):

﴿وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ [البقرۃ : ۸۹]

''اور ان کے پاس جب اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کی کتاب کو سچا کرنے والی آئی، حالانکہ پہلے یہ خود اس کے ساتھ کفر پر فتح چاہتے تھے تو باوجود آ جانے اور باوجود پہچان لینے کے پھر کفر کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کافروں پر۔''

عیسائی (کافر):

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ [المائدۃ : ۱۷]

''یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔''

بعض رسولوں کو ماننے اور بعض کو نہ ماننے والے (کافر):

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ

وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾

[النساء : ١٥٠، ١٥١]

"جو لوگ اللہ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے بین بین کوئی راہ نکالیں، یقین مانو کہ یہ سب لوگ کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔"

اس آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کو کافر کہا گیا ہے۔ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور عیسائیوں نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا، بعض لوگ جو گوتم بدھ، مہاویر جین، کرشن جی، رام جی، کنفیوشس، زرتشت اور مانی کو بھی پیغمبر قرار دیتے ہیں، بالفرض اگر یہ پیغمبر بھی ہوں چونکہ آخری رسول سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں ان سب لوگوں کے پیروکاروں کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ سیدنا رسول اللہ کی رسالت پر ایمان لائیں اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں وہ کافر ہیں اور کافر ہی کہلائیں گے۔ خواہ وہ "خدا اور آخرت پر یقین" بھی کیوں نہ رکھتے ہوں۔ آخری رسالت کا انکار جب ہوگا تو اس انکار کے ساتھ "خدا اور آخرت پر یقین" غیر معتبر اور نامقبول ہے۔

منافق (کافر):

﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ [التوبة : ٤٩]

"اور ان میں سے کوئی تو کہتا ہے مجھے اجازت دیجیے مجھے فتنے میں نہ ڈالیے، آگاہ رہو! وہ تو فتنے میں پڑ چکے ہیں اور یقیناً دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔"

مرتد (کافر):

﴿ وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾

[البقرة : ٢١٧]

''اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں، ان کے اعمال دنیوی اور اُخروی سب غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے۔''

جاوید احمد غامدی نے جب یہ گمراہ کن نظریہ اختیار کیا کہ جنت میں وہ سب لوگ جائیں گے جو ''خدا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اچھے کام کرتے ہیں اور جرائم سے بچتے ہیں خواہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی یا کسی اور مذہب کے پیروکار'' اب یہ اُن کی مجبوری بن گئی ہے کہ دنیا میں کسی کو کافر اور مشرک نہ کہیں (جاوید احمد غامدی ہندوؤں کو مشرک نہیں مانتے)۔ ظاہر ہے اگر دنیا میں کسی کو کافر قرار دیں گے خواہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی، ہندو ہوں یا مجوسی پھر اُن کو جنت میں کیسے بھیج سکتے ہیں، کیونکہ کافروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم بنائی ہے۔ [البقرة : ٢٤] اور جنت تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھنے والوں کے لیے بنائی گئی ہے۔ [الحدید : ٢١] کیا کوئی صحیح الدماغ مسلمان یہ تصور کر سکتا ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ بھی جنت میں ہوں گے اور آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرنے والے یہودی، عیسائی، ہندو اور مجوسی وغیرہ بھی آپ ہی کے ساتھ جنت میں ہوں گے؟

اوپر مذکور آیات سے ہم نے یہ بات ثابت کر دی کہ قرآن مجید نے ہی یہودی، عیسائی اور مشرکین جن کا بنیادی جرم سیدنا رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار تھا، کی تکفیر کی، اس لیے آج بھی قرآن مجید اُن لوگوں کی تکفیر کرتا ہے جو سیدنا رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں۔ اس لیے جس طرح زمانۂ رسالت کے منکرینِ رسالت محمدیہ کافر کہلائے آج کے منکرین رسالت محمدیہ بھی کافر ہی کہلائیں گے۔

جاوید احمد غامدی جو کہہ رہے ہیں ''کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے، پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تکفیر کرتا ہے یہ حیثیت اب کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ کہ جو لوگ نبی کریم کی نبوت کو نہیں مانتے انھیں بس ''غیر مسلم'' سمجھیں اُن کے کفر کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔'' یہ بات دراصل اہل علم نے ایسے مسلمان کلمہ گو کے متعلق فرمائی ہے جو زبان سے اسلام کا اقرار اور اظہار کرتا ہے مگر اس کی باتوں یا اس کے کام سے اس کے اسلام کے متعلق شکوک اور شبہات پیدا ہوں، آیا یہ شخص جو اسلام کا مدعی ہے واقعتاً دل سے بھی اسلام کا معتقد ہے کہ نہیں؟ چونکہ کسی کی قلبی حالت پر تبصرہ کرنا ممکن نہیں ہے اور یہ کہ کسی انسان کی قلبی حالت صرف وحی ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ چونکہ وحی نازل ہونے کا سلسلہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی بند ہو چکا ہے اس لیے فرمان نبوی ''نحن نحكم بِالظّاهر'' اور ''اسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق حدیث کی بنیاد پر ایسے شخص کے زبانی دعویٰ پر اعتبار کر کے (الاّ کفر بواح کا ارتکاب کرے) اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ نا چاہیے۔

قرآن مجید نے عرب بت پرستوں، یہودیوں اور عیسائیوں کو اُن کے عقائد (ہر دین ومذہب میں بنیادی اہمیت عقائد ہی کو حاصل ہوتی ہے، انسان کے اعمال اس کے عقائد ہی کے مظہر ہوتے ہیں) کی بنیاد پر ہی کافر قرار دیا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک یہودی یا عیسائی علانیہ طور اپنے آپ کو یہودی اور عیسائی کہتا ہے۔ ان ہی عقائد کا اظہار کرتا ہے جس طرح کے عقائد کا اظہار زمانۂ رسالت کے یہود اور عیسائی کرتے تھے۔ زمانۂ رسالت کے یہود عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے، (التوبہ۔۳۰) دونوں گروہ قرآن مجید اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے۔ آج بھی یہودیوں اور عیسائیوں کے یہی عقائد ہیں، وہ قرآن مجید اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے، وہ کافر کیوں تھے اور یہ کافر کیوں نہیں ہیں؟ اُن کے کفر کی وجہ اس وقت بھی اُن کے کفریہ عقائد (انکار رسالت محمدیہ، انکار قرآن مجید) تھے آج بھی اُن کے کفر کی وجہ (انکار رسالت محمدیہ، انکار قرآن مجید) اُن کے کفریہ عقائد

ہیں، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی موجودگی یا عدم موجودگی کا اس سے کیا تعلق؟ قرآن مجید کے ذریعے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اُن کو بھی دعوتِ اسلام دیتے تھے۔ اسی قرآن مجید کے ذریعے آج بھی آپ ﷺ اُن کو دعوتِ اسلام دے رہے ہیں۔[الأنعام : ١٩]

ہندو مذہب شرک اور بت پرستی سے عبارت ہے۔ رِگ وید میں اگرچہ توحید کی مبہم تعلیم تھی بھی وہ اب باقی نہیں رہی ہے۔ رِگ وید میں پہلے دیوتاؤں کی تعداد ۳۳ بتائی گئی بعد میں یہ تعداد ۳۳۳۹ ہوگئی اور اب یہ تعداد ۳۳ کروڑ تک پہنچ گئی۔ برہما، وشنو اور شیوا کی تثلیث کی کیا بات کریں، یہاں تو ہر کنکر شنکر ہے، کائنات کی کوئی شے ایسی نہیں جس کے سامنے ہندو قوم کا سر نیاز نہ جھکتا ہو، مرد کی شرمگاہ (لنگم) ہو یا عورت کی شرمگاہ (یونی) اس سے بھی ان کے عبودیت و بندگی کے رشتے استوار ہیں۔ مشرکین مکہ نے بیت اللہ میں ۳۶۰ بت سجا رکھے تھے۔ بتوں کو وہ ضار اور نافع مانتے تھے، طرح طرح کی ضرورتوں اور حاجتوں کے لیے اُن کے الگ الگ بت تھے۔ یہاں طاقت کے لیے درگاہ، علم کے لیے سرسوتی اور دولت کے لیے لکشمی ہے اور پھر اوتار واد اور آواگون کے عقائد بھی، اعلاناً اور فخراً بت پرستی ہوتی ہے، بتوں کے لیے ہی سارے نذر و نیاز ہیں۔ مگر مکہ کے بت پرست مشرک اور کافر ہیں اور یہ ہندو بت پرست نہ کافر ہیں اور نہ ہی مشرک۔ حد یہ کہ مسلمان لڑکی اگر ہندو لڑکے کے ساتھ شادی کرنا چاہے تو قرآن مجید میں اس کے لیے کوئی ممانعت نہیں ہے۔ (www.understanding_islam.org) انا للّٰہِ وانا الیہ راجعون! یہ آج کے یہودی، عیسائی اور ہندو ان شرکیہ عقائد اور انکار رسالت محمدیہ کے باوجود بھی کافر نہیں ہیں ''اگر خدا اور آخرت پر یقین رکھتے ہوں''، تو جنت میں جائیں گے؟ زمانہ رسالت کے اہل کتاب اور عرب بت پرست بدنصیب ہی تھے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ اگر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بالخصوص جاوید احمد غامدی کی پیدائش کے بعد پیدا ہوتے تو پھر نہ کافر قرار پاتے اور نہ ہی جہنم میں جاتے، بلکہ سب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنت میں ہی ہوتے۔ (نعوذ باللہ)

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لانے والے کافروں کی سزا:

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لانے والے کافروں کے لیے جہنم کی آگ تیار کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا﴾

[الفتح : ١٣]

”اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے بھی ایسے کافروں کے لیے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔“

ایمان لانے والوں نے حق کی اور کفر کرنے والوں نے باطل کی پیروی کی:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ﴾ [محمد : ٢، ٣]

”اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اس پر بھی ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر اتاری گئی ہے اور دراصل ان کے رب کی طرف سے سچا (دین) بھی وہی ہے، اللہ نے ان کے گناہ دور کر دیے اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔ یہ اس لیے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مومنوں نے اس (دین) حق کا اتباع کیا جو ان کے اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے احوال اسی طرح بتاتا ہے۔“

خلاصہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور قرآن مجید (الحق۔ کامل حق) جو سیدنا رسول اللہ پر نازل ہوا ہے پر ایمان لائے انھوں نے حق کا اتباع کیا اور جن لوگوں نے قرآن مجید کا انکار کیا جس سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا بھی انکار ہو جاتا ہے انھوں

نے باطل کی پیروی کی۔

ہم یہ بات تکرار کے ساتھ بیان کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں پر حجت قائم کرنے کے لیے ہر زمانے میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی موجودگی ضروری نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی موجودگی ضروری ہے اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ بھی قیامت تک اللہ کی طرف سے لوگوں پر قرآن مجید ہی کے ذریعے حجت قائم کریں گے۔ (الانعام۔۱۹) اس لیے جس طرح زمانۂ رسالت میں آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کفر تھا آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی رسالت کا انکار کفر ہے اور ائمہ سلف وخلف اس بات پر متفق ہیں اور یہی امت مسلمہ کا ہمیشہ عقیدہ رہا ہے۔

ہم جس صدی میں زندگی گزار رہے ہیں یہ سائنس، ٹیکنالوجی اور ذرائع ابلاغ کی صدی ہے، دنیا کے تمام ممالک کی تاریخ، مذاہب، تہذیب وتمدن، وہاں آباد لوگوں کے مذہبی عقائد اور سیاسی نظریات، معاشی حالات اور نظام حکمرانی، سماجی اقدار اور زرعی حالات اور رسوم ورواج سب طرح کی معلومات آج دستیاب ہیں اور یہ معلومات منٹوں میں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ تمام مذاہب کے متعلق تمام طرح کی تفصیلات بھی دستیاب ہیں۔ مذاہب کے بارے میں بے علمی اور بے خبری کا عذر بالکل ختم ہو چکا ہے۔ دنیا کا کوئی ایسا ملک نہیں ہے جہاں مسلمان آباد نہ ہوں اور وہاں آباد دیگر مذاہب کے پیروکار مسلمانوں کے عقائد وعبادات کے متعلق واقفیت نہ رکھتے ہوں اور یہ نہ جانتے ہوں کہ مسلمان قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا آخری رسول مانتے ہیں۔ پھر ایسے ممالک جہاں مسلمان ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں میں ہیں وہاں قائم مسجدوں سے فجر سے عشاء تک ہر روز پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی شہادت کی اذانیں بلند ہوتی ہیں۔ ان ممالک میں قائم درسگاہیں، دارالعلوم، اسلامی اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں، اسلامی تحقیقی اور علمی مراکز، اسلامی دعوتی مراکز، چھوٹے بڑے اسلامی کتب خانے، بے شمار اسلامی ویب سائٹس، اسلامی ٹیلی ویژن چینلز، قرآن مجید اور اسلامی کتب کی دنیا کے ہر گوشے میں موجودگی اور علمائے اسلام اور داعیان دین کی دعوتی کوششیں اور

دورے، کیا عالم کفر کے لیے اسلام کے متعلق بے علمی یا بے خبری کا کوئی عذر ہے؟

جاوید احمد غامدی کی یہ بات کہ ''نبی کریم کی نبوت کا انکار کرنے والوں کو غیر مسلم سمجھیں ان کے کفر کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں'' صریحاً جہالت اور ضلالت ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان اختلاف کو مسلمانوں کے درمیان موجود فقہی اختلاف کی طرح قرار دیتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کی عقل پر پردے پڑ گئے ہیں۔ جاوید احمد غامدی کی یہ ذاتی مجبوری ہے کہ وہ دنیا میں کسی کو خواہ وہ یہودی، عیسائی، ہندو ہو یا مجوسی ہو، کافر نہیں کہہ سکتے، کیونکہ عالم کفر کی خوشنودی حاصل کرنا ان کی زندگی کا پہلا اور آخری مقصد ہے۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ جیسا کہ نصوص قرآن اور احادیث نبوی سے ثابت ہے، نسلی، علاقائی یا قومی رسول نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی رسالت کسی زماں یا مکاں کے لیے خاص ہے۔ اب قیامت تک لوگوں کی دنیاوی ہدایت اور اُخروی فلاح صرف سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تصدیق اور اطاعت کے ساتھ خاص ہے۔ باقی کوئی دین، مذہب، فلسفۂ حیات یا نظریہ زندگی عنداللہ مقبول نہیں ہے خواہ وہ کسی الہامی کتاب یا نبی کے ساتھ ہی منسوب کیوں نہ ہو، تمام آسمانی کتابوں کو منسوخ کرنے والی کتاب قرآن مجید کی صورت میں نازل ہو چکی ہے۔ پوری دنیا کے لیے آخری رسول بشیر و نذیر سیدنا رسول اللہ ﷺ آچکے ہیں اور جس طرح قرآن مجید کی قیامت تک حفاظت ہو چکی ہے اسی طرح آپ ﷺ کی رسالت کی بھی قیامت تک حفاظت ہو چکی ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [سبا : ۲۸]

''ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبریاں سنانے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، ہاں! مگر یہ کہ لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔''

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾

[الفرقان : ۱]

”بہت با برکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے لیے آگاہ کرنے والا بن جائے۔“

ان آیات سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت عالمگیر ہے اور یہ کہ آپ ﷺ تمام انسانوں اور جنوں کے لیے قیامت تک ہادی ورہنما ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا: پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا مجھے کائنات کے تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (بخاری) مجھے احمر واسود سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (مسلم) دوسری بات جو آیت فرقان سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (فرقان) اسلام اور کفر، حق اور باطل، توحید اور شرک اور عدل اور ظلم کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ چونکہ قرآن مجید نے توحید کی تفصیل بھی، ایمان کے تقاضے بھی اور شرک کی صورتیں بھی کفر کی حالتیں بھی بیان کی ہیں اس لیے یہ بات قرآن مجید ہی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ ایمان کیا ہے اور کفر کیا ہے۔ مومن کس کو کہا جا سکتا ہے اور کافر کون ہے!؟

اسلام صرف عرب ادیان پر غالب ہونے کے لیے آیا ہے یا دنیا کے تمام ادیان پر؟

جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کی دو آیات ہیں جنھیں اس زمانے میں بعض اہل علم نے غلبۂ دین کے لیے اپنی جدو جہد کا ماخذ قرار دیا اور پھر اسی بنیاد پر فرائض دینی میں ایک ''فریضہ اقامت دین'' کا اضافہ کر دیا ہے۔ ان آیات کی یہ تاویل ہمارے نزدیک عربیت کی رو سے محل نظر اور قرآن مجید کے مدعا کے بالکل خلاف ہے۔ چنانچہ ان کے بارے میں اپنی تحقیق ہم بالدلائل یہاں بیان کر رہے ہیں۔

پہلی آیت یہ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ [الصف : ٩]

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، اگرچہ ان مشرکوں کو یہ بات کتنی ہی ناگوار گزرے۔''

''اس آیت پر غور فرمایئے! اس میں نبی ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وہی سنت بیان فرمائی ہے جس کا ذکر رسولوں کے باب میں ایک قطعی قانون کی حیثیت سے قرآن مجید میں جگہ جگہ ہوا ہے۔ وہ سنت یہ ہے کہ رسولوں کے ذریعے سے عالم کے پروردگار کی حجت جب کسی قوم پر پوری ہو جاتی ہے تو اللہ

تعالیٰ انھیں اس قوم پر غلبہ عطا فرماتے ہیں۔ نبی ہوسکتا ہے کہ اپنی قوم کے مقابلے میں ناکام ہو جائے (یعنی دنیوی غلبہ کے اعتبار سے)، لیکن رسول ہر حال میں اپنی قوم پر غالب آتا ہے۔ عام اس سے کہ یہ غلبہ اس کی زندگی میں حاصل ہو جائے یا اس کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اس کے اعوان وانصار کو حاصل ہو۔ سورۂ مجادلہ میں فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ۝ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ [المجادلة : ٢٠، ٢١]

"بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر رہیں گے۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہر حال میں غالب ہوں گے، بے شک اللہ قوی وعزیز ہے۔"

نبی ﷺ بھی اللہ کے رسول تھے۔ چنانچہ یہ سنت آپ کے بارے میں بھی قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ قرآن مجید کا بیان ہے کہ آپ کے صحابہ کو بالصراحت بتا دیا گیا تھا کہ آپ اپنی قوم یعنی مشرکین عرب پر لازماً غالب ہوں گے۔ سورۂ فتح میں ہے:

﴿وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾

[الفتح : ٢٢، ٢٣]

"اور اگر یہ منکرین (یعنی کفار قریش) تم سے جنگ کریں تو لازماً مغلوب ہو کر پیٹھ پھیرتے، پھر نہ کوئی کارساز پاتے نہ مددگار۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی ہوئی سنت ہے جو پہلے سے چلی آرہی ہے اور اللہ کی اس سنت میں تم ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے۔"

"یہ سنت کس طرح پوری ہوئی؟ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اُن سے جنگ کا حکم دیا گیا اور اس جنگ کی یہ غایت ان پر واضح کر دی گئی کہ مشرکین عرب اسلام قبول کریں گے یا زمین سے مٹا دیے جائیں گے۔ سورۂ فتح ہی میں ہے:

﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ [الفتح : ١٦]

''اس سے کہا گیا کہ مشرکین سے لڑا جائے یہاں تک کہ سرزمین عرب میں دین حق کی بالادستی قائم ہو جائے اور انھیں بتا دیا جائے کہ وہ اگر اپنی روش سے باز نہ آئے تو اُن کا انجام بھی وہی ہوگا جو اس سے پہلے اُن قوموں کا ہوا جن کی طرف رسول مبعوث کیے گئے اور انھوں نے ان کا انکار کر دیا۔''

سورۂ انفال میں فرمایا:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ [الأنفال : ٣٨، ٣٩]

''ان کافروں کو بتا دو کہ اگر وہ اب بھی اسلام کی مخالفت سے باز آ گئے تو جو کچھ پہلے ہو چکا، اسے معاف کر دیا جائے گا اور اگر انھوں نے پچھلی روش کا اعادہ کیا تو ہمارے اس طریقے کو یاد رکھیں جو ہم نے گزشتہ قوموں کے معاملے میں اختیار کیا اور ان سے لڑو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین (اس سرزمین میں) پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آ گئے تو اللہ ان کے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔''

اُن سے وعدہ کیا گیا کہ اس جنگ کے نتیجے میں سرزمین عرب میں انھیں لازماً غلبہ و اقتدار حاصل ہو جائے گا۔ سورۂ نور میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ﴾ [النور : ٥٥]

''(رسول کے ساتھیو!) اللہ نے وعدہ کیا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو

فی الواقع ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے کہ اللہ انھیں اس سرزمین میں اسی طرح اقتدار بخشے گا جس طرح اس نے اس سے پہلے رسولوں کی امتوں کو اقتدار بخشا اور ان کے لیے اس دین کو مستحکم کرے گا جسے اس نے اُن کے حق میں پسند کیا۔''

''فی الواقع'' کی ضرورت ہی نہیں، کیوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سب ہی فی الواقع ایمان لائے تھے۔ آیت میں ''مِنْكُمْ'' کا لفظ یا تو منافقین کو مستثنیٰ کرنے کے لیے ہے یا پھر اس لیے کہ ہر شخص حکومت کی کرسی تک نہیں پہنچ سکتا۔ ظاہر ہے کہ خلیفہ ایک شخص ہی ہوسکتا ہے اور امور خلافت میں سب ہی صحابہ رضی اللہ عنہم شریک نہیں کیے جاسکتے تھے۔

ترجمے میں ''فی الواقع'' سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید صحابہ میں کچھ لوگ فی الواقع ایمان نہیں لائے تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ ترجمے کی ابتدا ہی میں (رسول کے ساتھیو!) لکھ ڈالا جس سے یہ شبہ مزید مؤکد ہوتا ہے کہ غامدی صاحب اکثر ترجمے میں اس طرح کی خیانتوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔

جاوید احمد غامدی ان آیات سے جو کچھ ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے:

''تاریخ گواہی دیتی ہے کہ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پورا کر دیا اور دین حق سرزمین عرب کے تمام ادیان پر غالب آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: ((لا يجتمع دينان في جزيرة العرب)) [الموطأ، رقم: ٢٨١٧] (جزیرۂ عرب میں دین حق کے ساتھ کوئی اور دین جمع نہیں ہوسکتا)۔ چنانچہ رسولوں کے باب میں اللہ کی وہ سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی پوری ہوگئی جو قرآن مجید کی رو سے ہمیشہ اٹل رہی ہے۔''

آیت کا تجزیہ کیجیے: اس میں ''لِيُظْهِرَهٗ'' کی ضمیر مرفوع کا مرجع قواعد زبان کے مطابق ''اللہ'' اور ضمیر منصوب کا مرجع ''الْهُدٰى'' یعنی ''دین حق'' ہے۔ ''الدِّيْنِ كُلِّهٖ'' چونکہ ''وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ'' کا معطوف علیہ ہے اور ''الْمُشْرِكُوْنَ'' کی تعبیر قرآن مجید میں

ہمیشہ مشرکین عرب کے لیے اختیار کی جاتی ہے اس لیے "الدِّیْنِ" کا الف لام عربیت کی رو سے لازماً عہد کے لیے ہے۔ چنانچہ تمام ادیان سے یہاں سرزمین عرب کے تمام ادیان مراد ہیں۔ اس تجزیے کے لحاظ سے آیت کے معنی ہم اس طرح بیان کریں گے:

"وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت یعنی دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ وہ اس دین کو (سرزمین عرب) کے تمام ادیان پر غالب کر دے، اگرچہ یہ بات مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار ہو۔" [الصف : ۹]

"قواعد عربیت اور نظائر قرآن کی روشنی میں آیت کا ترجمہ یہی ہو سکتا ہے اور اس ترجمے سے واضح ہے کہ غلبۂ دین کے لیے اب کسی شخص کی جدوجہد کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سورۂ صف کے مخاطب صحابہ رسول ہیں اور اس کا موضوع رسول کی نصرت کے لیے جہاد کی ترغیب ہے۔ یہ نصرت قرآن کے مطابق رسول کے ماننے والوں پر اس کا خاص حق ہے۔" [برھان، طبع ہشتم ۲۰۱۳ء، ص۱۷۳۔۱۶۹]

جاوید احمد غامدی کی اوپر مذکورہ باتوں کا خلاصہ:

① سیدنا رسول اللہ ﷺ اسلام کو صرف سرزمین عرب کے ادیان پر غالب کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

② سرزمین عرب میں اسلام غالب آ گیا، صحابہ کا جہاد اسی کے لیے تھا۔ اللہ کی نصرت خاص اسی کے لیے تھی۔

③ دنیا میں غلبۂ دین کے لیے کی جانے والی کوششوں کا کوئی دینی ماخذ نہیں ہے۔

ہم پہلے بھی یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ جاوید احمد غامدی کے تمام گمراہ کن نظریات باہم اس طرح مربوط ہیں کہ آپ ایک کے بعد ایک تسلسل کے ساتھ ہی ان کا تعاقب کر سکتے ہیں اور اگر کہیں اس تسلسل کا خیال نہ رکھا جائے تو عین ممکن ہے وہ زبان آوری، الفاظ کی مینا کاری اور عبارت آرائی سے آپ کو متاثر کر سکتا ہے۔

جاوید احمد غامدی کی گمراہیوں کا باہمی ربط:

① خدا اور آخرت پر یقین جنت کے لیے کافی ہے۔
یعنی ایمان بہ رسالت محمدیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

② دنیا میں اب کسی کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔
یعنی انکار رسالت محمدیہ بھی کفر نہیں ہے۔

③ نبی صرف عرب ادیان پر اسلام کو غالب کرنے کے لیے آئے تھے۔
یعنی نبی کی پیروی میں اب غلبہ دین کی کوشش کوئی دینی فریضہ نہیں۔

سورۃ الصّف کی آیت ۹ کے متعلق (یہی کچھ انھوں نے سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ کے متعلق بھی کہا ہے) جاوید احمد غامدی اپنے ناقدین کو دانستہ طور پر اس طرح کی بحث میں الجھاتے ہیں کہ عام قارئین کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید جاوید احمد غامدی اور ان کے ناقدین کے درمیان اختلاف صرف ”الدِّیۡنِ“ کے الف لام کے حوالے سے ہے (الف لام عہد کے لیے ہے یا جنس کے لیے)۔ واقعی اگر ایسا ہی ہوتا تو اس اختلاف کو گوارا بھی کیا جا سکتا ہے، مگر یہ اختلاف اساسی اور اصولی ہے۔ جاوید احمد غامدی کہتے ہیں سیدنا رسول اللہ ﷺ کی بعثت صرف سرزمین عرب میں اسلام کو غالب کرنے کے لیے ہوئی ہے اور ”الدِّیۡنِ کُلِّہٖ“ سے مراد صرف عرب ادیان ہیں، اور یہ مقصد آپ ﷺ کی زندگی میں ہی حاصل ہو گیا اس کے بعد غلبہ دین کی کوشش کے کیا معنی کیا مقصد؟ جبکہ قرآن مجید کی آیات، احادیث نبوی اور ائمہ سلف وخلف کی تشریحات سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا رحمۃ للعالمین کی بعثت دنیا کے تمام ادیان پر اسلام کو غالب کرنے کے لیے ہوئی ہے اور ”الدِّیۡنِ کُلِّہٖ“ سے سرزمین عرب کے ادیان ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام ادیان مراد ہیں اور ظاہر ہے اس عالمی غلبہ کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے اسی سرزمین عرب میں ڈالی جہاں مرکز توحید (کعبۃ اللہ) ہے۔ یعنی یہ غلبہ دین کی ابتدائی صورت تھی نہ کہ حتمی۔ جاوید احمد غامدی سرزمین عرب میں غلبہ دین کو حتمی مانتے ہیں جبکہ اہل علم اس کو ابتدائی مانتے ہیں اور اس کی حتمی صورت کے متعلق اکثر قدیم وجدید مفسرین کہتے ہیں کہ یہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت عیسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں ظاہر ہوگی۔

آگے چل کر ہم اس کی تفصیل بیان کریں گے۔ چونکہ جاوید احمد غامدی دنیا کے تمام ادیان پر غلبہ اسلام کو نہ بعثت نبوی کا مقصد مانتے ہیں اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد غلبہ دین کی کوششوں کو دینی فریضہ، اس لیے وہ قرآن مجید، احادیث نبوی اور اجماع امت کے خلاف نزول عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہیں اور غلام احمد قادیانی کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں۔ ''الدِّیْنِ'' کے الف لام کے متعلق یہ کہنا کہ یہ عہد کے لیے ہے دراصل جاوید احمد غامدی اپنے اس گمراہ کن نظریہ کی تائید چاہتے ہیں جس کے مطابق وہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کے بعد غلبہ دین کے لیے ہو رہی کوششوں کی شرعی حیثیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ جاوید احمد غامدی جہاد کے بارے میں وہی نظریہ رکھتے ہیں جو غلام احمد قادیانی کا رہا ہے اس لیے اس ''الف لام'' کی ان کی تشریح کو اسی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں پہلے ہم چند سوال نقل کریں گے پھر سورۃ الصّف کی آیت پر بات کریں گے:

① اسلام دین حق ہے یا نہیں؟

② اسلام صرف عرب کے لیے ہے یا پوری دنیا کے لیے؟

③ حق کو دنیا کے تمام ادیانِ باطلہ پر غالب آنا چاہیے یا نہیں؟

④ رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ آپ اسلام کو صرف عرب ادیان پر غالب کرنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں؟

اسلام دین حق ہے یا نہیں؟

﴿فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَأَنّٰى تُصْرَفُوْنَ﴾

[یونس : ۳۲]

''سو یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمھارا رب حقیقی ہے۔ پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے، پھر کہاں پھرے جاتے ہو؟''

﴿لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ [یونس : ۹۴]

''بے شک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے۔ آپ

ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔“

اسلام دین حق ہے اور اسلام ہی ہمیشہ بنی آدم کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ رہا ہے۔ اسلام دین کامل ہے۔[المائدۃ : ۳] اور اس دین کامل میں پوری طرح داخل ہونے کا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔[البقرۃ : ۲۰۸] انسان سماج سے الگ ہوکر زندگی گزارنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا، اسلام نے انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اس کی اجتماعی زندگی کو بھی وحی کی رہنمائی میں گزارنے کی تلقین کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام اگر دین حق ہے تو پھر عقل سلیم کیا چاہتی ہے؟ اس حق کو صرف سرزمین عرب کے ادیان باطلہ پر غالب آنا چاہیے یا پوری دنیا کے ادیان باطلہ پر؟ کیا سرزمین عرب کے لوگ ہی صرف رشد و ہدایت کے مستحق ہیں یا پوری دنیا کی آبادی اس رشد و ہدایت کی مستحق ہے؟ عرب میں زمانۂ رسالت میں یہودیت، نصرانیت اور شرکیہ عقائد کی پیروی ہوتی تھی ان پر اسلام کو غالب کرنے کی ضرورت کیوں تھی اور عرب سے باہر جو ادیان باطلہ تھے مجوسیت، ہندومت، بدھ مت، جین مت اور شنتوازم وغیرہ ان پر اسلام کو غالب کرنے کی ضرورت کیوں نہیں تھی؟ عرب سے باہر جو ادیان پائے جاتے تھے اور جو لوگ ان ادیان باطلہ کی پیروی کرتے تھے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کی کیا صورت فرمائی تھی؟ سیدنا رسول اللہ ﷺ چونکہ خاتم النبیین ہیں، اگر آپ اُن کے لیے حجت نہیں تھے تو ان کے لیے حجت کیسے قائم ہوگی؟ ظاہر ہے غیر عرب کے لیے نہ کوئی نبی بھیجا گیا اور نہ کوئی کتاب نازل کی گئی؟ آخر غلبۂ اسلام کو سرزمین عرب ہی تک محدود کرنے کی کوئی عقلی وجہ تو بتائی جائے؟

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

”دین کا اہم مطالبہ یہ ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں حق کو اختیار کریں وہ اسے اختیار کر لینے کے بعد دوسروں کو بھی برابر اس کی تلقین و نصیحت کرتے رہیں۔ دین کا یہی مطالبہ ہے جس کے لیے بالعموم دعوت و تبلیغ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔“ [میزان، طبع پنجم ۲۰۰۹ء، ص: ۵۳۲]

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نبی اور رسول، بشیر و نذیر اور ہادی و داعی ہیں مگر جب وہ صرف

سرزمین عرب ہی کے ادیان پر اسلام کو غالب کرنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں پھر عرب سے باہر دنیا کے لیے ان کا نبی اور رسول اور بشیر و نذیر ہونے کے کیا معنی؟ اگر یہ کہا جائے کہ سورۃ الصّف کی آیت (۹) میں "لِيُظْهِرَهُ" کے معنی جہادی کاوشیں ہیں باقی دعوت و تبلیغ تو عرب سے باہر بھی کی جاسکتی ہے، تو یہ بات وہ کج فہم شخص کہہ سکتا ہے جس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ سرزمین عرب میں سیدنا رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اسلام جو تمام ادیان پر غالب آیا اس غلبہ میں غزوات اور سرایاء سے زیادہ آپ ﷺ کی دعوتی اور تبلیغی کاوشوں کا حصہ ہے۔ اور جاوید احمد غامدی کی گمراہی کی وجہ جس کی وجہ سے اُن کو ''قانون اتمام حجت'' کی اصطلاح اختراع کرنا پڑی، یہی ہے کہ وہ دعوت و تبلیغ کی کاوشوں کو جہادی کاوشوں سے الگ کر کے دیکھتے ہیں، حالانکہ دعوت و تبلیغ اور جہاد و قتال دونوں تقاضائے وقت کے مطابق غلبۂ دین ہی کی کوششیں ہیں، اس لیے یہ کہنا کہ غلبۂ اسلام کے لیے جہادی کوششیں تو صرف ادیان عرب پر اسلام غالب کرنے کے لیے تھیں، البتہ دعوتی اور تبلیغی کاوشیں عرب سے باہر آج بھی کی جاسکتی ہیں، انتہائی درجہ کی جہالت ہے۔ کوئی بھی صحیح الدماغ مسلمان اس طرح کی تفریق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا۔ اس کو صرف جہاد دشمنی ہی کہا جاسکتا ہے۔

اسلام حق ہے اور حق کو دنیا کے ہر گوشہ میں ہر دین پر غالب آنا چاہیے۔ جس اسلام کی روشنی (نور) سے عرب کے لوگ جو اندھیروں میں تھے فیض یاب ہوئے اسی حق کی روشنی کو ہر ملک، ہر بستی، ہر گھر اور ہر فرد تک پہنچانا حق اور عقل دونوں کا تقاضا ہے۔ جاوید احمد غامدی کی اوپر مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی یہ مانتے ہیں کہ دین کا ہم سے مطالبہ یہ ہے۔ پھر وہ سورۂ توبہ کی آیت ''علماء کی دعوت'' (میزان: ۵۴۹) کے عنوان سے نقل کرتے ہیں، پھر سورۃ العصر کا بھی حوالہ دیتے ہیں، یعنی یہ ''دین کا مطالبہ ہے'' کہ دین ہر انسان تک پہنچایا جائے، مگر جب بعض اہل علم غلبۂ دین کے لیے کی جانے والی کوششوں کے لیے سورۃ الصّف کی آیت ۹ اور سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ کو ماخذ بناتے ہیں تو غامدی ان پر اعتراض کرتے ہیں اور اس کو فرائض دینی میں ایک ''فریضۂ اقامت دین'' کا اضافہ قرار دیتے ہیں۔

غلبۂ دین کے لیے کی جانے والی کوششوں کا ماخذ قرآن مجید کی کون سی آیات ہیں کون سی نہیں ہیں یہ ثانوی مسئلہ ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ کیا سیدنا رسول اللہ ﷺ کے بعد امت کی طرف سے غلبہ دین کے لیے کوشش ہونی چاہیے یا نہیں اور یہ کہ یہ دینی فریضہ ہے یا نہیں؟ اگر سیدنا رسول اللہ ﷺ کے بعد غلبۂ دین کے لیے کی جانے والی کوششیں نہ دینی فریضہ ہیں اور نہ ہی شرعی ذمہ داری اور یہ کہ یہ صرف سیدنا رسول اللہ ﷺ کی ذات تھی جو اس طرح کی کوششوں کے لیے مامور من اللہ تھی وہ بھی صرف سرزمین عرب کے لیے، وہی سرزمین عرب میں ''عدالت صغریٰ'' قائم کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے، وہی منکرین حق کے لیے اتمام حجت کے بعد اللہ تعالیٰ کا عذاب بن گئے۔ آپ ﷺ کے بعد عالم کفر کے لیے نہ کسی کی طرف سے حجت ہوسکتی ہے نہ کوئی ''عدالت صغریٰ'' قائم ہوسکتی ہے اور نہ ہی اب عالم کفر پر عذاب الٰہی کی کوئی صورت ہوسکتی ہے۔ پھر کوئی مسلمان سیدنا رسول اللہ ﷺ کے بعد ایسے کام کے لیے کیوں جان ومال قربان کرے، اپنی عزت اور سلامتی کو کیوں خطرے میں ڈالے، مصائب اور مشکلات کیوں اٹھائے جب کہ وہ اس کام کا مکلّف بھی نہیں ہے؟ پھر کیوں کوئی غلبہ دین کے لیے کسی بھی طرح کی کوشش کرے، چاہے یہ کوشش دعوت وتبلیغ کی ہو یا جہاد وقتال کی؟

اب اگر یہ کہا جائے کہ اسلام اس بارے میں دعوت وتبلیغ کی اجازت دیتا ہے مگر جہاد وقتال کی اجازت نہیں دیتا، تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دین صرف دعوت وتبلیغ سے ہی غالب آتا ہے یا دعوت دین میں ظالموں کی طرف سے پیدا کی جانے والی رکاوٹوں کو جہاد و قتال سے دور بھی کیا جاتا ہے؟ اشاعت اسلام کی تاریخ پڑھیے! اس میں کیا دعوت وتبلیغ ہی کا حصہ ہے یا جہاد وقتال کا بھی!؟

جاوید احمد غامدی ''الدِّیْنِ'' کے الف لام کو عہد کے لیے مانتے ہیں۔ وہ اس طرح دراصل غلبہ دین کے لیے ہو رہی کوششوں کی دینی حیثیت ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جب سیدنا رسول اللہ ﷺ اس کام پر مامور نہیں تھے کہ اسلام کو دنیا کے تمام

ادیان پر غالب کریں تو رسول اللہ ﷺ کا کوئی امتی اس کام پر مامور کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاں دعوت و تبلیغ کی کوششیں کی جا سکتی ہیں۔ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کو نسلی الٰہ بنایا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کو اگر دلچسپی ہے تو بنی اسرائیل کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اگر ہیں تو بنی اسرائیل کے لیے، اللہ تعالیٰ کو اگر محبوب ہیں تو بنی اسرائیل، اللہ تعالیٰ کو اگر رشد و ہدایت کی فکر ہے تو بنی اسرائیل کے لیے۔ جاوید احمد غامدی بھی یہود کی طرح اللہ تعالیٰ کو عرب کا الٰہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اگر کسی کی اصلاح اور فلاح کی فکر ہے تو عرب کی (ذریت ابراہیم بالخصوص بنی اسماعیل کی)، وہ اپنے دین کو اگر غالب دیکھنا چاہتا ہے تو صرف سرزمین عرب میں، وہ اگر ادیان باطلہ کا خاتمہ چاہتا ہے تو صرف سرزمین عرب میں، وہ ''عدالت صغریٰ'' قائم کرنا چاہتا ہے تو عرب میں، وہ رسول اللہ کو اگر بھیجتا بھی ہے تو سرزمین عرب میں غلبہ اسلام کے لیے، رسول اللہ ﷺ دنیا کے لیے نبی اور رسول ہوں تو ہوں مگر دین حق وہ صرف سرزمین عرب ہی میں غالب کریں گے۔ جاوید احمد غامدی کا یہ نظریہ بالکل یہودی نظریے جیسا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ یہودی اللہ تعالیٰ کو بنی اسرائیل ہی کا الٰہ اور موسیٰ کو بنی اسرائیل ہی کا رسول مانتے تھے، جاوید احمد غامدی اللہ تعالیٰ کو بنی اسرائیل کے ساتھ ساتھ ذریت ابراہیم کی ایک اور شاخ بنی اسمٰعیل کا بھی الٰہ بناتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو بھی ذریت ابراہیم ہی کا رسول ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

جب جاوید احمد غامدی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صرف سرزمین عرب میں اسلام غالب کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے، پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرزمین عرب کے باہر جو ادیان تھے اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی اور فیصلہ کیا تھا؟ کیا عرب سے باہر جو لوگ تھے اُن کی ہدایت اور اصلاح سے اللہ تعالیٰ کو کوئی دلچسپی نہیں تھی؟ آخر عرب سے باہر لوگوں کو اسلام کی نعمت اور رحمت سے جو اُن تک دعوت اور جہاد کے ذریعے پہنچ سکتی تھی، محروم کیوں رکھا جانا تھا؟ جاوید احمد غامدی کے اس نظریہ سے ثابت ہوتا ہے کہ:

① اللہ تعالیٰ عرب بالخصوص ذریت ابراہیم کا الٰہ ہے۔

② اسلام بنیادی طور پر عرب کا دین یا تجدیدی تحریک ہے۔

③ رسول اللہ ﷺ عربوں ہی کی طرف بھیجے گئے تھے۔

❁ یہ وہی باتیں ہیں جو زمانہ رسالت میں یہود کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) ہماری طرف نہیں صرف ''امیین'' (بنی اسمٰعیل) کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

❁ یہ وہی باتیں ہیں جو مستشرقین ہمیشہ کہتے رہے ہیں کہ محمد (ﷺ) عربوں کے لیے پیدا کیے گئے سماجی مصلح تھے۔

❁ یہ وہی باتیں ہیں جو بھارت میں شدت پسند ہندو بالخصوص RSS کے دانشور کہتے ہیں کہ اسلام عرب کا دین ہے اور محمد عربوں کے رسول ہیں۔ پنڈت نہرو نے یہ تک کہا تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کو عرب کے نبی (محمد رسول اللہ ﷺ) کے بجائے اپنے وطن کے نبی (غلام احمد قادیانی) کو مان لینا چاہیے۔

جاوید احمد غامدی کی تالیفات (میزان، مقامات، برہان، البیان) پر پوری توجہ اور غیر جانب داری کے ساتھ غور کرنے سے آپ کو یہ بات اچھی طرح محسوس اور معلوم ہوگی کہ وہ اسلام کو جس طرح پیش کر رہے ہیں اس میں غیر عرب کے لیے کچھ نہیں ہے اور یہ کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جوامت مسلمہ کا روحانی، ذہنی، قلبی، جذباتی، علمی اور عملی تعلق ہے وہ ختم ہو کر آپ ﷺ کے ساتھ بس قانونی نوعیت کا تعلق رہ جاتا ہے۔ مثلاً:

① اللہ تعالیٰ اسلام کی نعمت اور رحمت سے صرف عرب کو نوازنا چاہتا ہے۔

② اللہ تعالیٰ اسلام کو صرف سرزمین عرب میں غالب دیکھنا چاہتا ہے۔

③ رسول اللہ ﷺ عرب کے لیے ہی ''آسمانی عدالت'' قائم کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

④ خیر امت، امت وسط، شہداء علی الناس عرب (صحابہ رضی اللہ عنہم) ہی تھے۔

⑤ قرآن مجید میں جہاد و قتال کے سارے احکام عرب ہی کے لیے تھے۔

⑥ قرآن مجید میں غلبہ اور اقتدار کے وعدے (وعدۂ خلافت) عرب ہی کے لیے تھے۔

⑦ اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت عرب ہی کے لیے خاص تھی جو اُن کو عطا بھی کی گئی۔

⑧ جہاد پر اجر و ثواب اور جنت کے وعدے بھی عرب ہی کے لیے تھے۔

⑨ عورتوں کے لیے پردے کے احکامات عرب معاشرے کے لیے ہی تھے۔

⑩ داڑھی کا حکم بھی عربوں ہی کے لیے تھا۔

⑪ کافر صرف وہی ہیں جنھوں نے زمانۂ رسالت میں رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی تھی۔

⑫ جہنم کی وعید بھی صرف زمانۂ رسالت کے کفار کے لیے تھی۔

⑬ سنت روایت ابراہیم (یہود، نصاریٰ اور مشرکین مکہ کی روایات) کا نام ہے۔

یہودیوں کے اللہ تعالیٰ اور رسولوں کے متعلق ''Tribal God'' اور ''Tribal Prophets'' کا تصور بھی سامنے رکھیے اور جاوید احمد غامدی کے گمراہ کن نظریات کا بھی جائزہ لیجیے، کیا ان دونوں میں واضح مماثلت اور مشابہت نہیں ہے؟

یہ صحیح ہے کہ بعض اہل علم کہتے ہیں قرآن مجید میں ''الْمُشْرِكِينَ'' لفظ مشرکین مکہ/بنی اسمٰعیل/عرب کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یہاں دو باتیں غور طلب ہیں، ایک یہ کہ کیا کوئی شخص رنگ، زبان، نسل یا وطن کی بنیاد پر مشرک کہلاتا ہے یا شرکیہ عقائد کی بنیاد پر؟ دوسری بات یہ کہ کیا زمانۂ رسالت میں کوئی فارسی نژاد شخص مکہ میں رہائش پذیر ہوتا اور اس کے بھی وہی شرکیہ عقائد ہوتے جو ابوجہل اور ابولہب کے تھے، تو کیا اس کو قرآن مجید ''مشرک'' کے علاوہ کسی اور نام سے پکارتا صرف اس لیے کہ وہ قریش/بنی اسمٰعیل/عرب نہیں ہے؟ اگر مان بھی لیا جائے کہ ہیں ''الْمُشْرِكُونَ'' سے مراد مشرکین بنی اسمٰعیل ہیں پھر بھی یہ کیسے معلوم ہوتا ہے کہ ''الدِّينِ كُلِّهِ'' سے مراد صرف عرب ادیان ہیں؟

ہم پہلے بھی یہ بیان کر چکے ہیں کہ یہ نظریہ اللہ تعالیٰ کی رب العالمینی، رسول اللہ کی شانِ رحمۃ للعالمینی اور اسلام کی حقانیت و آفاقیت کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے لیے پسند کیے ہوئے دین کو صرف عرب میں ہی غالب دیکھنا چاہتا ہے۔ یعنی اسلام سرزمین عرب میں تمام ادیان پر غالب ہو مگر عرب سے باہر اس کو غالب کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اور یہ کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ صرف عرب ادیان پر اسلام غالب کرنے کے لیے مبعوث

ہوئے تھے اور سرزمین عرب میں اسلام تمام ادیان پر غالب کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ عرب سے باہر باقی ادیان پر اسلام غالب کرنے کے لیے نہ آپ معبوث ہوئے تھے اور نہ ہی یہ آپ ﷺ کی امت کا دینی فریضہ ہے۔

ایسی صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عرب سے باہر اسلام کی مستقل حالت کیا ہوگی؟ اسلام کو سرزمین عرب سے باہر ادیان پر بھی غالب آنا چاہیے یا نہیں؟ اگر آنا چاہیے تو یہ کن کا کام ہے اور یہ کام کن بنیادوں پر ہوگا یعنی اس غلبہ دین کی کوششوں کے لیے مآخذ کیا ہوں گے؟ اگر اسلام کو ان ادیان پر غالب نہیں آنا چاہیے تو پھر کیا اللہ کے دین کو باقی ادیان کے سامنے مغلوب بن کر رہنا چاہیے؟ کیا اللہ تعالیٰ کا دین (نور وحق) مغلوب اور باقی ادیان (ظلمت و باطل) غالب رہیں گے!؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ﴾ [الأنبياء : ١٨]

"بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں، پس حق باطل کا توڑ ہوتا ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے۔ تم جو باتیں بناتے ہو وہ تمھارے لیے باعث خرابی ہیں۔"

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

"تخلیق کائنات کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ ہے کہ یہاں حق و باطل کی جو معرکہ آرائی اور خیر و شر کے درمیان جو تصادم ہے اس میں ہم حق اور خیر کو غالب اور باطل اور شر کو مغلوب کریں۔ چنانچہ ہم حق کو باطل پر یا سچ کو جھوٹ پر یا خیر کو شر پر مارتے ہیں، جس سے باطل، جھوٹ اور شر کا بھیجا نکل جاتا ہے اور چشم زدن میں وہ نابود ہو جاتا ہے۔" [احسن البیان]

فرمان نبی ہے:

« الإسلام يعلو ولا يعلى » [بخاری]

"اسلام غالب ہونے کے لیے آیا ہے مغلوب ہونے کے لیے نہیں۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الۤرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ [إبراهيم : ١]

''الٓرٰ۔ یہ عالی شان کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لائیں ان کے رب کے حکم سے زبردست اور تعریفوں والے اللہ کی طرف۔''

سیدنا رسول اللہ ﷺ اللہ کے حکم سے لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جانے پر مامور من اللہ ہیں اور آپ کی یہ حیثیت آفاقی اور ابدی ہے۔ سورۂ ابراہیم کی اس آیت میں ''النَّاسَ'' سے مراد اگر بنی اسماعیل، بنی اسرائیل یا پھر زمانۂ رسالت کے لوگ ہی ہیں تو پھر سیدنا رسول اللہ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی اور ہمہ گیر و عالمگیر رسالت کے کیا معنی و مقصد ہوئے!؟

کیا سیدنا رسول اللہ ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں؟:

سیدنا رسول اللہ کی دعوت و تبلیغ کی کوششیں ہوں یا جہاد و قتال کی کوششیں، دونوں آپ ﷺ نے نبی اور رسول کی حیثیت سے انجام دیں، یہ دونوں قسم کی کوششیں آفاقی اور ابدی نوعیت کی تھیں۔ سوال یہ ہے سیدنا رسول اللہ ﷺ نبی اور رسول، بشیر اور نذیر اور ہادی اور داعی پوری دنیا کے لیے ہیں یا صرف سرزمین عرب کے لیے؟ جیسا کہ سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت ہمہ گیر بھی ہے اور عالمگیر بھی اور جاوید احمد غامدی بھی آپ ﷺ کو پوری دنیا کے لیے نبی اور رسول مانتے ہیں۔ مگر یہ کہنا کہ آپ ﷺ نبی اور رسول، بشیر اور نذیر اور ہادی اور داعی تو پوری دنیا کے لیے ہیں مگر اسلام کو آپ صرف سرزمین عرب ہی میں غالب کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے، کیا معنی رکھتا ہے ماسوائے اس کے کہ آپ ﷺ کی داعیانہ حیثیت تو آفاقی ہے مگر آپ کی مجاہدانہ حیثیت نسلی اور قومی تھی؟ (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کی رسالت کو دو حیثیتوں میں تقسیم کرنا جہالت اور گمراہی ہے۔

"اَلْمُشْرِکُوْنَ" سے مشرکین بنی اسماعیل مراد لینے کے باوجود بھی سورۃ الصّف (آیت ۹) سے وہ معنی معلوم نہیں ہوتے جو جاوید احمد غامدی اور اُن کے تلامذہ بیان کرتے ہیں کہ صرف "اَلْمُشْرِکُوْنَ" سے تمام دنیا کے شرکیہ عقائد رکھنے والے لوگ مراد لینے کی صورت میں ہی "الدِّیْنِ کُلِّهٖ" سے تمام دنیا کے ادیان کے معنی لیے جا سکتے ہیں، مگر جب یہ بات معلوم ہے۔ "اَلْمُشْرِکُوْنَ" سے مراد مشرکین بنی اسماعیل ہیں، "الدِّیْنِ کُلِّهٖ" سے صرف عرب ادیان ہی مراد لیے جا سکتے ہیں، نہیں تو "وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ" الفاظ پچھلی بات سے بے تعلق ہو جاتے ہیں۔" آیت مذکورہ کے جو معنی ہم یہاں بیان کریں گے اس سے یہ لفظی بحث اور اختلاف از خود ختم ہو جاتا ہے۔

چونکہ مشرکین مکہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ اسلام عرب میں غالب آئے، اُن کو بتایا جا رہا ہے کہ تم عرب میں اس دین کے غلبے کے خلاف ہو، عرب میں ہی کیا یہ دین دنیا کے تمام ادیان پر غالب آئے گا خواہ تم کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ (الصّف: ۹) ظاہر ہے جو مشرکین مکہ یہ نہ چاہتے تھے کہ عرب میں اسلام غالب آئے وہ یہ کہاں چاہیں گے کہ دنیا کے تمام ادیان پر اسلام غالب آئے۔ اس طرح یہ خبر و وعدہ ان کے لیے بے حد ناگوار ہوگا۔ اس طرح "الدِّیْنِ کُلِّهٖ" سے مراد دنیا کے تمام ادیان لیے جا سکتے ہیں اور "اَلْمُشْرِکُوْنَ" سے مراد بنی اسماعیل ہی لیے جا سکتے ہیں۔

جاوید احمد غامدی سیدنا رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور "الدِّیْنِ کُلِّهٖ" کے معنی یوں کرتے ہیں:

> "وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت یعنی دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ وہ اس دین کو (سرزمین عرب) تمام ادیان پر غالب کر دے۔ اگرچہ یہ بات ان مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار ہو۔" [الصف: ۹۔ میزان، ص: ۱۷۲]

> "ان اقدامات (جہاد) سے جنگ کا وہ مقصد تو بالکل آخری درجے میں پورا ہو گیا جو "یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ" میں بیان ہوا ہے، لیکن اس کے دوران میں رسول

اللہ ﷺ نے اپنی دعوت جزیرہ نما عرب سے باہر قریب کی تمام قوموں کے سامنے بھی پیش کر دی اور اُن کے سربراہوں کو خط لکھ کر اُن پر واضح کر دیا کہ اب اسلام ہی ان کے لیے سلامتی کی ضمانت بن سکتا ہے۔ اس کے معنی یہ تھے خدا کی جو حجت آپ کے ذریعے سے عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ پر قائم ہوتی ہے وہ آپ کے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے جزیرہ نما سے باہر کی ان قوموں پر بھی قائم ہو جائے گی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد دنیا ہی میں جزا و سزا کے قانون کا اطلاق ان قوموں پر بھی کیا جائے۔ چنانچہ یہی ہوا اور جزیرہ نما میں دینی حکومت مستحکم کر لینے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس اعلان کے ساتھ ان اقوام پر حملہ آور ہو گئے کہ اسلام قبول کر و یا زیردست بن کر جزیہ دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس کے سوا اب زندہ رہنے کی کوئی صورت تمھارے لیے باقی نہیں رہی۔ ان میں سے کوئی قوم بھی اصلاً شرک کی علمبردار نہ تھی (پھر کس چیز کی علمبردار تھی؟۔ محمد قاسم) ورنہ وہ اس کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرتے جو مشرکین عرب کے ساتھ کیا گیا تھا۔

اس سے واضح ہے کہ یہ محض قتال نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا جو اتمام حجت کے بعد سنت الٰہی کے عین مطابق اور ایک فیصلۂ خداوندی کی حیثیت سے پہلے عرب کے مشرکین اور یہود نصاریٰ پر اور اس کے بعد عرب سے باہر کی بعض قوموں پر نازل کیا گیا۔ لہٰذا یہ بات بالکل قطعی ہے کہ منکرین حق کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین پر جزیہ عائد کر کے انھیں محکوم اور زیردست بنا رکھنے کا حق اس کے بعد ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ قیامت تک کوئی شخص اب نہ دنیا کی کسی قوم پر اس مقصد سے حملہ کر سکتا ہے اور نہ کسی مفتوح کو محکوم بنا کر اس پر جزیہ عائد کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے قتال کی ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے اور وہ ظلم و عدوان کے خلاف جنگ ہے۔ اللہ کی راہ میں

قتال اب یہی ہے، اس کے سوا کسی مقصد کے لیے بھی دین کے نام پر جنگ نہیں کی جا سکتی۔"[1] [میزان، طبع پنجم۔ دسمبر ۲۰۰۹ء، ص: ۵۹۹]

غلام احمد قادیانی کہتے ہیں:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دین کے لیے حرام ہے اب جنگ و جدال
اب آگیا مسیح جو دین کا امام ہے
دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے

[روحانی خزائین، ص: ۷۷، ۷۸]

اللہ تعالیٰ نے سیدنا رسول اللہ ﷺ کو بھیجا تا کہ وہ اسلام کو (سرزمین عرب کے) تمام ادیان پر غالب کر دے۔" سورۂ صف کی آیت نو (۹) کا غامدی صاحب کا یہ ترجمہ بھی ذہن میں رکھیے، پھر اوپر مذکور میزان کی عبارت پر بھی غور کیجیے:

"اسلام ہی اُن کے لیے (عرب سے باہر سربراہان مملکت کے لیے) سلامتی کی ضمانت بن سکتا ہے۔ اس کے معنی یہ تھے خدا کی جو حجت آپ کے ذریعے سے عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ پر قائم ہوئی ہے وہ آپ کے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے جزیرہ نما سے باہر کی ان قوموں پر بھی قائم ہو جائے گی۔"

غامدی صاحب کے ترجمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ صرف سرزمین عرب کے ادیان پر اسلام غالب کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ اور یہ بات جاوید غامدی "قرآنی آیات" اور "عربی زبان کے قواعد" سے ثابت کر چکے ہیں، (یہ بات ہم پہلے ہی نقل کر چکے ہیں) مگر میزان کی اوپر مذکور عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ محمد رسول اللہ ﷺ اپنی حیثیت اور ذمہ داری کو سمجھنے میں غلطی کر گئے اور عرب سرزمین سے باہر اقوام کے سامنے بھی اسلام کی دعوت پیش کر دی اور صرف دعوت ہی نہیں بلکہ ان کو یہ تک کہا گیا

---

[1] یہ کس آیت، حدیث، سنت یا سلف کے قول یا عمل سے معلوم ہوا کہ یہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا؟ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ جاوید غامدی کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔

کہ اُن کے لیے سلامتی کی ضمانت اب صرف اسلام ہی بن سکتا ہے اور حد یہ کہ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی نعوذ باللہ غلطی ہو گئی کہ وہ ان اقوام پر اس اعلان کے ساتھ حملہ آور ہو گئے کہ ''اسلام قبول کرو یا زیر دست بن کر جزیہ دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس کے سوا اب زندہ رہنے کی کوئی صورت تمھارے لیے باقی نہیں رہی۔''

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم صرف اس بات کے مکلّف تھے کہ وہ صرف اُن اقوام سے جنگ کریں جن تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دعوتی مکتوب کے ذریعے پیغام اسلام پہنچا کر حجت قائم کر لی تھی اور اب صحابہ رضی اللہ عنہم کی اُن سے جنگ محض قتال نہ تھی بلکہ عذابِ الٰہی تھا جیسا کہ ''جاوید غامدی'' کا خیال ہے، تو پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُن اقوام سے بھی کیوں جنگ کی جن پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی طرح کی حجت پوری نہ کی تھی، نہ اُن کو کوئی دعوتی مکتوب بھیجا تھا اور نہ ہی کسی داعی کو وہاں پیغام دے کر بھیجا تھا؟ مثلاً آذر بائیجان، ہندوستان، آرمینیہ، روم، اسپین وغیرہ۔ سوال یہ ہے کہ جب سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف سرزمین عرب کے ادیان پر اسلام غالب کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے پھر آپ نے غیر عرب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت کیوں دی؟ پھر اتنا ہی نہیں بلکہ اُن پر عرب مشرکین، یہود اور نصاریٰ کی طرح حجت قائم کر دی؟ پھر حد یہ کہ ان پر بھی اتمام حجت کے بعد دنیا ہی میں جزا و سزا کے قانون کا اطلاق ہو جائے گا؟ سرزمین عرب سے باہر ان نبوی کوششوں کو غلبہ دین کی کوششوں کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ جاوید غامدی کی ان متضاد باتوں کو سامنے رکھنے کے بعد ان کے لیے دو ہی صورتیں ہیں:

① وہ یہ کہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرزمین عرب کے ادیان پر ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام ادیان پر اسلام کو غالب کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

② وہ ان مستند تاریخی شہادتوں کا انکار کریں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب سے باہر آباد اقوام کے سربراہوں کو بھی دعوتی خطوط لکھے۔

یہ بات ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رب العالمینی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی رحمۃ للعالمینی اور عقل سلیم اور نقل صحیح کے خلاف ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ صرف سرزمین عرب کے ادیان پر اسلام کو غالب کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے اور اس بارے میں "الدِّيْنِ كُلِّهٖ" اور "الْمُشْرِكُوْنَ" الفاظ کے معنی پر بحث غیر ضروری ہے۔ اب ہم سیدنا رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے یہاں ثابت کریں گے کہ آپ ﷺ دنیا کے تمام ادیان پر اسلام کو غالب کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں اور آپ نے اس غلبہ دین کی بنیاد پوری کامیابی کے ساتھ سرزمین عرب میں ڈال دی اور پھر دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے ہی عرب سے باہر اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کی کوششوں کی شروعات کی۔ عرب سے باہر اقوام کے سربراہوں کو لکھے گئے دعوتی خطوط، پھر صحابہ کی طرف سے دونوں اقوام کے خلاف، جن کی طرف آپ نے خطوط بھیجے اور جن کی طرف آپ نے خطوط نہیں بھیجے، جہادی کاوشیں اس بات کی ناقابل تردید شہادت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام دنیا کے ادیان پر اسلام کو غالب کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں اور ظاہر ہے دعوتی اور تبلیغی کاوشوں کی طرح غلبہ دین کی کوششوں کی شروعات بھی سرزمین عرب سے ہی کی گئی، مگر یہ کوششیں عرب پر ہی ختم نہیں ہوئیں بلکہ اُن اقوام اور ممالک کی طرف بھی جاری رہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کے دعوتی خطوط موصول ہوئے تھے اور ان اقوام و ممالک کی طرف بھی جن کو آپ ﷺ نے خطوط نہیں لکھے تھے۔ اگر ہند کی طرف صحابہ رضی اللہ عنہم جہادی مہم روانہ نہ کرتے تو پنجاب کے ضلع ساہیوال کے پاک پتنی گاؤں میں محمد شفیق ککے زئی نامی شخص پیدا نہ ہوتا۔

«الاسلام يعلو ولا يعلى» [بخاری]

"اسلام غالب ہونے کے لیے آیا ہے مغلوب ہونے کے لیے نہیں۔"

"لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" اور فرمان نبوی:

ثوبان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے لیے یہ زمین، اس کے مشرق و مغرب لپیٹ دیے گئے اور میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جو میرے لیے

اس میں لپٹا گیا ہے۔ (مسلم)

تنبیہ: اگر سیدنا رسول اللہ ﷺ کو صرف سرزمین عرب کے ادیان پر اسلام کو غالب کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا تو پھر رسول اللہ ﷺ پوری دنیا مشرق سے مغرب تک امت کی حکومت پہنچنے کی (ظاہر ہے یہ حکومت امت کی کوششوں اور اللہ کی نصرت ہی سے پہنچے گی) پیش گوئی کس طرح فرمارہے ہیں؟

مقداد بن اسود بیان کرتے ہیں کہ زمین کی پشت پر نہ کوئی اینٹ کا مکان اور نہ پشم کا (خیمہ) باقی رہے گا مگر اللہ تعالیٰ اس میں اسلام کا کلمہ داخل کردے گا۔ عزت والے کو عزت بخش کر اور ذلیل کو ذلت دے کر۔ یا تو انھیں عزت بخشے گا تو وہ اس میں داخل ہو جائیں گے، یا انھیں ذلیل کرے گا تو اس کے ماتحت ہو جائیں۔ گے۔ (مستدرک حاکم)

تنبیہ: یہ مقداد بن اسود کس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ دنیا کے ہر گھر میں اسلام داخل ہوگا۔ ظاہر ہے یہ اسلام کے عالمگیر غلبہ کی صورت ہی میں ممکن ہے۔ کیا مقداد بن اسود کو معلوم نہیں تھا کہ "الدِّيْنِ" میں الف لام عہد کے لیے ہے اور "الدِّيْنِ كُلِّهٖ" سے مراد سرزمین عرب کے ادیان ہیں؟

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سیدنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس پر مسلمانوں کی ایک قوی جماعت لڑتی رہے گی حتیٰ کہ قیامت قائم ہو۔" [مسلم]

تنبیہ: دین ہمیشہ قائم رہے گا اور مسلمانوں کی ایک جماعت قیامت تک لڑے گی۔ اگر لڑے گی تو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہی لڑے گی۔ غلبۂ دین کے لیے ہی تو لڑے گی۔ اگر غلبہ دین کے لیے کوشش کرنا امت نہ دینی فریضہ ہے اور نہ ہی شرعی ذمہ داری ہے تو کیوں لڑے گی؟

نافع بن عتبہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جزیرۂ عرب میں جہاد کرو گے تو اللہ فتح عطا کرے گا۔ پھر فارس میں جہاد کرو گے اللہ فتح عطا کرے گا۔ پھر تم روم پر

حملہ کرو گے تو اللہ فتح عطا فرمائے گا۔ پھر تم دجال سے قتال کرو گے تو اللہ فتح عطا فرمائے گا۔

[مسلم]

ان صحیح احادیث نبوی پر غور کیجیے...... پھر ایران، روم، شام، مصر، عراق، افغانستان، ہند، اندلس، روس، افریقہ اور مشرق بعید کی طرف صحابہ، تابعین، تبع تابعین، بنوامیہ اور بنو عباس کے خلفاء، مسلم حکمرانوں، سپہ سالاروں، مجاہدین اور جرنیلوں کی جہادی مہمات کو بھی سامنے رکھیے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک جو اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبۂ دین کے لیے کاوشیں ہوئیں جو تین براعظم پر پھیلی ہیں، کیا یہ ساری کاوشیں بعثت نبوی کے مقصد کے خلاف تھیں؟ کیا ان کوششوں کے لیے کوئی شرعی دلیل نہیں ہے؟ صحابہ، تابعین، ائمہ سلف، فقہائے امت، مفسرین، محدثین اور علمائے اسلام سب اس ''اسلام کی سامراجیت'' اور ان کوششوں میں مصروف لوگوں کی ''جہالت'' کو دیکھتے رہے اور بعض اوقات خود بھی ان کوششوں کا حصہ بنے، وہ بھی جب سیدنا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد دنیا میں نہ کوئی ''کافر ہے اور نہ ہی مشرک'' اور یہ کہ ''خدا اور آخرت پر یقین'' کے ساتھ سب لوگ یہود و نصاریٰ، ہندو اور مجوسی مسلمانوں کے ساتھ جنت میں جائیں گے، مسلمانوں کو اس جنگ وجدال کی آخر ضرورت کیا تھی؟ ''قانون اتمام حجت'' کے مطابق ان ساری کاوشوں کے لیے ''قرآن اور سنت'' کو ماخذ نہیں بنایا جا سکتا اس لیے ان کوششوں کو دینی فریضہ یا شرعی ذمہ داری نہیں کہا جا سکتا۔ یہ تو عالم کفر کی بدقسمتی ہے جو جاوید احمد غامدی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دور میں پیدا نہیں ہوئے، ایسی صورت میں اسلام کو مدینہ سے باہر نکالنے کی ضروت ہی نہیں پڑتی، کیونکہ صحابہ کو بعثت نبوی کا اصل مقصد اور آیت ''لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ'' کا صحیح معنی اور مفہوم سمجھانے کے لیے جاوید غامدی موجود ہوتے۔ (نعوذ باللہ)

چونکہ ان روایات سے جاوید غامدی کا سارا استدلال ہی ہباءً منثوراً ہو کر رہ جاتا ہے اسی لیے اس نے کبھی انکارِ حدیث، کبھی تحقیر حدیث اور کبھی استخفاف حدیث جیسے افعال شنیعہ کا ارتکاب کر کے ان روایات سے اپنا دامن چھڑانے کی کوشش کی تاکہ اپنی من مانی تاویل و

تشریح کے ذریعے قرآن کے خودساختہ معانی بیان کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

”رہی یہ بات کہ مسلمانوں کے پاس ایمان اور عمل صالح کی جو روشنی ہے، اس کا یہ حق اُن پر عائد ہوتا ہے کہ وہ یہ حق دوسروں تک بھی پہنچائیں۔“

[میزان، ص: ۵۳۲]

غور کیجیے کیا حق صرف مسلمانوں کے پاس ہی ہے؟ واقعتاً اگر حق صرف مسلمانوں کے پاس ہی ہے تو کیا پھر باقی ”غیر مسلم“ اہل باطل ہیں؟ اگر وہ اہل باطل ہیں جبھی تو جاوید غامدی اُن تک حق کی روشنی پہنچانے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ پھر وہ کیسے صرف ”خدا اور آخرت“ پر یقین کی بنیاد پر جنت میں جائیں گے؟ دوسری بات یہ کہ دوسروں تک حق پہنچانے کا آخر مقصد کیا ہے؟ آپ ایک انسان کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں، وہ دعوت قبول کر کے اسلامی عقائد اختیار کرتا ہے، پانچ وقت کی نماز کی اس کو پابندی کرنا پڑے گی، ماہ رمضان کے روزے رکھنے ہوں گے، صاحب نصاب ہے تو زکوۃ ہر سال ادا کرنا پڑے گی، استطاعت ہے تو فریضۂ حج بھی ادا کرنا پڑے گا۔ اسلام میں حلال وحرام کے جو احکام ہیں اُن کی سختی سے پابندی کرنا پڑے گی، انفرادی اور اجتماعی امور میں اسلام کی تعلیمات کی پیروی کرنا پڑے گی اور ان سب عبادات اور اطاعات کے بدلے وعدۂ جنت ہی تو ہے۔ دوسری طرف ”خدا اور آخرت پر یقین“ اچھے کام (غریبوں کی مدد، یتیموں کی کفالت، بیماروں کی خبر گیری، پل اور سرائے کی تعمیر وغیرہ) اور جرائم (قتل، ڈاکہ زنی اور چوری وغیرہ) سے اجتناب پر جاوید احمد غامدی لوگوں کو جنت میں بھیج رہے ہیں خواہ وہ کسی بھی مذہب کے پیروکار ہوں۔ بتائیے! انسان کی سہولت پسند نفسیات کس پیش کش کی خریدار بنیں گی؟ ظاہر بات ہے جو چیز ایک جگہ مہنگے داموں میں مل رہی ہے بالکل وہی چیز اگر دوسری جگہ مفت میں مل رہی ہے ہر صحیح الدماغ انسان مفت میں ہی اس ”جنت“ کو حاصل کرنا چاہے گا۔ تیسری بات یہ کہ جب دنیا میں کوئی کافر اور مشرک ہی نہیں ہے، نہ انکارِ رسالت کرنے والے کافر ہیں اور نہ بت پرست ہندو مشرک ہیں تو پھر ایمان اور عمل صالح کی دعوت کن کو

دیں اور کس لیے دیں؟ جاوید غامدی کے تلامذہ تو اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی اُن کے ساتھ شادی بھی کر سکتے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں صرف مشرکوں کے ساتھ شادی کرنے کی ممانعت ہے۔ اس لیے جاوید احمد غامدی نے جو ''قانون دعوت'' کے عنوان سے میزان میں (ص۔ ۵۷۶۔۵۳۲) خامہ فرسائی کی ہے وہ بے معنی ہیں۔

دنیا میں آج جہاں کفر و اسلام کے درمیان اور مشرق و مغرب کے درمیان فیصلہ کن معرکہ آرائی اور تہذیبوں کے تصادم کی باتیں ہو رہی ہیں، جاوید احمد غامدی ''امن عالم'' کا علم جو اُن کو سابق صدر پاکستان پرویز مشرف نے تھمایا ہے، لے کر نکلے ہیں۔ اس ''امن عالم'' کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کا یہود و نصاریٰ اور ہنود کے ساتھ تصادم ختم ہو، مگر ان مصالحتی کوششوں میں بنیادی طور پر دو رکاوٹیں ہیں مگر یہ دونوں رکاوٹیں مسلمانوں کی پیدا کردہ ہیں اور یہ دونوں رکاوٹیں اسلام کی ''غلط تشریح'' کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں، یہ دو رکاوٹیں یہ ہیں:

① مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ صرف اسلام ہی دین حق ہے اس لیے ایمان بالرسالت محمدی کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جا سکتا۔

② مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ غلبہ دین کے لیے کوشش کرنا بالخصوص جہادی کاوشیں دینی فریضہ ہے۔

جاوید احمد غامدی ''اسلام کی صحیح'' تشریح کر کے ان مسلمانوں میں صدیوں سے پائے جانے والے دونوں ''غلط عقائد'' کی اصلاح کر رہے ہیں۔

یہود جو کسی بھی صورت میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا آخری رسول ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں وہ حسد اور عناد کی بنیاد پر ایسا کر رہے ہیں ورنہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ وہی رسول ہیں جن کا ان کو انتظار تھا، مگر یہ رسول بنی اسرائیل میں کیوں نہیں مبعوث ہوئے، بنی اسماعیل میں کیوں مبعوث ہوئے۔ اس لیے حسد و عناد کی وجہ سے کہتے ہیں یہ رسول صرف "امیین" (قریش مکہ، بنی اسمٰعیل) ہی کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ یہود کے ساتھ مسلمانوں کی معرکہ آرائی زمانہ رسالت ہی میں شروع ہوئی ہے جو آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔

عیسائی بھی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا آخری رسول ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ یہ توقع کرتے تھے کہ آخری رسول شام میں پیدا ہوں گے۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کا نام لے کر آپ کی بعثت کی پیشین گوئی کی تھی، مگر گمراہی کی وجہ سے وہ انکار رسالت محمدی کرتے ہیں۔ عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کی معرکہ آرائی زمانۂ رسالت ہی میں شروع ہوئی ہے جو آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔

ہندو اوّل تو رسالت کا نہیں بلکہ اوتار واد کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کرشن، رام، ومانا، پرشورام، شیر، سانپ، مچھلی، کچھوے اور موہنی کو وشنو کا ہی اوتار مانتے ہیں (وشنو کے آخری، دسویں اوتار نراشنس [تعریف کیے گئے انسان] کا انتظار کر رہے ہیں) وشنو ہندو تثلیث (برہما، وشنو، شیوا) کے ایک الٰہ ہیں۔ دوم ہند کے باہر کے کسی بھی مذہب کو خاطر میں لانے کے لیے وہ کبھی تیار ہی نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ کسی غیر ہندی کو ''آخری دوت'' یا ''انتم رشی'' ماننے کے لیے تیار ہیں۔ بت پرست مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کی معرکہ آرائی زمانۂ رسالت ہی میں شروع ہوئی ہے جو آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔

مصالحت کس قیمت پر:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ [البقرة : ١٢٠]

''آپ سے یہود ونصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم (وحی) آجانے کے، پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔

وضاحت: یہ اس بات پر وعید ہے کہ علم آجانے کے بعد بھی اگر محض ان بر خود غلط لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ان کی پیروی کی تو تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ یہ دراصل امت محمدیہ کو

تعلیم دی جا رہی ہے کہ اہل بدعت اور گمراہوں کی خوشنودی کے لیے وہ بھی ایسا کام نہ کریں، نہ دین میں مداہنت اور بے جا تاویل کا ارتکاب کریں۔ [احسن البیان]

جاوید احمد غامدی غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز کے ملحدانہ نظریات اور افکار کو بعض جزوی تبدیلیوں کے ساتھ خوش نما طور پر پیش کر کے ان ''دو رکاوٹوں'' کو دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہی وہ مکروہ عزائم ہیں جن کی تعمیل اور تکمیل کے لیے انھوں نے تضادات اور انحرافات پر مبنی چند کتابیں لکھیں ہیں اور ٹی وی چینلوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔

① سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان جنت کے لیے ضروری ہے۔

اس ''رکاوٹ'' کو دور کر کے وہ قرآن مجید کا جنت کا معیار بیان کر رہے ہیں۔

❁ ''جنت میں جانے کا معیار قرآن میں بیان ہوا ہے۔ خدا اور آخرت پر یقین، اچھے اعمال کرنا اور جرائم سے دور رہنا، خواہ وہ مسلمان ہو، یہودی ہو یا کسی بھی مذہب کو ماننے والا، جنت کا حق دار ہے۔'' [سالانہ مجلہ مصعبی، سال ۰۹۔۲۰۰۸ء، ص: ۱۵۔ لاہور]

❁ غلبۂ دین کے لیے کوشش کرنا دینی فریضہ ہے۔

اس ''رکاوٹ'' کو دور کر کے وہ ''اسلام کی صحیح'' تشریح یہ بیان کر رہے ہیں:

② ''لہٰذا یہ بالکل قطعی ہے کہ منکرین حق کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین پر جزیہ عائد کر کے انھیں محکوم اور زیردست بنا کر رکھنے کا حق اس کے بعد ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ قیامت تک کوئی شخص اب نہ دنیا کی کسی قوم پر اس مقصد سے حملہ کر سکتا ہے اور نہ کسی مفتوح کو محکوم بنا کر اس پر جزیہ عائد کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔''

[میزان، ص: ۵۹۹]

اسلام کی یہی دو باتیں کہ ''ایمان بالرسالت محمدیہ کے بغیر نہ ہی دنیاوی ہدایت حاصل ہوگی اور نہ ہی جنت اور یہ کہ اعلائے کلمۃ اللہ کی کوششیں قیامت تک جاری رہیں گی کیونکہ یہ دینی فریضہ ہے'' عالم کفر کے لیے ناقابل قبول ہیں۔ اب جب ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے یہ دونوں دعوے دین کی ''غلط تشریح'' پر مبنی ہیں۔ ''دین کی صحیح تشریح'' کے بعد جب مسلمان

بھی اپنے "نظریات کو درست کریں گے" دنیا میں جنگ وجدال کا ماحول ختم ہوگا۔ یہود و نصاریٰ اور ہنود کے ساتھ تصادم کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔

اس کے علاوہ بھی جو بعض اسلامی تعلیمات عالم کفر کے لیے ناقابلِ قبول ہیں جو آج تک مسلمانوں میں شرعی احکام کے طور پر جانی پہچانی جاتی ہیں ان کے متعلق بھی جاوید احمد غامدی کو ۴۰ سالہ تحقیق (مطالعہ کُتب کو وہ تحقیق کہتے ہیں) کے بعد معلوم ہوا کہ ان میں اکثر احکام شرعی نہیں ہیں۔ وہ یا تو عرب تہذیبی شعار ہیں یا وقتی اور عارضی احکام تھے یا پھر ان تعلیمات کا صحیح محل نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں نے اس طرح ایسی چیزیں دین میں داخل کر دیں جو اس سے کسی طرح متعلق نہیں ہوسکتیں:

زنا پر سزا:

"شادی شدہ عورت بھی اگر زنا کا ارتکاب کرے تو اس کے لیے حد رجم نہیں بلکہ کنواری دوشیزہ کی طرح صرف سو کوڑوں کی سزا ہے۔"

[میزان، طبع مئی ۱۹۸۵ء، حصہ اول، ص:۱۸۳۔ لاہور]

عورتوں کا پردہ:

"دوپٹا ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے۔ اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ ڈوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔" [مقامات، ص: ۲٤۹]

داڑھی:

"عام طور پر اہل علم داڑھی رکھنا دینی لحاظ سے ضروری قرار دیتے ہیں۔ تاہم ہمارے نزدیک داڑھی رکھنے کا حکم دین میں کہیں بیان نہیں ہوا۔ لہٰذا دین کی رو سے داڑھی رکھنا ضروری نہیں ہے۔" [مقامات، ص: ۲۳۸]

موسیقی:

’’موسیقی آواز کی زینت ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو زینت بندوں کو عطا فرمائی ہے اُن کو حرام کون کرسکتا ہے۔‘‘ [مقامات۔طبع سوم، جولائی۔۲۰۱۴ء، ص:۲۱۰، ۲۰۹]

سود:

’’سود لینے کی ممانعت قرآن مجید میں نہیں آئی ہے۔سود لے کر رقم حاصل کر کے اس سے مکان بنانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔‘‘ [مقامات،ص:۲۱۵]

نزول عیسیٰ:

’’حضرت مسیح کو یہود نے صلیب پر چڑھانے کا فیصلہ کرلیا تو فرشتوں نے ان کی روح ہی قبض نہیں کی ان کا جسم بھی اُٹھا کر لے گئے کہ مبادا یہ سر پھری قوم اس کی توہین کرے۔‘‘ [میزان،ص ۱۷۸،طبع سوم مئی ۲۰۰۸ء، لاہور]

مرتد:

’’ارتداد کی سزا انھی لوگوں کے ساتھ تھی جن پر رسول اللہ ﷺ نے براہِ راست اتمام حجت کیا اور آپ پر ایمان لانے کے بعد وہ کفر کی طرف پلٹ گئے۔ ’’من بدل دینه فاقتلوه‘‘ زمانۂ رسالت کے بعد پیدا ہونے والے مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔‘‘ [مقامات،ص:۲۸۰]

عورت کی امامت:

عورت مردوں کی امامت کرسکتی ہے۔[ماہنامہ اشراق۔مئی ۲۰۰۵ء،ص:۴۶۔۳۵]

المختصر! یہود، عیسائی اور ہنود اور دیگر کفار کے لیے مسلمانوں کے جو نظریات اور تعلیمات ناقابل قبول ہیں ان کی حقیقتاً قرآن مجید میں کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔اس لیے مسلمان ان نظریات اور تعلیمات پر اصرار کیوں کریں؟ یہی نظریات اور تعلیمات مسلمانوں اور کفار کے

درمیان باعث نزاع بنی ہوئی ہیں۔ ان ہی نظریات اور تعلیمات کی وجہ سے دنیا میں امن کا ماحول قائم نہیں ہو رہا ہے، یہی تعلیمات اور نظریات مسلمانوں اور کافروں کو ''بھائی بھائی'' بننے نہیں دے رہے ہیں۔ ان ہی نظریات کی وجہ سے مسلمانوں کی علمی اور معاشی ترقی میں جمود اور تعطل پیدا ہوا ہے۔ اب جب ۱۴۰۰ سال بعد ''دین کی صحیح تشریح اور ہر حکم کا صحیح مدعا اور ہر تعلیم کا صحیح محل'' جاوید احمد غامدی کو معلوم ہو چکا ہے، لوگ اگر اسی طرح ان غامدی تشریحات اور تحقیقات کو قبول کریں گے تو دنیا میں ہمیشہ کے لیے امن و امان قائم ہوگا، کیونکہ حق اور باطل کی تمیز ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ دنیا کے تمام مذاہب کے پیروکار ''خدا اور آخرت پر یقین'' کے ساتھ جنت میں جائیں گے۔ کیونکہ اس تشریح اور تحقیق کے بعد دنیا میں نہ کوئی کافر ہوگا اور نہ مشرک کہ جن کے لیے جہنم بنائی گئی تھی۔

احادیث نبوی کی تشریعی حیثیت

جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کی روایتیں جو زیادہ تر اخبار آحاد کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں اور جنھیں اصطلاح میں حدیث کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں دو باتیں ایسی واضح ہیں کہ کوئی صاحب علم انھیں ماننے سے انکار نہیں کر سکتا: ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے لیے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا (ایک خطبہ حجۃ الوداع کے متعلق البتہ کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے دوسروں تک پہنچانے کی ہدایت فرمائی تھی، لیکن اس کے بعد چند جملے ہی روایتوں میں نقل ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی چیز کے بارے میں اس نوعیت کی کوئی چیز تاریخ سے کسی مستند ماخذ میں مذکور نہیں)۔ دوسری یہ کہ ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ کبھی علم یقین کے درجے تک نہیں پہنچتا۔[1] حدیث سے متعلق یہی دو حقائق ہیں جن کی بنا پر یہ ماننا تو ناگزیر ہے کہ اس سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔'' [میزان۔ طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ء لاہور، ص: ٦٨]

ہم ابھی تک جاوید احمد غامدی کے جن گمراہ کن تین نظریات پر بات کر چکے ہیں ان ہی کے تسلسل میں اس اقتباس پر بھی غور کیجیے! بین السطور آپ کو اچھی طرح معلوم ہوگا، یہاں بھی

[1] معلوم ہوتا ہے کہ ''یقین'' کا جو مفہوم علمائے اصول نے بیان کیا ہے غامدی صاحب یا تو اُس کو سمجھ ہی نہیں پائے ہیں یا پھر اُن اصولوں تک اُن کی رسائی نہیں ہوئی ہے۔

اُن کا ہدف سیدنا رسول اللہ ﷺ کی رسالت ہے (رسالت کی تشریعی حیثیت)۔[1] اس اقتباس سے دو باتیں بالکل واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں:

① حدیث سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا ہے۔

② رسول اللہ ﷺ نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے لیے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا۔

یہ دونوں باتیں لازم وملزوم ہیں جس چیز سے دین میں کسی عقیدہ اور عمل کا کوئی اضافہ ہی نہیں ہوتا یعنی جو دین کا حصہ ہی نہیں ہے عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کی حفاظت اور تبلیغ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یعنی دین جب حدیث کے بغیر ہی مکمل ہے (قرآن مجید اور اور ۲۶ سنتوں کی صورت میں) پھر حدیث کی حاجت ہی کیوں ہے!؟

انکار حدیث قرآن مجید کی معنوی تحریف کرنے والوں کی ہمیشہ پہلی ضرورت رہی ہے اور حدیث کی حجت کا انکار کرنے کے بعد ہی یہ لوگ اپنی پسند کا اسلام پیش کر سکتے ہیں اور انکار حدیث کے بعد جس طرح کا اسلام تیار ہوتا ہے وہ بالکل اس اسلام سے مختلف اور متضاد ہوتا ہے جس اسلام کے ساتھ سیدنا رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں۔ جس اسلام کی تعلیم آپ ﷺ نے صحابہ کبار کو دی، جس اسلام کی تعلیم صحابہ کبار نے تابعین کو دی، تبع تابعین نے معاصر فقہاء، ائمہ، مفسرین اور محدثین کو دی اور اُن سے تسلسل کے ساتھ علمائے اسلام آج تک جس کی تعلیم امت مسلمہ کو دے رہے ہیں، اس کی مثال غلام احمد پرویز کے پیش کردہ اسلام کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ اسی پرویزی اسلام کو جزوی تبدیلیوں کے ساتھ اب جاوید احمد غامدی قرآن مجید اور ۲۶ سنتوں کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ ہم یہاں ترتیب کے ساتھ جن اہم باتوں پر عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ روشنی ڈالیں گے ان کی فہرست یہ ہے:

① کیا رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی نازل ہوئی ہے؟

---

[1] حدیث/سنت کی تشریعی حیثیت پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے راقم کا پی ایچ ڈی مقالہ جو The Status of Sunnah کے نام سے شائع ہوا ہے۔ (محمد قاسم)

② کیا قرآن مجید کے احکام پر حدیث کے بغیر بھی عمل ہو سکتا ہے؟

③ کیا رسول اللہ ﷺ نے حدیث کی حفاظت اور اشاعت کا اہتمام نہیں کیا ہے؟

④ حدیث اور سنت کے الفاظ اصطلاحی مفہوم میں مترادف طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

⑤ کیا اسلام قرآن مجید اور ۲۶ سنتوں کا نام ہے؟

⑥ کیا احادیث نبوی سے دین میں کسی عقیدہ اور عمل کا اضافہ نہیں ہوتا ہے؟

ان باتوں پر غور کرنے کے بعد جو حقیقت سامنے آجائے گی وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی اگر سیدنا رسول اللہ پر وحی نازل ہوئی ہے تو اس وحی کو بھی دین ماننا پڑے گا۔ دوسری بات یہ کہ اگر قرآن مجید کے احکام پر حدیث کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا پھر حدیث کو بھی دین ہی ماننا پڑے گا۔ اگر حدیث دین ہے پھر اس کی بھی حفاظت ہوئی ہے۔ اگر حفاظت ہوئی ہے پھر اس کی تبلیغ اور اشاعت کی بھی رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ نے اس کی تبلیغ اور اشاعت کی تعلیم دی ہے پھر قرآن مجید کے ساتھ حدیث کی پیروی بھی ہمارے لیے لازمی ہے۔

اسلام:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ [آل عمران : ۱۹]

''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔''

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدة : ۳]

''آج میں نے تمھارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھر پور کر دیا اور تمھارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضا مند ہو گیا۔''

اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے اسلام کو دین بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے یہ دین نازل ہوا ہے اور اس نزول دین کی صورت قرآن مجید میں وحی بیان ہوئی ہے:

﴿ اِنَّاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ کَمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی نُوۡحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ۚ وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ وَ عِیۡسٰی وَ اَیُّوۡبَ وَ یُوۡنُسَ وَ ہٰرُوۡنَ وَ سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴾ [النساء : ۱۶۳]

''یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اُن کی اولادوں پر اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔''

یہ وحی دراصل اللہ تعالیٰ کی وہی ہدایت ہے جس کے ساتھ آدم اور حوا کو زمین کی طرف یہ کہہ کر بھیجا گیا کہ جو اس کی تابع داری کرنے والے ہوں گے ان پر کوئی خوف وغم نہیں اور جو اس وحی کا انکار کریں گے، ہماری آیات کی تکذیب کریں گے وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ [البقرۃ : ۳۹،۳۸] انسان کے لیے دنیاوی رشد و ہدایت اور اخروی فلاح کی ہمیشہ ایک ہی صورت رہی ہے، وہ یہ کہ وہ وحی کی پیروی کرے۔ یہ وحی جن نفوس قدسیہ پر نازل ہوئی ہے اور جس طرح نازل ہوئی ان کو انبیاء اور رسل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحۡیًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِہٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ﴾ [الشوریٰ : ۵۱]

''ناممکن ہے کہ کسی بندے سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کرے، بے شک وہ برتر ہے حکمت والا ہے۔''

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ دین اسلام کی بنیاد وحی ہے اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ جن پر دین اسلام کی تکمیل اور نعمتوں کا اتمام ہوا، آپ پر بھی وحی کے ذریعے ہی دین اسلام کی تمام کی تمام تعلیمات خواہ وہ عقائد وعبادات کے متعلق ہوں یا معاملات واخلاق کے متعلق، مکمل ہوتی ہیں اور وہ دین کے بارے میں جب بھی اور جو کچھ بھی فرماتے ہیں صرف

وحی کی بنیاد پر ہی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى﴾ [النجم : ۲ تا ۵]

''تمھارے ساتھی (محمد رسول اللہ ﷺ) نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے۔ اور نہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔ اسے پوری طاقت والے فرشتے (جبریل) نے سکھایا ہے۔''

وحی کی تابع داری کا حکم:

﴿وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ [الأحزاب : ۲]

''جو کچھ آپ کی جانب آپ کے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے اس کی تابع داری کریں کہ اللہ تعالیٰ تمھارے ہر ایک عمل سے باخبر ہے۔''

دین کے بارے میں آپ ﷺ کا قول بھی وحی ہے (النجم) اور آپ کا فعل بھی وحی (الاحزاب) ہے۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ جب بھی دین کے بارے میں لب کشائی کرتے ہیں یا کوئی عمل کرتے ہیں اس کی بنیاد وحی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے دین میں صرف عقائد یا عبادات ہی کی تعلیم نہیں بلکہ معاملات اور اخلاق کی بھی تعلیم ہے اور آپ ﷺ نے یہ تعلیم صحابہ کبار تک قول و فعل دونوں طرح سے پہنچائی ہے اور ہمیں بھی آپ کے قول کی اطاعت اور فعل کا اتباع کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے:

﴿اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ [النساء : ۵۹] ''رسول کی اطاعت کرو۔''

﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ [آل عمران : ۳۱] ''میرا اتباع کرو۔''

یہ بات معلوم ہوگئی کہ دین کی بنیاد خالصتاً وحی ہے خواہ وہ قرآن مجید کی شکل میں ہو یا احادیث کی شکل میں، آپ ﷺ کا قول ہو یا آپ کا فعل۔ یہ بات ہم آگے چل کر بیان کریں گے کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی سیدنا رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی ہے اور اس وحی

میں اسلام کی اصولی اور اجمالی تعلیمات بھی شامل ہیں اور جزوی اور تفصیلی تعلیمات بھی۔

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ [القيامة : ١٦ تا ١٩]

''(اے نبی!) آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لیے زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمے ہے۔''

﴿بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [النحل : ٤٤]

''دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ، یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کر بیان کر دیں۔ شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔''

ان آیات پر پوری توجہ اور بار بار غور کرنے سے احادیث کی تشریعی حیثیت بھی معلوم ہو جاتی ہے اور کچھ باتیں بالکل واضح الفاظ میں ثابت ہو جاتی ہیں۔

① سیدنا رسول اللہ ﷺ کے سینۂ اطہر میں قرآن مجید کو جمع کر دینا انسانی کاوش سے نہیں بلکہ امر الٰہی سے ہوگا۔

② سیدنا رسول اللہ ﷺ جب چاہیں اور جن آیات کی تلاوت کرنا چاہیں آپ کی لسان حق سے اُن کی قراءت جاری کر دی جائے گی اور یہ بھی انسانی کاوش سے نہیں امر الٰہی سے ہوگا۔

③ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کے مجملات کی جو تفصیل، توضیح اور اس کے عمومات کی جو تخصیص بیان فرمائی (جسے حدیث کہا جاتا ہے) وہ بھی اللہ کی طرف سے ہے، یعنی وحی ہے۔

وحی ہی دینِ اسلام کی بنیاد ہے، اس لیے نہ صرف آپ ﷺ کو وحی ہی کی پیروی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے بلکہ یہ اعلان کرنے کا بھی حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ صرف وحی کی پیروی کر رہے ہیں:

﴿اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ﴾

[الأنعام : ١٠٦]

''آپ خود اس طریق پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجیے۔''

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ﴾ [الأعراف : ٢٠٣]

''آپ فرما دیجیے کہ میں اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔''

قرآن مجید سے یہ بات معلوم ہو جانے کے بعد کہ اسلام کی بنیاد وحی ہے اور یہ کہ قرآن مجید کی آیات ہی نہیں بلکہ ان کی تشریح اور توضیح بھی وحی ہے۔ اب ہم قرآن مجید سے کچھ ایسی شہادتیں پیش کریں گے جن سے یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی سیدنا رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی ہے:

پہلی شہادت:

﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾ [التحریم : ٣]

''اور یاد کرو جب نبی نے بعض عورتوں سے ایک پوشیدہ بات کہی، پس جب اس نے اس بات کی خبر دی اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کر دیا تو نبی نے تھوڑی سی بات تو بتادی اور تھوڑی سی ٹال گئے۔ پھر جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ

بات بتائی تو وہ کہنے لگی اس کی خبر آپ کو کس نے دی۔ کہا سب جاننے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتلا دیا۔"

قرآن مجید میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتائی گئی ہو کہ آپ کی اہلیہ نے اس راز کو افشا کر دیا ہے۔ ظاہر ہے جب آپ ﷺ اہلیہ کو یہ فرما رہے ہیں کہ آپ کو اُس کی طرف سے راز افشا کرنے کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے دی تو یہ اطلاع بذریعہ وحی ہی دی گئی تھی، جو اس بات کی شہادت ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی آپ پر وحی نازل ہوئی ہے۔

دوسری شہادت:

﴿وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ﴾ [البقرة : ١٤٣]

"جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابع دار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے۔"

ہجرت سے قبل نازل کردہ قرآن مجید کی آیات میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے جس میں آپ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا ہو کہ آپ بیت المقدس کو قبلہ بنائیں۔ یہ اس بات کی شہادت ہے کہ آپ ﷺ نے بیت المقدس کو جو قبلہ بنایا تھا وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے بنایا تھا اور ایسا آپ ﷺ نے وحی کی بنیاد پر ہی کیا تھا جو قرآن مجید کے علاوہ آپ پر نازل ہوئی تھی۔ چونکہ قبلہ کا تعین خالصتاً ایک دینی معاملہ ہے۔ اس طرح ثابت ہوا قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی غیر متلو کے ذریعے آپ کو دینی حکم دیا جاتا تھا۔

تیسری شہادت:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفَسِقِينَ﴾ [الحشر : ٥]

''تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنھیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا اور اس لیے بھی کہ فاسقوں کو اللہ رسوا کرے۔''

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اور اس کی رضا مندی کس قرآن مجید کی آیت سے معلوم ہوئی ہے؟ جب ایسی کوئی آیت قرآن مجید میں موجود ہی نہیں ہے تو لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی آپ ﷺ کو وحی غیر متلو کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا معلوم کرائی جاتی تھی۔

چوتھی دلیل:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ [الفتح : ٢٧]

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو واقعۂ خواب سچا دکھایا کہ ان شاء اللہ تم یقیناً پورے امن وامان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے، سر منڈاتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے نڈر ہو کر وہ ان امور کو جانتا ہے جنھیں تم نہیں جانتے۔ پس اس نے اس سے پہلے ایک نزدیک کی فتح تمھیں میسر کی۔''

یہ آیت اس بات کی شہادت ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ تک قرآن مجید کے علاوہ بھی دیگر ذرائع (یہاں وحی کی ایک قسم رؤیائے صادقہ کی طرف اشارہ ہے) سے اللہ کی طرف سے خبریں پہنچتی تھیں۔

پانچویں شہادت:

﴿وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْۤ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ [بني إسرائيل : ٦٠]

''اور یاد کرو جب کہ ہم نے آپ سے فرما دیا کہ آپ کے رب نے لوگوں کو گھیر لیا ہے۔ جو خواب ہم نے آپ کو دکھائی تھی وہ لوگوں کے لیے صاف آزمائش ہی تھی۔''

اس آیت میں جس بات کو بطور حوالہ بیان کیا گیا ہے اس کا تذکرہ قرآن مجید کی کسی آیت میں نہیں ہوا ہے جو اس بات کی شہادت ہے کہ یہ بات سیدنا رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ایسے ذریعے سے بتائی گئی تھی جو قرآن مجید کے علاوہ آپ پر نازل ہوئی تھی۔

چھٹی شہادت:

﴿فَلَمَّا قَضٰی زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا يَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾

[الأحزاب: ٣٧]

''پس جب کہ زید نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کر لی ہم نے اُسے تیرے نکاح میں دے دیا، تاکہ مسلمانوں پر اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے جب کہ وہ اپنی غرض ان سے پوری کر لیں، اللہ کا (یہ) حکم تو ہو کر ہی رہنے والا تھا۔''

سیدنا رسول اللہ ﷺ کا سیدہ زینب کے ساتھ نکاح اللہ تعالیٰ کی طرف سے کر دینے کا مطلب یہی ہے کہ یہ نکاح سیدنا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی کیا، جس سے ایک جاہلی رواج کو ختم کرنا مقصود تھا۔ مگر زینب سے شادی کرنے کا حکم قرآن مجید میں کہیں موجود نہیں ہے۔ اس آیت میں اس کی اطلاع ہے، یہ اس بات کی شہادت ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید کے علاوہ بھی احکام و اخبار پر مبنی وحی نازل ہوئی ہے۔

ساتویں شہادت:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [الجمعة: ٩]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت کو چھوڑ دو، یہ تمھارے حق میں بہت ہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔''

اس آیت پر غور کیجیے کہ ''جب جمعہ کے روز نماز جمعہ کے لیے اذان کہی جائے۔'' قرآن مجید کی کس آیت میں جمعہ کے دن یا باقی دنوں میں نماز سے پہلے اذان دینے کا حکم آیا ہے؟ ظاہر ہے نماز سے پہلے اذان دینے کا حکم بالکل ایک دینی حکم ہے اور یہ دینی حکم قرآن مجید کے ذریعے نہیں بلکہ قرآن کے علاوہ آپ ﷺ پر نازل ہوئی وحی کے ذریعے ہی آپ کو دیا گیا تھا پھر جب اس حکم کے بارے میں مسلمانوں سے غلطی ہوئی ان کی تنبیہ کی گئی۔ یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کیا جمعہ نماز سے پہلے جو خطبہ جمعہ ہوتا ہے اس کے لیے قرآن مجید میں کوئی حکم موجود ہے؟ معلوم ہوا قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو دینی احکام دیئے جاتے تھے۔

آٹھویں شہادت:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ﴾ [التوبة : ٨٤]

''ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔''

منافقین کا نماز جنازہ نہ پڑھنے کی جو اس آیت میں تلقین ہو رہی ہے یہ تو معلوم ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ میت پر نماز جنازہ پڑھنے کا وہ حکم قرآن مجید میں کہاں ہے جس کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے فوت ہونے پر اُن کی نماز جنازہ پڑھتے تھے؟ نماز جنازہ ایک دینی فریضہ ہے مگر اس کا حکم وحی متلو (قرآن مجید) میں موجود نہیں، بلکہ وحی غیر متلو کے ذریعے ہی آپ ﷺ کو اس کا حکم دیا گیا تھا۔

نویں شہادت:

﴿وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ

الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [الأنفال : ٧]

''اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمھارے ہاتھ آجائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمھارے ہاتھ آجائے اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے اور ان کافروں کی جڑ کاٹ دے۔''

جس وعدے کے متعلق یہاں بیان ہو رہا ہے کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کے ساتھ تمھارا سامنا ہوگا یہ وعدہ قرآن مجید کی کس آیت میں مسلمانوں کے ساتھ کیا گیا تھا؟

یہ ساری شہادتیں یہ ثابت کرنے کے لیے پیش کی گئیں کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی نازل ہوئی ہے اور اس وحی غیر متلو میں بھی قرآن مجید کی طرح اخبار اور احکام ہوتے تھے۔

وحی، حدیث / سنت، حکمت

وحی (لغوی معنی):

کسی چیز کی خفیہ طور پر اور جلدی اطلاع دینا ''وحی'' کہلاتا ہے۔

قرآن مجید میں لفظِ ''وحی'' کے لغوی استعمالات:

قرآن مجید میں لفظ ''وحی'' کے لغوی استعمالات درج ذیل ہیں:

فطری تعلیم:

﴿وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ﴾ [النحل : ٦٨]

''آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں درختوں اور لوگوں کی بنائی ہوئی اونچی اونچی ٹہنیوں میں اپنے گھر (چھتے) بنا۔''

شیطانی وسوسہ:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا یَفْتَرُوْنَ﴾ [الأنعام : ١١٢]

''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کیے کچھ انسانوں میں سے اور کچھ جنوں میں سے، بعض بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تا کہ اُن کو دھوکہ میں ڈال دیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے۔

سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجیے۔''

دل میں الہام ڈالنا:

﴿وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَ لَا تَخَافِيْ وَ لَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾

[القصص : ۷]

''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں بات ڈال دی کہ اسے دودھ پلاتی رہ اور جب تجھے اس کی نسبت کوئی خوف معلوم ہو تو اسے دریا میں بہا دینا اور کوئی ڈر خوف یا رنج و غم نہ کرنا، ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے اپنے پیغمبروں میں سے بنانے والے ہیں۔''

وحی (اصطلاحی معنی):

شرعی اصطلاح میں ''وحی'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے منتخب انبیاء اور رُسل کو احکام واخبار سے اس خفیہ طریقے سے مطلع کرنا ہے جس سے ان کو قطعی ویقینی علم حاصل ہو جائے کہ یہ احکام واخبار من جانب اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔

قرآن مجید میں لفظِ ''وحی'' کے اصطلاحی استعمالات:

﴿اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ [النساء : ۱۶۳]

''یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جس طرح نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولادوں پر اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف اور ہم نے داوٗد کو زبور عطا فرمائی۔''

رسول وحی پر سب سے پہلے خود ایمان لاتے ہیں:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ [البقرة : ٢٨٥]

''رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے، یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم تفریق نہیں کرتے۔ انھوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب! اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔''

قرآن مجید میں تقریباً ۲۵ انبیاء اور رُسل کا تذکرہ ہمیں ملتا ہے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار (۱،۲۴،۰۰۰) رہی ہے اور اس میں ۳۱۴ رسل ہوئے ہیں۔ مگر جہاں تک آسمانی صحیفوں اور کتابوں کی بات ہے اس بارے میں ہم صرف ابراہیم، موسیٰ، داؤد، عیسیٰ علیہم السلام اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہی جانتے ہیں کہ ان کو آسمانی صحیفے اور کتابیں دی گئی ہیں۔ سب سے پہلی کتاب موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی (ابراہیم علیہ السلام کے متعلق صحیفوں کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا ہے)۔ اہم بات یہ ہے کہ تورات اس وقت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی جب فرعون مع لشکر غرق ہو چکا تھا اور موسیٰ علیہ السلام اس وقت مصر میں نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے ساتھ وادی سینا میں قیام پذیر تھے، جو اس بات کی شہادت ہے نزولِ تورات تک موسیٰ علیہ السلام پر وحی خفی ہی نازل ہوتی تھی۔ بالکل اُن تمام انبیاء کی نبوت بھی وحی خفی ہی سے ثابت ہوتی ہے جو کتاب نہیں دیے گئے۔ آدم علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نزولِ وحی کی بنیادی طور پر دو ہی قسمیں رہی ہیں اور ان دونوں میں اہم اور غیر اہم کی تفریق کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہم یہ بات پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ دین کی بنیاد ہمیشہ وحی ہوتی ہے خواہ یہ وحی الفاظ کے ساتھ نازل ہوئی ہو یا صرف معنی اور مفہوم کے

ساتھ، خواہ اس کے سارے حصے کو کتابی صورت میں محفوظ کر دیا گیا ہو یا صرف کچھ حصہ محفوظ کر دیا گیا ہو۔ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ ''سیدنا رسول اللہ ﷺ کا ہر قول اور فعل مبنی بروحی ہے'' تو اس وقت ہم تشریعی امور کی بات کرتے ہیں نہ کہ طبعی، تدبیری اور اجتہادی امور کی۔ الغرض وحی کی دونوں اقسام کی پیروی ہمارے لیے لازمی ہے۔

حدیث (لغوی معنی):

حدیث کے لغوی معنی جدید یا نئی چیز کے ہیں۔ چونکہ قرآن قدیم ہے اور احادیث نبوی اس کے مقابلے میں نئی، لہٰذا احادیث نبوی کو مقابلتاً ''حدیث'' کہا جاتا ہے۔[1]

حدیث (اصطلاحی معنی):

حدیث وہ علم ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کا علم حاصل ہو اور اس میں آپ کے اوصاف، حرکات وسکنات اور تقریر (سکوت) بھی شامل ہے۔

سنت (لغوی معنی):

سنت کے لغوی معنی طریقہ اور راستہ کے ہیں خواہ محمود ہو یا مذموم۔

سنت (اصطلاحی معنی):

سنت نام ہے رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال، تقریرات، تائیدات اور صفات کا۔

ائمۂ حدیث، فقہاء اور اصولیین ''حدیث'' اور ''سنت'' کو خاص خاص معانی میں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن جہاں وہ اصول و ادلہ کا ذکر کرتے ہیں وہاں ان دونوں کو ہم معنی اور مترادف ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اصول حدیث اور اصول فقہ کی جملہ مختصرات ومطولات میں ان دونوں اصطلاحوں کا یہ مشترکہ مفہوم بکثرت استعمال ہوا ہے۔

اصطلاحی مفہوم میں حدیث اور سنت الفاظ مترادف کے طور پر استعمال ہوئے ہیں:

---

[1] قرآن کلامِ قدیم ہے، اس کے مقابلے میں حدیث اگرچہ معناً اور مفہوماً وحی ہے لیکن چونکہ الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہیں، اس اعتبار سے کلام حادث ہے۔ اسی لیے بعض علماء کے نزدیک یہ دلیل حدیث کی وجہ تسمیہ بنی۔

حدیث:

❁ الحديث في عرف الشرع ما يضاف إلى النبي .

[حافظ ابن حجر العسقلاني]

❁ ما اضيف الى النبي قولاً و فعلا أو تقريرا اوصفة حتى الحركات والسكنات في اليقظة و المنام. [إمام سخاوى]

❁ إعلم أن علم الحديث موضوعه ذات رسول الله صلى الله عليه وسلم من حيث أنه رسول الله، وحدّه هو علم يعرف به أقوال رسول الله صلى الله عليه وسلم وأفعاله و أحواله. [علامة كرمانى]

❁ علم يشتمل على أقوال النبي وافعاله وروايتها وضبطها وتحرير ألفاظها. [ابن الأكفانى]

❁ هو علم يُعرف به أقوال رسول الله صلى الله عليه وسلم و أفعاله و أحواله...... الخ. [حاجى خليفه]

❁ الحديث النبوى: هو عند الإطلاق ينصرف إلى ما حدث به عنه بعد النبوة من قوله وفعله و إقراره . [إمام ابن تيمية]

❁ علم حدیث کا مقصود ایسی چیز کی طلب ہے جس سے دینی امور پر استدلال کیا جاتا ہو اور یہ چیز آپ کا قول، فعل یا تقریر ہے۔ [شیخ محمد جمال الدین قاسمی]

❁ اصطلاح میں ہر اس قول، فعل، تقریر اور صفت کو (حدیث) کہتے ہیں جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جاتی ہو۔ [ڈاکٹر محمود الطحان]

❁ آں حضرت ﷺ کی حیات طیبہ حقیقت میں قرآن مجید کی قولی اور عملی تفسیر ہے اور آپ ﷺ کے ان ہی اقوال، اعمال اور احوال کا نام حدیث ہے۔ [محمد عبدالرشید نعمانی]

جمہور محدثین کی اصطلاح میں نبی ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اقوال، اعمال اور احوال کو حدیث سے تعبیر کرنا خود ساختہ اصطلاح نہیں بلکہ خود قرآن کریم ہی سے مستنبط ہے۔ قرآن کریم میں دین کو نعمت فرمایا اور اس نعمت کی نشر و اشاعت کو تحدیث سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَّ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ [البقرة : ۲۳۱]

''اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو اور جو تم پر کتاب اور حکمت کو نازل فرمایا کہ تم کو اس کے ذریعے نصیحت فرمائے۔''

اور تکمیل دین کے سلسلے میں فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة : ۳]

''آج کے دن تمھارے لیے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔''

ذرا غور کریں کہ ان دونوں آیات میں قرآن حکیم نے دین کو نعمت کہا ہے اور سورۃ الضحیٰ میں آں حضرت کو اسی نعمت کو بیان کرنے کا ان الفاظ میں حکم دیا ہے:

﴿وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ [الضحی : ۱۱]

''اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجیے۔''

لہٰذا آں حضرت ﷺ کی اسی تحدیث نعمت کو حدیث کہتے ہیں۔ یہی نہیں! انبیاء کے اقوال، اعمال اور احوال کے لیے خود قرآن مجید میں بھی متعدد مقامات پر حدیث ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الذاریات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾ [الذاريات : ۲۴]

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں ایک جگہ نہیں دو جگہ فرمایا ہے:

﴿وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ [طٰهٰ : ۹]

﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ [النازعات : ۱۵]

خود آں حضرت کے قول مبارک کے لیے بھی قرآن مجید میں حدیث کا لفظ موجود ہے:

﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا﴾ [التحريم : ۳]

[عبدالرشید نعمانی]

سنت:

- السنة هی قول الرسول أو فعله . [علامه بیضاوی]
- السنن تنقسم ثلاثة أقسام، قول من النبی صلی الله علیه وسلم وفعل منه أو شيء رآه فعلمه فأقرعليه. [علامه ابن حزم]
- (السنن) المضافة للنبي صلى الله عليه وسلم قولا له أوفعلا أو تقريرا وكذا وصفا وإياها. [علامه سخاوی]
- والسنة هي المروية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قولا وفعلا . [علامه زین الدین جلبی]
- والسنة لغة العادة وشريعة مشترك بين ما صدر عن النبی من قول أوفعل أو تقرير وبين ما واظب عليه النبی بلا وجوب. [علامه جرجانی]
- السنة ماجاء عن النبی. [حافظ ابن حجر عسقلانی]
- وانما اختار لفظ السنة دون لفظه الخبر كما ذكرغيره لأن لفظ السنة شامل لقول الرسول وفعله. [عبدالعزیز البخاری حنفی]
- السنة تطلق على قول الرسول وفعله وسكوته وعلى اقوال الصحابة وافعالهم. [ملاجیون حنفی]
- اما السنة فتطلق فی الأكثر على ما أضيف إلى النبی من قول أوفعل اوتقرير فهی مرادفة للحديث عند علماء الأصول. [شیخ طاهر الجزائری]

- والسنة لغة العادة ما صدر عن رسول الله غير القرآن من قول اوفعل اوتقرير، كذا فى شرح المختصر.
- ما أثر عن النبي من قول أوفعل أوتقرير أو صفة خلقية أوخلقية أو سيرة، سواء كان قبل البعثة أو بعدها. [علامه محمد جمال الدين قاسمى]
- يطلق لفظة السنة على ماجاء منقولا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من قول أوفعل أو تقرير. [علامه محمد خضرى]
- السنة فى عرف المحدثين وجمهور أهل الشرع كل ما صدرعن رسول الله صلى الله عليه وسلم من قول أوفعل أوتقرير، سواء صدر عنه باعتباره رسولا أم باعتباره إنسانا من البشر. [حسن أحمد خطيب]

مذکورہ بالا تمام تعریفات (حدیث رسنت) میں اگرچہ معمولی سالفظی تغایر پایا جاتا ہے لیکن بحیثیت مجموعی ان سب تعریفوں میں رسول اللہ کے قول، فعل اور تقریر کو شامل کر کے ''حدیث'' و''سنت'' دونوں کو ہم معنی بتایا گیا ہے۔ اصحاب لغت میں سے صاحب ''لسان العرب'' کے نزدیک جب ''سنت'' کا لفظ بغیر کسی قید وشرط کے بولا جائے تو شریعت میں اس کا مقصد وہ فعل ہوتا ہے جس کا قرآن میں ذکر نہ ہو لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کو کرنے کا حکم دیا ہو یا اس سے منع فرمایا ہو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ''کتاب وسنت'' شرعی دلائل میں سے ہیں۔ یہاں ''کتاب وسنت'' سے قرآن وحدیث مراد لیے جاتے ہیں۔ پس ''سنت'' اور ''حدیث'' باہم مترادف الفاظ ہوئے۔ (اصطلاحی معنی میں) ائمہ حدیث کی مرتب کردہ تمام کتب سنن میں بھی ''سنت'' کو اسی متعارف و مصطلح قولی، فعلی اور تقریری معانی میں ذکر کیا گیا ہے۔ پس ہر دو اصطلاحات کا ہم معنی ہونا محقق ہوا۔

[فتنہ انکار حدیث کا نیا روپ از غازی عزیز، ص: ۱۳۰ تا ۱۳۸]

حکمت (لغوی معنی):

حکمت کی دو قسمیں ہیں: علمی اور عملی۔ حکمت علمی کو فلسفہ (Philosophy) بھی کہتے

ہیں اور یہ علم کسی چیز کے اسباب وعلل اور اس کی ماہیت سے بحث کرتا ہے۔ حکمت عملی کو (Policy) کہتے ہیں، جس کا مطلب کسی کام کو عمل میں لانے کا طریق کار ہوتا ہے۔
[آئینہ پرویزیت از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، ص: ۵۴۹]

حکمت (اصطلاحی معنی):

﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا﴾ [النساء : ۱۱۳]

''اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب وحکمت نازل فرمائی اور تجھے وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا تجھ پر بڑا بھاری فضل ہے۔''

ائمۂ لغت اور مفسرین کی یہ متفقہ رائے ہے کہ ان تمام آیات (البقرہ: ۱۲۹، ۱۵۱، ۲۳۱۔ آل عمران: ۱۶۴۔ النساء: ۱۱۳۔ الاحزاب: ۳۴۔ الجمعہ: ۳) میں ''اَلْكِتٰبَ'' سے مراد کتاب اللہ یا قرآن مجید ہے اور اَلْحِكْمَةَ سے مراد قرآن مجید کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی طرح حکمت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدنا رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتی تھی۔ دوم یہ کہ حکمت قرآن مجید سے ماسوا ہے، کیونکہ حکمت کا کتاب اللہ (قرآن مجید) پر عطف آیا ہے اور عطف اصل میں معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اگر چہ مغایرت جزوی ہو۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کتاب کا ذکر فرمایا ہے وہ قرآن ہے اور جس حکمت کا ذکر فرمایا ہے تو میں نے قرآن کے ان اہل علم حضرات سے کہ جنھیں میں پسند کرتا ہوں سنا ہے کہ حکمت رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔''

امام جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یعنی ہمارے نزدیک درست بات یہ ہے کہ حکمت سے مراد اللہ تعالیٰ کے ان احکام کا علم ہے کہ جن کے علم کا ادراک رسول کے بیان اور اس کی معرفت کے بغیر

ممکن نہ ہو اور وہ چیز اس کے نظائر میں اس پر دلالت کرتی ہے وہ میرے نزدیک یہ ہے کہ حکمت حکم سے ماخوذ ہے جس کے معنی حق و باطل کے درمیان فصل و تمیز کے ہیں۔“

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ہم بخوبی جانتے ہیں کہ یہاں (الاحزاب: ۳۴۔ الجمعہ: ۲) ”الْكِتٰبَ“ سے مراد کتاب اللہ ہے، لیکن ”الْحِكْمَةَ“ کیا چیز ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔“ [فتنہ انکار حدیث، ص: ۷۹]

حافظ ابن عبدالبر سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۴ کے بارے میں قتادہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں: ”من القرآن و السنة“ اور سعید بن ابی عروبہ نے اس آیت کے متعلق قتادہ سے نقل کیا ہے کہ ”یرید السنة یمن علیھم بذالكِ“ اور ہذلی نے آیت ”يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ“ کی تفسیر میں حضرت حسن کا یہ قول نقل کیا ہے:

”الْكِتٰبَ“ سے مراد قرآن اور ”الْحِكْمَةِ“ سے مراد سنت ہے۔ تفسیر الجلالین میں بھی ”الْحِكْمَةِ“ کی تفسیر میں متعدد مقامات پر ”السنة“ اور ”مافیه من الاحکام“ ہی درج ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لغوی اعتبار سے ”الْحِكْمَةِ“ کئی معانی کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً حق بات پر پہنچنا، عدل وانصاف، علم وحلم وغیرہ۔ (قاموس)

راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

”جب یہ لفظ اللہ کے لیے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں اور جب غیر اللہ کے لیے بولا جاتا ہے تو موجودات کی صحیح معرفت اور نیک اعمال کے معنی ہوتے ہیں۔ پس لفظ ”حکمت“ عربی زبان میں کئی معانی کے لیے یعنی علم صحیح، نیک عمل، عدل وانصاف، قول صادق وغیرہ کے لیے بولا جاتا ہے۔ (قاموس)

قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی "الْحِكْمَةِ" کا لفظ آیا ہے اس سے صرف رسول اللہ کی سنت ہی مراد لینا درست نہیں، البتہ جن آیات میں "الْكِتٰبَ" کے ساتھ "الْحِكْمَةِ" کا ذکر بھی آیا ہے وہاں اس سے مراد شریعت کے وہ احکام اور دین کے وہ اسرار ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مطلع فرمایا۔ المختصر! اگر حکمت سے علم و دانش ہی کے معنی لیے جائیں جب بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جس علم و دانش سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی تعلیمات کی تفسیر و تفصیل اور تشریح و توضیح فرمائی وہ آسمان ہی سے آپ ﷺ پر نازل ہوئی ہے، اس لیے قرآن مجید کی طرح ہی یکساں طور پر مصدر و ماخذ دین ہے، کیونکہ یہ بات نصوص قرآن سے ثابت ہو چکی ہے کہ دین کے بارے میں سیدنا رسول اللہ ﷺ صرف وحی کے ساتھ ہی لب کشائی کرتے تھے اور یہ کہ آپ کا قرآن مجید کا بیان کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، (القیامہ: ۱۶) اور یہ کہ آپ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ حکمت کی تعلیم بھی صحابہ کو دینے پر مامور من اللہ تھے۔ (الجمعہ: ۲) اس لیے جس طرح قرآن مجید میں ہر جگہ "الْحِكْمَةِ" سے حدیث یا سنت مراد لینا درست نہیں ہے بالکل اسی طرح یہ بھی نا مناسب ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ "الْحِكْمَةِ" کے معنی دانائی کے لیے جائیں۔

> "مفسرین صحابہ وتابعین جو معانی قرآن کی تشریح آں حضرت سے سیکھ کر کرتے ہیں، اس جگہ لفظ "حکمت" کے معنی بیان کرنے میں اگر چہ ان کے الفاظ مختلف ہیں لیکن خلاصہ سب کا ایک ہی ہے، یعنی سنت رسول اللہ ﷺ۔ امام المفسرین ابن کثیر اور ابن جریر رحمہما اللہ نے حضرت قتادہ سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔ کسی نے تفسیر قرآن اور کسی نے تفقہ فی الدین فرمایا ہے اور کسی نے علم احکام شرعیہ کہا اور کسی نے کہا کہ ایسے احکام الٰہیہ کا علم جو رسول اللہ ﷺ کے ہی بیان سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان سب کا حاصل وہی حدیث وسنت رسول ہے۔"
>
> [معارف القرآن از مفتی محمد شفیع]

"کتاب وسنت کی انھی نصوص کی بنا پر تمام ائمہ وعلمائے سلف اس بات پر متفق ہیں کہ

"يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" اور اس طرح کی دوسری آیات میں جو "الْحِكْمَةَ" کا لفظ وارد ہوا ہے اس سے مراد سنت ہی ہے اور سنت بھی وحی ہی کی ایک قسم ہے۔" [مقدمہ معارف الحدیث از حبیب الرحمٰن اعظمی]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ سبحان و تعالیٰ نے اپنے رسول پر دو قسم کی وحی نازل کی اور دونوں پر ایمان لانا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے اس پر عمل کرنا واجب قرار دیا اور وہ دونوں قرآن اور حکمت ہیں۔ کتاب تو قرآن ہے اور حکمت سے باجماع سلف سنت مراد ہے۔ رسول نے اللہ سے پا کر جو خبر دی اور اللہ نے رسول کی زبان سے جو خبر دی دونوں واجب التصدیق ہونے میں یکساں ہیں۔ یہ اہل اسلام کا بنیادی اور متفق علیہ مسئلہ ہے، اس کا انکار وہی کرے گا جو ان میں سے نہیں ہے۔ خود نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز بھی دی گئی ہے، یعنی ''سنت۔'' [فتنہ انکار حدیث، ص: ۸۱]

وحی تمام کی تمام پہنچانے کا حکم:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾

[المائدة : ٦٧]

''اے رسول! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجیے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔''

یہ بات ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی نازل ہوئی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے احادیث وسنن کی باعتبار مضمون قرآن صرف تین قسمیں بیان کی ہیں:

① وہ جو بعینہٖ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

④ وہ جو قرآن مجید کے مجمل احکام کی تشریح کرتی ہیں۔

③ وہ جن کا ذکر بظاہر قرآن مجید میں نہ تفصیلاً موجود ہے اور نہ اجمالاً۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سنت کا قرآن کے ساتھ تین طرح کا تعلق ہو سکتا ہے: پہلا تعلق یہ کہ سنت ہر طرح سے قرآن کے موافق ہو، دوسرا تعلق یہ کہ سنت قرآن کی مراد ومنشا کو بیان کرتی ہو اور تیسرا تعلق یہ کہ سنت ایسے حکم پر دلالت کرتی ہو جس سے قرآن خاموش ہے۔''

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ امام الحرمین الجوینی سے نقل کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا کلام دو قسموں میں نازل ہوا ہے، ان میں سے ایک قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل سے کہ جن کو نبی ﷺ کی طرف بھیجا جاتا تھا، فرمایا کہ نبی سے کہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس طرح کرو، یا اللہ تعالیٰ نے اس اس طرح حکم دیا ہے۔ پس جبریل نے اپنے رب کے حکم کو سمجھا اور اس کو لے کر نبی پر نازل ہوئے اور ان سے اپنے رب کا ارشاد بیان کیا۔ لیکن اس کے لیے کوئی عبارت مخصوص نہ ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر ملک یہ کہے کہ فلاں سے کہو کہ ملک نے تیرے لیے یہ حکم دیا ہے: "اجتهد في الخدمة واجمع جندك للقتال." تو رسول اللہ اسی بات کو اپنے الفاظ میں یوں بیان فرمائیں: ملک نے کہا ہے کہ: "لاتتهاون في خدمتي ولا تترك الجند تتفرق وحثهم على المقاتلة." تو آں حضرت کا یہ ارشاد نہ کذب پر محمول ہوگا اور نہ ہی ادائیگی رسالت میں تقصیر پر۔ اور کلام اللہ کی دوسری قسم وہ ہے جب کہ اللہ تعالیٰ جبریل کو حکم دیں کہ نبی (ﷺ) پر یہ کتاب قراءت کرو تو جبریل اللہ تعالیٰ کے انھی کلمات کے ساتھ بلاتغیر نازل ہوں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ملک کوئی کتاب لکھ کر اپنے امین کو یہ کہہ کر دے کے اسے فلاں شخص کو پڑھ کر سنا دینا، تو وہ اس میں کوئی بھی کلمہ یا

حرف اپنی طرف سے نہیں بدلتا۔'' [ایضاً]

علامہ حازمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جبریل سنت بھی لے کر نازل ہوئے اور اسے رسول اللہ ﷺ کو سکھاتے تھے۔ چنانچہ آپ ایسی کوئی بات نہیں کہتے تھے جو تنزیل کے خلاف ہو، الّا یہ کہ آپ کا سابقہ کوئی قول تنزیل کے ذریعے منسوخ ہو چکا ہو۔ پس تنزیل کا معنی رسول اللہ کا ہر وہ قول ہے جو باسناد صحیح آپ سے ثابت ہو۔'' (ایضاً)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یعنی ''کتاب'' وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور ''حکمت'' سنت ہے جو کہ بصورت وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر تلاوت کے آئی ہے۔'' [ایضاً]

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ وحی کی دونوں صورتوں کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے مامور من اللہ ہیں۔ آپ صحابہ کرام کو علم وعمل دونوں کی تعلیم دیتے تھے اور آپ یہ تعلیم اُن کو اپنے قول وعمل دونوں سے دیتے تھے۔ قرآن مجید میں آپ کی اطاعت اور آپ کا اتباع دونوں کا حکم ہے۔

قرآن مجید کی آیات اور ائمہ سلف کی تشریحات کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ دین کے متعلق سیدنا رسول اللہ ﷺ کا ہر قول، ہر فعل اور ہر سکوت (تقریر) قابل اطاعت واتباع ہے۔

- ''اطاعت'' لفظ میں قول (بات) ماننے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔
- ''اتباع'' لفظ میں فعل (عمل) کی پیروی کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے صرف اطاعت کا لفظ استعمال ہوا ہے اتباع کا لفظ استعمال نہیں ہوا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فعل کی پیروی نہیں ہو سکتی ہے۔ جبکہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کے لیے اطاعت اور اتباع دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں کہیں بھی صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت (اَطِیْعُوا اللّٰہَ) کی بات بیان نہیں ہوئی مگر اس کے ساتھ اطاعت رسول ﷺ (اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ) کی بات بھی لازماً بیان ہوئی ہے۔ جبکہ کئی

موقعوں پر صرف اطاعت رسول اللہ کی بات بیان ہوئی ہے جو اس بات کی شہادت ہے کہ دین تمام کا تمام اطاعت رسول اور اتباع رسول کا نام ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین رکھنے والوں کے لیے اسوۂ حسنہ ہے (''أُسْوَةٌ'' جس کی پیروی کی جائے۔ الاحزاب:۲۱) تو کیا یہ اسوۂ حسنہ اسوۂ کاملہ نہیں ہے؟ کیا سیدنا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع عقائد، معاملات اور اخلاق میں جو اقوال، افعال اور احوال کی صورت میں موجود ہیں، کی پیروی ضروری نہیں ہے؟ اگر ضروری نہیں ہے پھر آپ کی حیات طیبہ کا اسوۂ حسنہ ہونے کا کیا مطلب؟ اوّل اس لیے کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کی مکمل تفصیل قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ زیادہ تر تفصیل احادیث میں پائی جاتی ہے۔ احادیث سے بقول جاوید احمد غامدی صرف ظنی علم ہی حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ ظنی چیز دین نہیں ہوسکتی۔① دین میں اس سے کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ بھی نہیں ہوتا اور اس کی حفاظت اور اشاعت کا رسول اللہ نے اہتمام بھی نہیں کیا ہے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اس اسوۂ حسنہ کو معلوم کرنے کے ذرائع کیا ہیں؟ امتِ مسلمہ کے لیے تو یہ اسوۂ حسنہ قرآن مجید اور احادیث نبوی میں محفوظ ہے، مگر جاوید احمد غامدی کے لیے یہ کہیں موجود نہیں ہے۔

جاوید احمد غامدی کا اسلام:

① قرآن مجید ② سنت

بادی النظر میں اس بات سے کہ اسلام قرآن مجید اور سنت کا نام ہے، اختلاف کی جرأت کون کرسکتا ہے؟ مگر جب آپ جاوید احمد غامدی کی اس اصطلاح ''سنت'' کا مفہوم اُن سے معلوم کریں گے اور پھر ان سنتوں کی تعداد بھی معلوم کریں گے تب جا کر آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ سنت کی وہ اسلامی اصطلاح نہیں ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ، کبار صحابہ،

① جاوید غامدی لفظ ''ظن'' کو اُردو معنی میں لیتے ہیں، حالانکہ علمائے اصول کے مطابق ظن ''یقین'' کی قِسموں میں سے ایک ہے۔

تابعین، تبع تابعین، فقہاء، ائمہ اربعہ اور علمائے اسلام کے ذریعے امت مسلمہ تک متفقہ طور مشہور مفہوم کے ساتھ پہنچی ہے۔ پھر جب آپ سنتوں کی جاوید غامدی کی طرف سے تیار کردہ فہرست بھی بغور دیکھیں گے تو آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس ''سنت'' میں سیدنا رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل اور تقریر شامل نہیں ہے بلکہ یہ دراصل ابراہیمی روایات ہیں جن کی تجدید کر کے اور بعض اضافوں کے ساتھ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے امت کے سامنے دین کے طور پیش کیا ہے۔ اور جہاں تک احادیث نبوی کا تعلق ہے تو بقول جاوید غامدی ان سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا اضافہ نہیں ہوتا اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے ان کی حفاظت اور تبلیغ کا اہتمام کیا ہے۔ اس طرح اسلام اگر نام ہے تو قرآن مجید اور ۲۶ سنتوں (ابراہیمی روایات) کا۔[1] اور جاوید احمد غامدی وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ دین لاریب قرآن اور سنت (غامدی مفہوم اور تعداد کے ساتھ) ان ہی دو صورتوں کا نام ہے۔ احادیث دین کا حصہ نہیں ہیں یعنی دفتر بے وقعت ہے۔

یہاں ہم جاوید احمد غامدی کی طرف سے بیان کردہ ''سنت'' کا مفہوم اور فہرست نقل کریں گے، پھر سنت کے متعلق سلف صالحین کی جو تشریح ہم اختصار کے ساتھ نقل کر چکے ہیں اس کی مزید وضاحت کریں گے اور اس بات پر غور کریں گے کہ کیا احادیث کے بغیر قرآن مجید کے بنیادی احکام پر منشائے الٰہی کے مطابق عمل ہو سکتا ہے؟

جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

سنت کے لغوی معنی:

''لغت عربی میں سنت کے معنی پٹے ہوئے راستے کے ہیں۔''

[میزان طبع دسمبر ۲۰۰۹ء، ص : ۵۸]

---

[1] 26 سنتوں کے معنی یہ ہوئے کہ رسول اللہ کی 23 سالہ نبوی زندگی کے صرف 26 کام (افعال) ہی دین سے متعلق ہیں۔ اور یہ کہ کیا احادیث سے دین میں عقیدہ اور عمل کا اضافہ نہیں ہوتا ہے! کیا سنتوں کی تعداد صرف 26 ہے اور یہ کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے احادیث کی حفاظت اور تبلیغ کے لیے اہتمام نہیں کیا ہے!؟

سنت کے اصطلاحی معنی:

''سنت سے ''ہماری'' مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔''① [ایضاً، ص : ۱۴]

قرآن میں آپ کو ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے، یہ روایت بھی اسی کا حصہ ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [النحل : ۱۲۳]

''پھر ہم نے تمھیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔''②

اصل بحث:

سنت کا خود ساختہ مفہوم لینے کے لیے غامدی صاحب اوپر مذکور سورۃ النحل کی آیت (۱۲۳) پیش کرتے ہیں، مگر اس آیت سے غامدی صاحب نے جو استدلال کیا ہے وہ قرآن کی معنوی تحریف کے زمرے میں آتا ہے، کیونکہ:

① مذکورہ آیت میں بلاشبہ ملت ابراہیم یعنی دین ابراہیم کا ذکر آیا ہے، کیونکہ ملت کے معنی دین کے ہیں، مگر اس آیت سے دین ابراہیم کی روایت کیسے برآمد ہوگئی۔

---

❶ لفظ ''ہماری'' نے جاوید غامدی کو خود ہی علمائے حق کے دائرے سے باہر نکال دیا، کیونکہ الفاظ کے اصطلاحی معنی کسی کی ذاتی مراد سے متعین نہیں ہوتے۔ یہاں اُمت کے اکابر علماء صحابہ سے لے کر تا ایں دم کی تحقیقات کو پیش کرنا لازمی ہے، کسی کی ذاتی رائے اور مراد کو اس میں کچھ عمل دخل نہیں ہو سکتا۔

❷ ''وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ'' کے الفاظ خود ہی بتا رہے ہیں کہ ملت ابراہیمی سے مراد یہاں ''عقیدۂ توحید'' ہے جو انفرادی اور اجتماعی سطح پر جاری و نافذ ہونا چاہیے۔ دیکھیے سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول: ﴿وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ [یوسف : ۳۸] یہاں عملی سنت کا بیان ہی نہیں ہو رہا ہے۔

④ مذکورہ آیت میں بے شک نبی ﷺ کو ملت ابراہیم یعنی دین ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے مگر اس آیت میں یہ بات کہاں ہے کہ اس کی پیروی کرتے ہوئے نبی اس دین ابراہیم کی تجدید واصلاح بھی فرمائیں۔ اس میں اپنی طرف سے اضافے بھی کر دیں اور پھر جو کچھ تیار ہو جائے اسے اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرما دیں؟ یہ سارا مفہوم غامدی صاحب کے اپنے ذہن کی اُپج ہے جسے انھوں نے آیت کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ انھوں نے اپنے ذاتی خیالات کو قرآن مجید کی عبارت میں پڑھنے کی بہت بڑی مثال قائم کر دی ہے جو ٹھیک ٹھیک مذموم تفسیر بالرائے اور قرآن کی معنوی تحریف ہے۔ آیت میں مذکور لفظ ''ملت'' کے معنی دین اور مذہب کے ہیں۔ مشہور عربی لغت لسان العرب میں ہے:

"الملة الدين، كملة الإسلام و النصرانية و اليهودية."

ملت کے معنی دین کے ہیں، جیسے دین اسلام، نصرانیت کا دین، یہودیت کا دین۔

قرآن مجید میں بھی ملت کا لفظ دین اور مذہب کے معنوں میں آیا ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

﴿وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾

[البقرة : ١٢٠]

''اور یہودی اور عیسائی تجھ سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک تو اُن کا مذہب اختیار نہ کرے۔''

قوم شعیب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا﴾

[الأعراف : ٨٨، ٨٩]

''اس کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا: اے شعیب! ہم تمھیں اور ان لوگوں کو جو تمھارے ساتھ ایمان لائے ہیں، اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تمھیں ہمارے مذہب میں واپس آنا ہوگا۔ شعیب نے کہا: اگر ہم تمھارے مذہب سے بیزار ہوں کیا پھر بھی تمھاری بات مان لیں؟ ہم اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ہوں گے اگر ہم تمھارے مذہب میں لوٹ آئیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیں اسے بچا چکا ہے۔''

﴿قُلْ إِنَّنِي هَدٰنِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۚ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [الأنعام : ١٦١]

''کہہ دیجیے کہ میرے رب نے مجھے سیدھا راستہ بتا دیا ہے۔ وہی صحیح دین جو ابراہیم کا دین تھا جو کہ موحد تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔''

واضح ہوا کہ اس جگہ ''صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ'' کا بدل ہے ''دِينًا قِيَمًا'' اور اس کا بدل ہے ''مِّلَّةَ إِبْرٰهِيمَ'' اور تینوں کا مطلب ہے دین اسلام۔

﴿وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ إِبْرٰهٖمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ﴾ [البقرة : ١٣٠]

''اور ایسا کون ہے جو ابراہیم کے دین سے منہ موڑے سوائے اس شخص کے جس نے اپنے آپ کو احمق بنا لیا ہو۔''

مذکورہ آیات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ''مِلَّة'' کے معنی دین اور مذہب کے ہیں، مگر غامدی صاحب نے ''ملت ابراہیم'' کے معنی ابراہیم کا دین لینے کے بجائے اس کے معنی ''دین ابراہیمی کی روایت'' کر کے دوسروں کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح وہ جس آیت سے اپنی سنت (دین ابراہیمی کی روایت) کا مفہوم کشید کرتے ہیں اس میں سرے سے یہ معنی موجود ہی نہیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین تو ایک ہی تھا مگر شریعتیں الگ الگ تھیں، اس کی دلیل خود قرآن مجید میں ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾

[المائدة : ٤٨]

''ہم نے تم میں سے ہر امت کے لیے الگ شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا۔''

قرآن نے یہ حقیقت کئی مقامات پر واضح کی ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا ایک ہی دین تھا۔ ایک مقام پر ارشاد ہوا کہ سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی امت کے لیے وہی دین مقرر ہے جو سیدنا نوح، ابراہیم، موسیٰ، اور عیسیٰ علیہم السلام کا دین تھا اور اسی دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾

[الشوریٰ : ١٣]

''اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور اے نبی! اسی دین کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اور اسی پر چلنے کا حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔''

ایک اور مقام پر اٹھارہ انبیائے سابقین نوح، ابراہیم، اسحٰق، اسمٰعیل، یعقوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، داوٗد، سلیمان، ایوب، زکریا، یحییٰ، الیاس، الیسع، یونس، لوط اور عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر کر کے نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ان کی ہدایت یعنی دین کی پیروی کریں۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ [الأنعام : ٨٩، ٩٠]

''یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب دی، حکومت بخشی اور نبوت عطا کی۔ اب اگر

یہ لوگ (قریش مکہ) ہماری نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں تو ہم نے ان کے بجائے ایسے لوگ مقرر کر دیے ہیں جو ان نعمتوں کی ناشکری کرنے والے نہیں ہیں۔ (اے نبی!) پہلے نبیوں کو بھی اللہ نے ہدایت بخشی، لہٰذا آپ بھی ان کی ہدایت (دین) کی پیروی کریں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ صرف ابراہیم علیہ السلام کی دین کی پیروی کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی ہدایت اور دین کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ سب کا دین ایک ہی ہے اور وہ اسلام ہے جو سراپائے ہدایت ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح اور سچا دین بھی صرف اسلام ہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ [آل عمران : ۱۹]

"بے شک اللہ کے نزدیک (سچا) دین صرف اسلام ہے۔"

بلکہ یہاں تک فرمایا کہ آخرت میں صرف دین اسلام مقبول دین ہوگا اور اس کے سوا کوئی اور دین مقبول نہ ہوگا۔

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [آل عمران : ۸۵]

"اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے دین کو ہرگز قبول نہ کرے گا اور وہ شخص آخرت میں گھاٹے میں رہے گا۔"

تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین اسلام رہا اور سب کی تعلیمات میں درج ذیل امور مشترک تھے: وجود باری تعالیٰ، عقیدۂ توحید، عقیدۂ نبوت ورسالت، عقیدۂ آخرت، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کُتب پر ایمان، ایک اللہ کی عبادت (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی وغیرہ)۔ حقوق العباد (جیسے والدین سے حسن سلوک) اور اچھے اخلاق (جیسے سچ بولنا، جھوٹ نہ بولنا وغیرہ)۔ گویا سب کے ہاں اسلام کے بنیادی عقائد واعمال یکساں تھے، لیکن سب کی شریعتیں جدا جدا تھیں، حتیٰ کہ قبلہ تک مختلف تھا جس کی طرف نماز پڑھنے سے ان کی نماز

درست ہو سکتی تھی۔[البقرۃ : ۱۴۸]

ان تمام تصریحات کے بعد یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ سورۃ النحل کی مذکورہ آیت میں سیدنا محمد ﷺ کو جس دین ابراہیمی کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ وہی دین ہے جو تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا مشترکہ دین ہے۔ اس میں صرف دین ابراہیمی کی خصوصیت یا تخصیص نہیں ہے، کیونکہ قرآن میں دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر کر کے ان کی ہدایت اور دین کی اقتدا اور پیروی کرنے کا حکم بھی نبی کریم ﷺ کو دیا گیا ہے۔ مگر غامدی صاحب دین ابراہیمی کو جو تمام انبیائے کرام کا دین ہے، اس کو پہلے دین ابراہیمی کی روایت کا نام دیتے ہیں اور پھر اسے سنت قرار دیتے ہیں۔[1] (پھر اس کی تعداد ۲۶ بتاتے ہیں)

سنت کے غامدی معنی معلوم کرنے کے بعد اب ان (۲۶ سنتوں) کی فہرست ملاحظہ کیجیے:

عبادات:

① نماز۔ ② زکوۃ اور صدقۂ فطر۔ ③ روزہ واعتکاف۔ ④ حج وعمرہ۔ ⑤ قربانی اور ایام تشریق کی تکبیر۔

معاشرت:

⑥ نکاح وطلاق اور ان کے متعلقات۔

⑦ حیض ونفاس میں زن وشو کے تعلق سے اجتناب۔

خورونوش:

⑧ سور، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت۔

⑨ اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ۔

رسوم وآداب:

⑩ اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔

---

[1] فتنہ غامدیت کا علمی محاسبہ از پروفیسر مولانا محمد رفیق، ص: ۱۳۱ تا ۱۳۷۔

⑪ ملاقات کے موقع پر اسلام علیکم اور اس کا جواب۔

⑫ چھینک آنے پر الحمد للہ اس کے جواب میں یرحمک اللہ۔

⑬ مونچھیں چھوٹی رکھنا۔

⑭ زیر ناف بال کاٹنا۔

⑮ بغل کے بال صاف کرنا۔

⑯ بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔

⑰ لڑکوں کا ختنہ کرنا۔

⑱ ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔

⑲ استنجا۔

⑳ حیض و نفاس کے بعد غسل۔

㉑ غسل جنابت۔

㉒ میت کا غسل

㉓ تجہیز و تکفین۔

㉔ تدفین۔

㉕ عیدالفطر۔

㉖ عیدالاضحیٰ۔

سنت یہی ہے:

سنت یہی ہے، اس کے بارے میں بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔[1] وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قومی تواتر سے ملا

[1] عجیب بات ہے ''رسوم وآداب'' عنوان کے تحت جتنی باتیں بھی مذکور ہوئیں یہ ذخیرہ احادیث ہی میں موجود ہیں، ان کو قرآن کے مساوی کس بنیاد پر قرار دیا اور دوسری بے شمار باتیں جو اس ذخیرۂ احادیث میں موجود ہیں، ان کو ''سنت'' سے باہر کس بنیاد پر قرار دیا۔

ہے اسی طرح یہ بھی ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں مسلمانوں کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں اب کسی بحث ونزاع کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دین لاریب انھی دوصورتوں (قرآن اور ۲۶ سنن) میں ہے۔ ان کے علاوہ کوئی چیز دین ہے نہ اسے دین قرار دیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کے اخبار آحاد جنھیں بالعموم ''حدیث'' کہا جاتا ہے ان کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ کبھی درجہ یقین کو نہیں پہنچتا، اس لیے دین میں ان سے کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ بھی نہیں ہوتا۔

[میزان، طبع پنجم دسمبر ۲۰۰۹ء، ص: ۱۳ تا ۱۵ لاہور]

مزید بحث سے پہلے یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ دین کے اس غامدی پیکج میں ظاہر ہے اب کسی بحث ونزاع کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے اس میں کسی بھی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کسی قسم کی اس میں کمی وبیشی ہوسکتی ہے، کیونکہ اس میں تغیر وتبدل اور کمی وبیشی کرنے کے سارے حقوق جاوید احمد غامدی کے لیے محفوظ ہیں وہ جب چاہیں جس طرح چاہیں اس پیکج میں کمی وبیشی کر سکتے ہیں۔

مئی ۱۹۹۸ء میں جاوید احمد غامدی نے جو ''دین کی فہرست'' لوگوں کے لیے جاری فرمائی تھی اس میں ۲۶ نہیں ۴۰ امور شامل تھے۔ (دیکھیے ماہنامہ اشراق، شمارہ مئی ۱۹۹۸ء۔ ص: ۳۵) دین میں کیا چیز شامل ہے اور کیا چیز شامل نہیں ہے اور اس میں ناسخ ومنسوخ کا تعین بھی صرف ایک نبی ہی کر سکتا ہے۔ جاوید احمد غامدی نے ابھی تک نبوت کا دعویٰ تو نہیں کیا ہے مگر بات وہ نبی کی زبان ہی سے کرتے ہیں۔ ان کا لب ولہجہ دیکھیے! قرآن مجید اور ۲۶ سنتوں کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''دین لاریب انھی دوصورتوں میں ہے، ان کے علاوہ کوئی چیز دین ہے اور نہ اسے دین قرار دیا جا سکتا ہے۔'' [میزان، ص: ۱۵]

تاریخ میں ہمیں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان، سیدنا علی رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ، سعید بن مسیّب، قاسم بن محمد، عروہ بن زبیر، سلیمان بن

یسار رحمۃ اللہ جیسے فقہاء یا امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ جیسے ائمہ نے دین کے بارے میں اس لب ولہجہ میں بات کی ہو۔ کبھی وہ (غامدی صاحب) داڑھی کو دین میں شامل قرار دیں گے، پھر ''وحی'' کے ذریعے ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ داڑھی دین میں شامل نہیں ہے تو اس کو دین سے خارج کر دیں گے۔ پہلے ''دین کی فہرست'' چالیس (۴۰) امور پر مشتمل تھی، پھر ۲۰۰۲ء میں جاوید احمد غامدی نے ۴۰ امور پر مشتمل اس فہرست میں ظاہر ہے لوگوں کی سہولت کے لیے ہی ایسا کیا ہوگا یا پھر اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے ترمیم کر کے صرف چھبیس (۲۶) امور کو ہی دین قرار دے دیا۔ پھر مئی ۲۰۰۸ء میں اس فہرست میں دوبارہ ترمیم کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ ہر وقت ''فہرست دین'' جاری کرتے وقت یہی بات کہی جاتی ہے کہ ''سنت یہی ہے اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔''

نوٹ: ان تینوں فہرستوں کے لیے پروفیسر مولانا محمد رفیق کی کتاب ''فتنہ غامدیت کا علمی محاسبہ ص ۳۸۶ تا ۳۹۰ کی طرف رجوع کریں۔

''مسلمہ اصطلاحات کے مفہوم میں تبدیلی'' ان کا انکار ہے۔ جو شرعی اصطلاحیں ہیں وہ آج کی بنی ہوئی نہیں ہیں، بلکہ وہ خود صاحب شریعت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان رسالت سے، جو وحی الٰہی کی مظہر ہے، نکلی ہوئی ہیں اور ان کا مفہوم ومطلب بھی عہد رسالت سے اب تک معروف ومسلم چلا آرہا ہے۔ جیسے صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور ختم نبوت وغیرہ کا مفہوم و مطلب ہے۔ آج اگر کوئی شخص یہ کہے کہ صلوٰۃ کا وہ مفہوم نہیں ہے جو آج تک مسلمان سمجھتے اور اس کے مطابق عمل کرتے آرہے ہیں اور وہ غلط ہے، بلکہ صلوٰۃ کا مطلب پانچ وقت کی نمازیں نہیں ہے بلکہ یہ ہے (نظام ربوبیت کی یاد دہانی)۔ اسی طرح زکوٰۃ کا مطلب بھی یہ نہیں ہے جو چودہ سو سال سے مسلم چلا آرہا ہے بلکہ اس کا مطلب تو حکومت کا اپنی رعایا کی معاشی ضروریات کا پورا کرنا ہے۔ یاد رہے کہ یہ مفروضے نہیں بلکہ غلام احمد پرویز اور اُن کی فکر کے وارث یہی کچھ کہتے ہیں جو عرض کیا گیا ہے۔ اسی طرح ختم نبوت کی اصطلاح ہے۔

مرزائی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، بلکہ اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مہر کے بغیر کوئی نبی نہیں آسکتا اور مرزا صاحب پر آپ کی مہر لگی ہوئی ہے، اس لیے مرزائے قادیان بھی (نعوذ باللہ) سچا نبی ہے۔ ذرا سوچیے کہ ان مذکورہ شرعی اصطلاحات کی نئی تعبیر کرنے والے کیا صلوٰۃ، زکوٰۃ اور ختم نبوت کے ماننے والے کہلائیں گے یا ان کے منکر؟ ظاہر بات ہے کہ کوئی باشعور مسلمان ایسے لوگوں کو ان مسلماتِ اسلامیہ کا ماننے والا نہیں کہے گا بلکہ یہی کہے گا کہ یہ نماز کے بھی منکر ہیں، زکوٰۃ کے بھی منکر ہیں اور ختم نبوت کے بھی منکر ہیں۔

سنت اور حدیث اہل سنت کی مسلمہ اصطلاح ہے:

اسی طرح سنت یا حدیث بھی شرعی اصطلاح ہے۔ علاوہ ازیں یہ صحابہ وتابعین (سلف) اور محدثین کے نزدیک ایک ہی چیز ہے۔ اس کا مفہوم اور مصداق بھی چودہ سو سال سے مسلم چلا آرہا ہے۔ اس کو جو اس کے مسلمہ مفہوم ومصداق کے مطابق مانے گا وہ اس کو ماننے والا تسلیم کیا جائے گا اور جو یہ کہے گا کہ میرے نزدیک سنت کا یہ مفہوم ہے اور حدیث کا یہ مفہوم ہے اور وہ مفہوم اس کا خود ساختہ اور مسلمہ مفہوم کے یکسر خلاف ہو تو وہ حدیث وسنت کا ماننے والا نہیں کہلایا جاسکتا چاہے زبان سے وہ حدیث وسنت کو ماننے کا ہزار مرتبہ بھی دعویٰ کرے۔ جیسے مرزائی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ختم نبوت کے قائل ہیں، لیکن وہ منکر ہی کہلائیں گے، کیوں کہ وہ ختم نبوت کا وہ مفہوم نہیں مانتے جو مسلمہ ہے، بلکہ خود ساختہ مفہوم کی روشنی میں مانتے ہیں۔

حدیث رسول سے انحراف کا آغاز:

اس دور کے جن لوگوں نے حدیث رسول کی تشریعی حیثیت کو دل سے تسلیم نہیں کیا اور وہ اس کے ماخذ شریعت ہونے کو مشکوک ٹھہرانے کی مذموم سعی کر رہے ہیں، انھوں نے حدیث اور سنت کے مفہوم (اصطلاحی) میں فرق کیا ہے۔ اس لیے کہ اس کے بغیر ان کے

لیے حدیث رسول سے واضح الفاظ میں انکار کرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ چاہتے ہیں یا اپنے زعم باطل میں مسلمان عوام کو اس مغالطے میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں کہ وہ منکر حدیث نہیں ہیں۔ دراں حالیکہ ان کی ساری کاوشوں کا محور ومرکز حدیثِ رسول اور اطاعت رسول کا انکار ہے۔

ان کے خیال میں سنت سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اعمال وعادات ہیں اور حدیث سے مراد اقوال رسول ﷺ۔ بعض لوگوں نے اس سے بھی تجاوز کر کے یہ کہا کہ آپ کے اعمال وعادات عرب کے ماحول کی پیداوار تھیں اس لیے ان کا اتباع ضروری نہیں، صرف آپ کے اقوال قابل اتباع ہیں۔

ایک تیسرے گروہ نے اس کے برعکس یہ کہا کہ آپ کے اقوال پر عمل ضروری نہیں، جسے وہ حدیث سے تعبیر کرتے ہیں۔ تاہم آپ کے اعمال مستمرہ (دائمی اعمال) قابل عمل ہیں۔ اسے وہ سنت کہتے ہیں، اور ایک چوتھا گروہ ہے۔ اس نے کہا: سنت دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی نے اس کی تجدید واصلاح کے بعد اس میں بعض اضافوں کے ساتھ دین کی حیثیت سے جاری فرمایا۔ گویا سنت وحدیث ان مذہبی مسخروں اور بہروپیوں کے نزدیک کوئی دینی اصطلاح نہیں ہے بلکہ بازیچۂ اطفال ہے یا موم کی ناک ہے جسے جس طرح چاہو استعمال کرلو اور جس طرف چاہو موڑ لو۔''①

جاوید احمد غامدی صاف الفاظ میں احادیث نبوی کو شرعی ماخذ ماننے سے یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ ان سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ نہیں ہوتا اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی حفاظت اور تبلیغ کا کوئی اہتمام نہیں کیا ہے۔ پھر وہ حدیث اور سنت میں فرق کر کے سنت کو دین کا ماخذ مانتے ہیں مگر جو مفہوم وہ سنت کا بیان کرتے ہیں وہ اس سنت کے مسلمہ مفہوم سے بالکل مختلف ہے جو ائمہ سلف وخلف سے آج تک معلوم ومعمول ہے۔ اس طرح وہ سنت کے بھی منکر ہوئے۔

چونکہ برصغیر میں منکرین حدیث وسنت کی ہمیشہ جید اور مستند علماء نے تکفیر کی ہے اس لیے اس تکفیر کی زد سے بچنے کے لیے انھوں نے قرآن کے ساتھ ۲۶ سنتوں کا ایک چھوٹا سا

① فتنہ غامدیت از حافظ صلاح الدین یوسف، ص: ۲۶ تا ۳۰۔

پیکج بھی لوگوں کے لیے پیش کیا ہے۔ اس کو آپ جاوید احمد غامدی کی شعبدہ بازی کہہ سکتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ بدنام منکر حدیث غلام احمد پرویز کا ہی سایہ ہیں۔

ائمہ سلف وخلف اور سنت کے معانی:

لغت میں سنت کا اطلاق سیرت اور طریقہ پر ہوتا ہے خواہ اچھا ہو یا برا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس شخص نے اسلام میں کسی سنت حسنہ (اچھے طریقے) کی بنیاد ڈالی، پھر اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا، تو جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کے اجر کے مثل اس کے لیے بھی اجر لکھا جائے گا اور ان لوگوں کے اجر میں سے کچھ کم نہ ہوگا۔ اور جس شخص نے اسلام میں کسی بُرے طریقے (سنت سیئہ) کی بنیاد ڈالی اور اس پر اس کے بعد بھی عمل کیا گیا تو عمل کرنے والوں کے بار گناہ کے مثل اس کے لیے بھی بار گناہ لکھا جائے گا اور ان لوگوں سے بار گناہ سے کچھ کم نہ ہوگا۔ (مسلم)

قرآن مجید میں لفظ سنت کا استعمال طریقہ کے معنی میں ہوا ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''سنت اللہ کی حکمت کے طریقے کو کہتے ہیں۔''

﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾

[الفتح : ٢٣]

احناف کے نزدیک سنت کے معانی:

کمال بن ہمام فرماتے ہیں: ''السنة ما واظب صلى الله عليه وسلم على فعله مع ترك بلا عذر'' یعنی سنت اس فعل کو کہتے ہیں جسے نبی اکرم ﷺ نے پابندی کے ساتھ کیا ہو، البتہ کبھی کبھی بغیر عذر کے اسے چھوڑ بھی دیا ہو۔

مالکیہ کے نزدیک سنت کے معانی:

سنت کے معنی سے متعلق مالکیہ کے دو طریقے ہیں: مغاربہ (اہل مغرب) کا طریقہ اور بغدادیوں (عراقیوں) کا طریقہ۔

مغاربہ کے نزدیک سنت کی تعریف:

مغاربہ کے نزدیک سنت کی تعریف یہ ہے کہ ایسا فعل جس کے کرنے پر ثواب ملے اور چھوڑنے پر کوئی سزا نہ ملے۔ بعض اسے مندوب کہتے ہیں اور ابن رشد اسے مستحب کہتے ہیں۔

بغدادی کے نزدیک سنت کی تعریف:

بغداد کے مالکی فقہاء کے نزدیک سنت کی تعریف یہ ہے: "الفعل المطلوب طلبا غير جازم." "وہ فعل جس کے کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہو لیکن مطالبہ غیر حتمی ہو۔" یعنی اس فعل کے انجام دینے پر زور نہ دیا گیا ہو۔

شوافع کے نزدیک سنت کے معنی:

اکثر شوافع (اور فقہی معنی کے اعتبار سے جمہور علمائے اصول) کے نزدیک سنت، مندوب، مستحب، تطوع، مرغب فیہ اور بعض کے نزدیک حسن، سب مترادف الفاظ ہیں۔ اور ان کے نزدیک سب کے ایک معنی ہے: "الفعل المطلوب طلبا غير جازم." "وہ فعل جس کے کرنے کا مطالبہ کیا جائے لیکن یہ مطالبہ حتمی نہ ہو۔" یعنی اس کے کرنے پر زور نہ دیا جائے۔ یہ بہت جامع و مانع تعریف ہے۔

حنابلہ کے نزدیک سنت کے معنی:

فقہائے حنابلہ سنت کے مفہوم کے لیے دو اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں:

اوّل: سنت وہ فعل ہے جس کے کرنے پر ثواب ملے اور چھوڑنے پر کوئی سزا نہ ملے۔ اس کے مترادف درج ذیل اصطلاحیں بھی ہیں: مندوب، تطوع، اطاعت و نفل، قربت، مرغب فیہ، احسان، فضیلت اور افضل۔

دوم: یہ بھی مندوب کی ایک قسم ہے جس کی تشریح اوپر گزر چکی ہے۔ اس اصطلاح میں اس کے تین درجے ہیں: اوّل سنت، یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ دوم فضیلت۔ اور سوم نافلہ۔

اصول فقہ میں سنت کے معنی:

علمائے اصول کی اصطلاح میں سنت احکام شرعیہ کے اصول میں سے ایک اصل اور اس کے ماخذ میں سے ایک اہم ماخذ ہے جو درجہ میں قرآن کریم کے بعد ہے۔

عضد الدین ایجی نے اس کی تعریف یہ کی ہے: "ماصدر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر القرآن من فعل او قول او تقریر." یعنی سنت اس چیز کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی ذات سے قرآن کے علاوہ صادر ہوئی ہو، خواہ وہ فعل ہو یا قول یا تقریر (سکوت)۔

امام بیضاوی اور سنت کے معنی:

"ھوما یحمد فاعلہ ولا یذم تارکہ." یعنی وہ فعل جس کے کرنے والے کی تعریف کی جائے اور چھوڑنے والے کی مذمت نہ کی جائے۔

تقی الدین سبکی اور سنت کے معنی:

سنت ایک اصطلاح ہے، وہ یہ ہے کہ ہر وہ فعل جس کا واجب یا مندوب ہونا نبی ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہو۔

کمال بن ہمام اور سنت کے معنی:

سنت کی تعریف یہ ہے کہ اس سے مراد وہ دینی طریق ہے جو رسول اللہ ﷺ یا خلفائے راشدین یا ان میں سے کسی سے ثابت ہو۔ اور اس فعل کے کرنے کا مطالبہ ہو لیکن فرض یا واجب نہ ہو۔

شوکانی اور سنت کے معنی:

"سنت کا اطلاق بدعت کے بالمقابل بھی ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں سنت میں سے ہے۔ اس طرح جب کوئی شخص نبی ﷺ کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے کوئی کام کرتا ہے خواہ

وہ قرآن میں منصوص ہو یا نہ ہو تو کہا جاتا ہے فلاں سنت پر ہے۔ اور جب کوئی اس کے خلاف کرتا ہے تو کہا جاتا ہے فلاں بدعت پر ہے۔" [حجیت سنت از شیخ عبدالغنی محمد عبدالخالق، ص: ۴۹ تا ۶۸]

سنت کے نبوی معنی:

« فعليكم بسنتي وسنة خلفاء الراشدين المهدين عضوا عليها بالنواجز » [مسند أحمد]

"میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو اختیار کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔"

سیدنا رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام، ائمہ اربعہ اور فقہائے اسلام کی ان سنت کے متعلق تشریحات کو سامنے رکھتے ہوئے ایک نظر جاوید احمد غامدی کی خود ساختہ تشریح پر بھی ڈالیے:

"سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی نے اس کی تجدید واصلاح کے بعد اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔" [میزان، ص: ۱۴]

اوپر مذکور تشریحات سے سنت کا جو مسلمہ مفہوم سامنے آیا ہے وہی ۱۴۳۷ء سال سے امت میں متفق علیہ ہے۔ مگر جاوید احمد غامدی اس مفہوم سے مکمل طور پر انحراف کرتے ہیں، بلکہ سنت کا خود ساختہ مفہوم بیان کرتے ہیں اور پھر سنتوں کی تعداد (۲۶) بھی مقرر کرتے ہیں۔ یعنی باقی سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں رسول اللہ کی سنتیں بھی احادیث کی طرح خارج از دین قرار پائیں۔

جاوید احمد غامدی جو الزام ڈاکٹر اسرار مرحوم پر لگاتے ہیں وہ الزام خود ان پر بھی تو لگتا ہے۔ جاوید احمد غامدی ڈاکٹر اسرار مرحوم پر حزب اللہ کے لیے فدائین اصطلاح استعمال کرنے پر مندرجہ ذیل الفاظ میں نقد وتبصرہ کرتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب اپنی کارگہ اوہام کی تخلیق اس "حزب اللہ" کے لیے یہ "فدائین"

کی اصطلاح جو بار بار استعمال کر رہے ہیں یہ قرآن وحدیث بلکہ اس امت میں دعوت وعزیمت کی پوری تاریخ کے لیے ایک بالکل اجنبی چیز ہے۔''

[برہان، ص: ۲۷۲]

ہم جاوید احمد غامدی سے اُن ہی کے الفاظ میں پوچھتے ہیں، وہ بھی قرآن مجید اور حدیث اور اس امت میں سلف صالحین کی سنت کی تشریح سے سنت کے اس معنی ''سنت دین ابراہیمی روایت ہے'' کے بارے میں کوئی شہادت پیش کریں؟ سنت کی پوری تاریخ کے لیے یہ آپ کی تشریح بالکل اجنبی چیز تو نہیں ہے؟

اسلامی اصطلاح کے مسلمہ مفہوم سے انحراف کرنا خود اس اصطلاح ہی کے انحراف کے مترادف ہے۔ اس بارے میں ہم یہاں جاوید احمد غامدی کے امام استاذ مولانا امین احسن اصلاحی کی ایک اہم عبارت نقل کرتے ہیں:

''منکرین حدیث کی یہ جسارت کہ وہ صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ اور عمرہ وقربانی کا مفہوم بھی اپنے جی سے بیان کرتے ہیں اور امت کے تواتر نے ان کی جو شکل ہم تک منتقل کی ہے اس میں ہوائے نفس کے مطابق ترمیم وتغیر کرنا چاہتے ہیں، صریحاً خود قرآن مجید کے انکار کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ جس تواتر نے ہم تک قرآن کو منتقل کیا ہے اسی تواتر نے ان اصطلاحات کی عملی صورتوں کو بھی ہم تک منتقل کیا ہے۔ اگر وہ اُن کو نہیں مانتے تو پھر خود قرآن کو ماننے کے لیے بھی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ اصطلاحات کے معاملے میں تنہا لغت پر اعتماد بھی ایک بالکل غلط چیز ہے۔'' [مقدمہ تدبر قرآن، ج اوّل]

جاوید احمد غامدی کی یہ جسارت ''سنت سے ہماری مراد'' غور طلب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی اصطلاحات اور اُن کے مسلمہ مفہومات کے متعلق یہ طرز عمل امت کے لیے قابل قبول ہوسکتا ہے؟ ۱۴۲۷ء سال بعد اگر آج کوئی شخص کسی اسلامی اصطلاح کے ایسے معنی بیان کرتا ہے جو آج تک علمائے سلف وخلف میں کسی نے بیان نہیں کیے ہیں اور وہ بھی اس

شدت کے ساتھ کہ ان سنتوں کی تعداد ۲۶ ہے اور قرآن کے ساتھ صرف اور صرف یہی دین ہے اس کے علاوہ دین کوئی چیز نہیں ہوسکتی، اور یہ شخص اس معنی اور تعداد کے متعلق صحابہ کبار، تابعین، تبع تابعین، فقہائے سبعہ، ائمہ اربعہ اور علمائے سلف وخلف کی آراء سے ایک بات بھی اپنی تائید میں پیش نہ کرتا ہو، کیا اس انحراف کو کھلی گمراہی کے علاوہ بھی کچھ کہا جا سکتا ہے؟

جہاں تک مسلمہ اسلامی اصطلاحات کے معنی ومفہوم کا تعلق ہے اس بارے میں نئی تحقیق اور نئی تشریح کے لیے اب کوئی گنجائش نہیں ہے، خواہ مدعی مجدد وقت ہی کیوں نہ ہو۔ اس بارے میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان بے حد اہم ہے:

> ''ہم اقتدا کرنے والے ہیں نہ کہ ابتدا کرنے والے۔ ہم اتباع کرنے والے ہیں نہ کہ ابتداع کرنے والے۔ اور ہم ہرگز نہیں بھٹکیں گے جب تک اثر کو مضبوطی سے تھام کر رہیں۔''

اب جہاں ''ہماری مراد'' کہنے والے کی علمی قابلیت یہ ہو کہ پانچویں جماعت تک عربی پڑھی ہو، پھر بی۔ اے آنرز کیے ہوں اور بازار سے کتابیں خرید خرید کر پڑھی ہوں، اُن کی اس نئی تحقیق اور نئی تشریح کو صرف ضلالت اور بدعت جان کر المردود (المورد) قرار دیا جائے۔

ہم یہ بات پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ جاوید احمد غامدی منکر حدیث وسنت کے تمام گمراہ کن نظریات باہم مربوط ہیں اور وہ جب کسی قرآنی آیت کی معنوی تحریف کرتے ہیں یا حدیث نبوی اور مسلمہ اسلامی اصطلاح کا خود ساختہ مفہوم بیان کرتے ہیں تو ہمیشہ ان کے زیر نظر وہ منصوبہ ہوتا ہے جس کے لیے وہ بنیادی طور پر کام کر رہے ہیں۔ ان کا پہلا اور آخری ہدف سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی آفاقی اور ابدی رسالت اور آپ کی تشریعی حیثیت ہے۔ کیونکہ عالم اسلام اور عالم کفر بالخصوص یہود ونصاریٰ اور ہنود کے درمیان سیدنا رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر اور عالمگیر رسالت ہی نکتہ نزاع ہے، نہ کہ اللہ اور آخرت پر یقین کا مسئلہ۔ یہود ونصاریٰ کے ساتھ عالم اسلام کے اختلاف کی بنیاد یہی ہے کہ وہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا آخری رسول نہیں مانتے اور چونکہ دونوں اپنے آپ کو ملت ابراہیم کی

طرف منسوب کرتے ہیں اس لیے ان کے ساتھ مصالحت پیدا کرنے کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ان کے سامنے اسلام کو ''دینِ ابراہیم'' (ابراہیمی روایت) کی تجدیدی شکل کے طور پر اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو ''مجدد'' کے طور پر پیش کیا جائے اور وہ اس ''مجدد'' پر ایمان لانے کے پابند نہیں ہیں۔ مجوسیوں اور ہندوؤں کے ساتھ بھی عالم اسلام کا اختلاف اللہ اور آخرت پر یقین کے حوالے سے نہیں ہے، یہ دونوں باتیں ہر مذہب میں کسی نہ کسی صورت میں پائی جاتی ہیں، ان کے ساتھ بھی اختلاف سیدنا رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر اور عالمگیر رسالت کو لے کر ہے۔ وہ جب نہ کافر ہیں اور نہ ہی مشرک اور اللہ اور آخرت پر یقین کے ساتھ جنت کے حق دار ہیں تو ان کے ساتھ بھی مصالحت کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح ''وحدت ادیان'' کے لیے زمین ہموار کرنے اور فضا سازگار بنانے میں جو بنیادی رکاوٹ ''ایمان بالرسالت محمدیہ'' تھی، وہ ختم ہو جاتی ہے۔ ''فلسفہ وحدت ادیان'' کے لیے مسلمانوں کو تیار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اُن کو قرآن مجید کی آیات سے مطمئن کیا جائے۔ اس کے لیے وحدت ادیان کے علم بردار منحرفین کو قرآن مجید کی معنوی تحریف کرنے کی ضرورت تھی اور ظاہر بات ہے انکار حدیث کے بغیر قرآن مجید کی معنوی تحریف نہیں کی جاسکتی اس لیے جاوید احمد غامدی نے بھی وحدت ادیان کو مقبول بنانے میں قائم دوسری رکاوٹ احادیث نبوی کی تشریعی حیثیت کا انکار کر دیا۔

احادیث نبوی سے متعلق جاوید احمد غامدی کے نظریات:

اب ہم احادیث نبوی کے متعلق جاوید احمد غامدی کا گمراہ کن نظریہ پیش کریں گے، اس کو قبول کرنے کی صورت میں حدیث نبوی تو دور خود قرآن مجید کے بنیادی احکامات پر منشائے الٰہی اور تعلیم نبوی کے مطابق عمل کرنے کے امکانات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کی روایتیں جو زیادہ تر اخبار آحاد

کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں اور جنھیں اصطلاح میں حدیث کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں دو باتیں ایسی واضح ہیں کہ کوئی صاحب علم انھیں ماننے سے انکار نہیں کر سکتا: ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے لیے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا۔ (ایک خطبہ حجۃ الوداع کے متعلق البتہ کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے دوسروں تک پہنچانے کی ہدایت فرمائی تھی، لیکن اس کے علاوہ کسی چیز کے بارے میں اس نوعیت کی کوئی چیز تاریخ کے کسی مستند ماخذ میں مذکور نہیں)۔ دوسری یہ کہ ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ کبھی علم یقین کے درجے تک نہیں پہنچتا۔ حدیث سے متعلق یہی دو حقائق ہیں جن کی بنا پر یہ ماننا تو ناگزیر ہے کہ اس سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔"

[میزان: ص ۶۸، طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور]

ہم یہاں یہ بیان کریں گے کہ حدیث نبوی قرآن مجید کی طرح دین کا بنیادی ماخذ ہے اور یہ کہ اس سے دین میں عقیدہ وعمل کا اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہم اس کی حفاظت اور اشاعت پر تفصیلی بات کریں گے۔

کیا قرآنی احکام پر حدیث کے بغیر عمل ہو سکتا ہے؟

صلوٰۃ (نماز):

اسلام میں ایمان کے بعد سب سے اہم عبادت اقامت صلوٰۃ ہے، مگر سوال یہ ہے کہ "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" کا جو حکم قرآن مجید میں ہے اس میں "الصَّلٰوۃَ" کے کیا معانی ہیں؟ بہت لوگوں نے اس کے کئی معانی بیان کیے ہیں:

① دعا و تسبیح۔

② درودِ رحمت۔

③ کولہوں کو ہلانا۔

④ پریڈ۔

⑤ نظام ربوبیت۔

قرآن مجید میں بھی لفظ "الصَّلٰوۃَ" کئی معانی کے لیے استعمال ہوا ہے:

① دعا۔ [التوبة : ١٠٣]

② نماز جنازہ۔ [التوبة : ٨٤]

③ دین/عبادت۔ [هود : ٨٧]

④ رحمت/درود۔ [الأحزاب : ٥٦]

⑤ انزال رحمت الٰہی۔ [الأحزاب : ٤٣]

قرآن مجید میں صلوٰۃ کی شرائط وارکان جو بیان ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

① طہارت، چہرے اور کہنیوں تک ہاتھ دھونا اور اپنے سروں کا مسح کرنا اور ٹخنوں تک دونوں پاؤں دھونا۔ (المائدہ: ٦) یعنی صرف چار اعضاء دھونا۔

② دوام، ہمیشہ نماز پڑھنا۔ [المعارج : ٢٢، ٢٣]

③ محافظت، شرائط، ارکان، فرائض اور سنن کی پابندی۔ [البقرة : ٢٣٨]

④ قیام، قیام کرنا۔ [البقرة : ٢٣٨]

⑤ استقبال قبلہ، مسجد حرام کی طرف رخ کرنا۔ [البقرة : ١٤٤]

⑥ قراءت، قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ [المزمل : ٤]

⑦ رکوع وسجود، رکوع کرنا اور سجدہ کرنا۔ [الحج : ٧٧]

⑧ اخلاص، خلوص نیت۔ [الأنعام : ١٦٢]

⑨ قنوت، (ادب) اعضاء کو سکون کے ساتھ رکھنا۔ [البقرہ : ٢٣٨]

⑩ خشوع، قلبی یکسوئی۔ [المؤمنون : ١، ٢]

''صلوٰۃ'' کے متعلق یہ شرائط، ارکان اور فرائض قرآن میں بیان ہوئے ہیں، مگر اس تعلیم کے باوجود بھی نہ تو مکمل وضو کی صورت کا اور نہ ہی صلوٰۃ کی جامع کیفیت کا تعین ہو سکتا ہے۔

وضو میں کلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، ناک جھاڑنا، داڑھی کا خلال کرنا، انگلیوں کا خلال کرنا اور کانوں کا مسح کرنا بھی شامل ہے اور سب سے اہم یہ کہ وضو کی شروعات بسم اللہ پڑھ کر کی جاتی ہے۔

اسی طرح ہم جو نماز پڑھتے ہیں اس کی جامع صورت یہ بنتی ہے: قرآن مجید اور احادیث نبوی کے مطابق صحیح طریقے سے وضو کرنے کے بعد نماز کی نیت کر کے پاک جگہ پر پاک لباس کے ساتھ قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا، پھر کندھوں یا کانوں کی لو کے برابر ہاتھ اٹھانا اور اللہ اکبر کہنا، پھر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھ لینا یا ناف کے اوپر یا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا، پھر دعائے استفتاح پڑھنا۔ اس کے بعد سورۂ فاتحہ اور کچھ آیات کی تلاوت کرنا۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہہ کر رفع الیدین کرتے ہوئے رکوع کرنا یا رفع

الیدین نہ کرنا، رکوع میں کم سے کم تین مرتبہ "سبحان ربی العظیم" پڑھنا۔ پھر "سمع اللہ لمن حمدہ" کہہ کر رکوع سے اٹھنا اور رفع الیدین کرنا یا رفع الیدین نہ کرنا۔ اس ایک رکوع کے بعد پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرنا، سجدہ سات اعضاء پر کرنا اور سجدے میں کم سے کم تین مرتبہ "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھنا۔ پھر سجدے سے سر اُٹھا کر قعدہ میں بیٹھنا، پھر دوسرا سجدہ کرنا۔ پھر دوسری رکعت بھی اسی طرح پوری کرنا اور پھر تشہد میں بیٹھ کر التحیات، درودِ شریف اور مسنون دعائیں پڑھ کر السلام علیکم کہہ کر پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف سلام پھیرنا۔

یہ حکم صلوٰۃ پر نبوی تعلیم کے مطابق عمل کرنے کا طریقہ ہے۔ سوال یہ ہے کیا محض قرآن مجید کے حکم "أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ" پر اس طرح عقل یا لغت کی بنیاد پر عمل ہو سکتا ہے؟

جاوید احمد غامدی سے یہ سوال ہے کہ چونکہ نماز کی یہ جامع صورت قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئی ہے۔ تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک نماز کی یہ تعلیم رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و فعل سے صحابہ کو دی ہے۔ آپ کے مطابق "لاریب دین صرف قرآن مجید اور ۲۶ سنتوں کا نام ہے ان کے علاوہ کوئی چیز دین ہے نہ اسے دین قرار دیا جا سکتا ہے۔" تو آپ نماز کی یہ جامع صورت کہاں سے معلوم کریں گے؟ آپ لوگ جو فجر کے وقت ۲ رکعت، ظہر کے وقت ۴ رکعات، عصر کے وقت ۴ رکعات، مغرب کے وقت ۳ رکعات اور عشاء کے وقت ۴ رکعات اور ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کرتے ہیں۔ تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز میں داخل ہوتے ہیں اور سلام کے ساتھ نماز سے فارغ ہوتے ہیں۔ ایسا آپ کس بنیاد پر کرتے ہیں۔ قرآن اور آپ کی مقرر کردہ ۲۶ سنتوں میں ایسی کوئی وضاحت موجود نہیں ہے اور نہ ہی عرب جاہلیت کے اشعار میں اس طرح کی تعداد اور ترتیب کی کوئی بات ہے۔ چونکہ حدیث (رسول اللہ کا قول، فعل، تقریر) سے حاصل علم آپ کے مطابق درجہ یقین کو نہیں پہنچتا اس لیے اس سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا اضافہ بھی نہیں ہوتا اور آپ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس کی حفاظت اور اشاعت و تبلیغ کا اہتمام بھی نہیں کیا ہے پھر آپ رکعات کی

تعداد کا تعین کیسے کرتے ہیں؟ ایک رکعت میں صرف ایک رکوع مگر دو سجدے کیوں کرتے ہیں؟ تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفیع الیدین کرتے ہوئے کس بنیاد پر نماز میں داخل ہوتے ہیں اور تشہد کے بعد دونوں طرف سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوتے ہیں؟ احادیث نبوی کی طرف آپ رجوع نہیں کر سکتے کیونکہ ان کو آپ شرعی ماخذ مانتے ہی نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ کہ حدیث کا علم جب درجہ یقین کو پہنچتا ہی نہیں ہے پھر صلوٰۃ جیسی اہم عبادت کی تفصیل کے لیے احادیث نبوی پر انحصار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اگر آپ یہ کہیں کہ احادیث قرآن اور ۲۶ سنتوں میں محصور دین کی تفہیم وتبیین اور اسوہ حسنہ کا بیان ہیں تو خود اس قول سے آپ کی تردید ہوگی، کیوں کہ جس تفہیم اور تبیین (یعنی حدیث) سے نماز کی تفصیل معلوم ہوتی ہے اس کی نہ صرف حفاظت ہونی چاہیے تھی بلکہ اس کی اشاعت وتبلیغ بھی ضروری تھی، اور حالت یہ ہے کہ آپ لوگ ان دونوں باتوں کے منکر ہیں۔ آپ کا تو دعویٰ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث کی حفاظت اور اشاعت کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ آپ کے لیے اب ایک ہی صورت رہ گئی ہے، وہ یہ کہ نماز کی شرائط، ارکان، تعداد رکعات اور باقی تفصیلات کے لیے مشرکین مکہ کی روایات کی طرف رجوع کریں جن کے لیے آپ ابراہیمی روایات کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

صلوٰۃ کے متعلق ائمہ سلف وخلف کا یہی متفقہ موقف ہے کہ اس کے اوقات، شرائط، ارکان، تعدادِ رکعات اور فرائض کی تفصیل اور ترتیب کی بنیاد احادیث نبوی ہیں نہ کہ بعثت نبوی سے پہلے ابوجہل اور ابولہب کی ''نماز''۔ مگر جاوید احمد غامدی کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید میں جو نماز کی تفصیل بیان نہیں ہوئی اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ صلوٰۃ کے آداب وشرائط اور اعمال واذکار سے پوری طرح پہلے ہی واقف تھے، چنانچہ اس بات کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ قرآن اس کی تفصیلات بیان کرتا۔ دین ابراہیمی (یہود، نصاریٰ اور مشرکین مکہ میں رائج روایات) کی ایک روایت کی حیثیت سے یہ جس طرح ادا کی جاتی تھی نبی نے قرآن کے حکم پر بعض ترامیم کے ساتھ اسے ہی اپنے ماننے والوں کے لیے جاری فرمایا، (میزان، طبع پنجم،

ص: ۲۸۰، ۲۰۰۸ء دسمبر) مگر جاوید احمد غامدی کی کج فہمی اور تضاد بیانی بھی ملاحظہ فرمائیے: حدیث کے متعلق دعویٰ کرتے ہیں کہ ان سے حاصل ہونے والا علم درجہ یقین کو نہیں پہنچتا ہے۔ ان سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ نہیں ہوتا اور یہ کہ رسول اللہ نے ان کی حفاظت اور اشاعت کا اہتمام نہیں کیا۔ ان احادیث نبوی کو اپنی کتاب ''میزان'' میں عقائد، عبادات، معاملات، احکام حلال وحرام اور اخلاق کے متعلق سیکڑوں کی تعداد میں نقل کرتے ہیں۔ ان سے پوچھیے کہ جب حدیث کی اتنی اہمیت بھی نہیں کہ ان کی حفاظت اور اشاعت کا اہتمام کیا جاتا پھر ان کو نقل کرنے کے کیا معنی؟

عرب مشرکین بھی صلوٰۃ کے آداب وشرائط اور اعمال واذکار سے پوری طرح باخبر تھے۔ جاوید احمد غامدی بائبل، جاہلی شعراء (جران العود، اعشیٰ وائل) کے اشعار اور صحیح مسلم کی ایک روایت اپنے دعوے کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ (دیکھیے میزان، ص: ۲۷۶) بلاشُبہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے جو انبیاء اور رسل ہوئے ہیں ان کے شرائع میں صلوٰۃ کا حکم بھی موجود تھا اور وہ لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے مگر ان شرائع میں اوقات نماز کیا ہوتے تھے، شرائط و ارکانِ نماز کیا تھے اور نماز کے متعلق باقی تفصیلات کیا تھیں اس کی وضاحت قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئی ہے۔ رہا غامدی کا یہ کہ مشرکینِ مکّہ صلوٰۃ کے آداب وشرائط اور اعمال واذکار سے آگاہ تھے اسی لیے قرآن مجید نے اس کی تفصیل بیان نہیں کی۔ اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ غامدی کا دعویٰ ہے تو پھر احادیث میں صلوٰۃ کی ایک ایک بات کی تفصیل کیوں بیان ہوئی ہے؟ خود جاوید احمد غامدی نے صلوٰۃ کی تفصیل بیان کرنے میں عرب شعراء کے اشعار بیان کیوں نہیں کیے، احادیث نبوی کیوں نقل کیں؟ انھوں نے ابوجہل اور ابولہب کے متعلق ایسی کوئی روایت نقل کیوں نہیں کی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ یہ دونوں فجر کے وقت دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کرتے تھے۔ تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع الیدین کرتے ہوئے نماز میں داخل ہوتے تھے اور

پھر تشہد کے بعد دونوں طرف سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوتے تھے؟[1]

﴿أَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۝ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ﴾ [العلق : ۹، ۱۰]

"(بھلا) اسے بھی تو نے دیکھا جو بندے کو روکتا ہے۔ جبکہ وہ بندہ نماز ادا کرتا ہے۔"

مفسرین لکھتے ہیں کہ جب سیدنا رسول اللہ ﷺ مکہ میں نماز پڑھتے تھے تو ابوجہل اُن کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔ ابوجہل ان کو نماز پڑھنے سے کیوں روکتا تھا؟ ابوجہل جب آپ ﷺ کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا تو آپ اسے کیوں نہیں فرماتے تھے کہ تم ہمیں نماز پڑھنے سے کیوں روکتے ہو جبکہ تم لوگ خود بھی تو اسی طرح نماز پڑھتے ہو؟

جہاں تک ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے جو صحیح مسلم (حدیث نمبر ۶۳۵۹) میں بیان ہوئی ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرنے سے پہلے تین سال صلوٰۃ پڑھتے رہے تھے۔ پہلی بات یہ کہ ابوذر غفاری نے صلوٰۃ لفظ کس معنی میں استعمال کیا ہے جب ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں بھی یہ کئی معانی میں استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس سے مراد نماز نہیں ہے؟ دوسری بات اسی روایت میں آیا ہے جب انیس ابوذر غفاری سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ اس وقت رخ کس طرف کرتے تھے؟ تو جواباً ابوذر غفاری کہتے ہیں جس طرح اللہ چاہتا۔ جس صلوٰۃ کی ادائیگی کے متعلق ابوذر غفاری یہ کہنے سے بھی قاصر ہیں کہ وہ رُخ کس طرف کرتے تھے اسی روایت کی بنیاد پر جاوید احمد غامدی دعویٰ کرتے

[1] احادیث مبارکہ جن کی حفاظت کا کام اللہ تعالیٰ نے صحابہ وتابعین اور علماء ومحدثین سے اس طور پر لے لیا کہ پوری انسانی تاریخ میں کسی چیز کی حفاظت اس اہتمام سے نہیں ہوئی ہے۔ غیر بھی حفاظت کے اس عجیب وغریب نظام کو دیکھ کر محو حیرت ہیں اور اس کو مسلمانوں کے عظیم کارناموں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے، اس کو جاوید غامدی غیر معتبر قرار دیتا ہے اور خود کی یہ حالت ہے کہ اپنی ذہنی خرافات کی تائید میں بائبل سے استدلال کرتا ہے جس کا ایک بھی نسخہ اس کی اصل زبان میں موجود نہیں۔ سب سے قدیم نسخہ یونانی زبان میں ہے مگر وہ بھی ترجمہ ہے، پھر تحریف در تحریف کا شکار ہوتے ہوتے انسانی مزخرفات کا مجموعہ ہو کر رہ گیا ہے۔ عرب شاعری کا بھی بڑا حصہ اپنے شعراء کی طرف مشکوک نسبت رکھتا ہے۔ یہ سب چیزیں تو معتبر ہوئیں اور حدیث جس سے بڑھ کر روئے زمین پر قرآن کو چھوڑ کر کوئی چیز مستند ومعتبر نہیں، ناقابلِ اعتبار ٹھہری۔

ہیں کہ مشرکین مکہ بعثت نبوی سے پہلے ہی صلوٰۃ کے متعلق آداب و شرائط اور اعمال و اذکار سے آگاہ تھے۔ ①

جاوید احمد غامدی کہتے ہیں قرآن مجید میں نماز کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی کیونکہ مشرکین مکہ پہلے ہی سے ان تفصیلات سے آگاہ تھے۔ جاوید احمد غامدی نے ہمیں یہ بات نہیں بتائی کہ مشرکین مکہ یہ نماز اپنے اپنے گھروں میں پڑھتے تھے یا صحن کعبہ میں؟ الگ الگ پڑھتے تھے یا جماعت کے ساتھ؟ اگر جماعت کے ساتھ پڑھتے تھے تو امامت کون کراتا تھا ابوجہل یا ابولہب؟ مگر قرآن مجید میں مشرکین مکہ کی ''صلوٰۃ'' کی کچھ اور ہی تفصیل بیان ہوئی ہے:

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً﴾ [الأنفال : ٣٥]

''اور ان کی نماز کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا۔''

اس آیت کی تفسیر میں حافظ عبدالسلام بن محمد ﷾ لکھتے ہیں:

''(مشرکین مکہ جس طرح بیت اللہ کا ننگا طواف کرتے تھے اسی طرح) وہ لوگ کعبہ کے پاس عین حرم میں تالیاں پیٹتے اور سیٹیاں بجاتے اور اسے اپنی نماز، اللہ کی عبادت اور اس کے قرب کا ذریعہ قرار دیتے۔'' [تفسیر القرآن الکریم]

دوسری بات جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدنا رسول اللہ ﷺ کو نماز کا حکم ہوا آپ نے لوگوں سے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ تم نماز (صلوٰۃ) اس طرح پڑھو جس طرح تم روایت ابراہیمی کے مطابق نماز پڑھتے ہو؟ اس کے برعکس آپ نے فرمایا:

① حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ بھی غامدی کو مفید مطلب نہیں ہے کیوں کہ اگر اسلام سے قبل اصطلاحی یا شرعی نماز اہل عرب میں متعارف ہوتی تو اُنیس کا ''فأین توجّہ'' کہنا عبث تھا، کیوں کہ اُنیس ابوذر کے بھائی تھے، اُن کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ نماز میں کس جانب رُخ کیا جاتا ہے۔ یہ بات کوئی شخص اُسی وقت کہہ سکتا ہے جب وہ پہلی بار کسی چیز کے بارے میں سُنے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ایک مبہم سی روایت پر عقیدہ وعمل یا کسی بڑے دعویٰ کی بنیاد قائم کرنا غیر علمی طرزِ عمل ہے۔ احادیث کے پورے ذخیرے کو سامنے رکھ فکر وعمل کا استنباط کیا جاتا ہے۔ غامدی کا دعویٰ ہی جہالت پر مبنی ہے، وہ آج کل کے علمی اور تحقیقی دور میں بھی جہلاء کی طرح غالبًا یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کوئی بھی دعویٰ کریں اُسے بلا کسی چون و چرا قبول کرلیا جائے گا۔

« صلوا كما رأيتموني أصلي » [بخاری]

''نماز اسی طرح پڑھو جیسے تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

تمام انبیاء و رُسل قبل از نبوت بھی معصوم ہوتے ہیں۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ بھی ظاہر بات ہے ولادت ہی سے معصوم عن الخطا تھے، آپ کا دامن بھی شرک یا فواحش سے آلودہ نہیں ہوا۔ آپ ﷺ غور و فکر کے لیے غارِ حرا میں جاتے تھے، آپ متفکر رہتے تھے مگر آپ کے متعلق آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ آپ نبوت سے پہلے بھی پانچ وقت کی نماز کی پابندی انھی شرائط و ارکان اور آداب و اذکار کے ساتھ کرتے تھے جس طرح نبوت کے بعد آپ ﷺ فرماتے تھے۔[1] مگر مشرکین مکہ جو تمام طرح کے شرکیہ عقائد اور اعمال اور فواحشات و منکرات میں ملوث تھے، جن کی نماز سیٹیاں اور تالیاں بجانا تھی، وہ نماز کے آداب و شرائط اور اعمال و اذکار سے پوری طرح واقف تھے۔

تیسری بات سیدنا رسول اللہ ﷺ نے جو نماز پڑھی اور پھر لوگوں کو اسی طرح نماز پڑھنے کے لیے فرمایا جس طرح آپ خود نماز پڑھتے تھے، وہ مشرکین عرب میں پہلے سے موجود روایت ابراہیمی کے مطابق نہیں پڑھی بلکہ یہ نماز آپ ﷺ کو جبریل علیہ السلام نے سکھائی ہے:

ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''حضرت جبریل نازل ہوئے، انھوں نے مجھے نماز پڑھائی۔ میں نے ان کی معیت میں نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ (دوسرے وقت) کی نماز پڑھی۔ پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ اپنی انگلیوں پر آپ ﷺ نے پانچ نمازوں کو گن کر بتایا۔''

[بخاری]

---

1. اور وہ جو بخاری رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے لفظ ''یَتَحَنَّثُ'' نقل کیا ہے جس کا ترجمہ زیادہ تر شارحین نے ''یتعبّد'' (یعنی عبادت کرتے تھے) سے کیا ہے، اس کی تفصیلات اور کیفیات کسی روایت میں نظر سے نہ گزریں۔ ابن اسحٰق کی روایت میں اس کو ''یتحنف'' لکھا گیا ہے جس کی بنیاد پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ وہ دینِ ابراہیمی کے مطابق عبادت کرتے تھے لیکن اُس عبادت

سوال یہ ہے کہ جب سب اہل مکہ نماز کے آداب و شرائط اور اعمال و اذکار سے پوری طرح واقف تھے تو پھر کیا یہ صرف سیدنا رسول اللہ ﷺ کی ذات ہی ایسی تھی جو ان آداب و شرائط اور اعمال و اذکار سے بے خبر تھی، اسی لیے ان کو نماز سکھانے کے لیے آسمان سے جبریل کو آنا پڑا!؟

اوپر مذکور تفصیل سے جو بات ہم بنیادی طور پر بتانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ صلوٰۃ کی ادائیگی (بمطابق منشائے الٰہی) کے لیے قرآن مجید کے ساتھ احادیث کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے۔ اور جو لوگ احادیث کو شرعی ماخذ نہیں مانتے ہوں، دین میں احادیث کو حجت نہ مانتے ہوں اور ان کی حفاظت اور اشاعت کے بھی منکر ہوں وہ "أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ" کے قرآنی حکم پر کبھی بھی منشائے الٰہی اور جبریل کی تعلیم کے مطابق عمل نہیں کر سکتے خواہ ان کے سامنے عربی لغت کی ساری کتابیں اور عرب جاہلیت کے شعراء کا تمام کلام بھی موجود ہو۔

احادیث نبوی کو دین سے خارج کرنے کے بعد آپ قرآن مجید کے احکامات پر منشائے الٰہی اور تعلیم نبوی کے مطابق عمل نہیں کر سکتے، خواہ وہ قرآنی احکامات عبادات اور معاملات کے متعلق ہوں یا حلال وحرام کے متعلق یا پھر دیگر دینی امور کے متعلق۔

جاوید احمد غامدی کے مطابق دین صرف قرآن اور ۲۶ سنتوں کا نام ہے۔ اس طرح وہ

کی کیفیت کیا ہوتی تھی اس سے سکوت کیا ہے۔ بخاری کے متداول شارحین میں سے کسی نے بھی اُس عبادت کی کیفیت بیان نہیں کی ہے جو رسول اللہ ﷺ غارِ حراء میں قبل از نبوت انجام دیتے تھے۔ لہٰذا اگر غامدی اس روایت کا بھی سہارا لینا چاہیں تو نہیں لے سکتے۔ دیگر علماء نے اس بات ہی سے انکار کیا ہے کہ حضور ﷺ غار حراء میں دینِ ابراہیمی کے مطابق عمل کرتے تھے، انھوں نے اس کا بھی احتمال ظاہر کیا ہے کہ شاید وہ عبادت حضرت آدم، نوح، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کی شریعت کے مطابق ہوتی تھی یا محض الہام کے مطابق جو آپ ﷺ کے قلبِ مبارک میں قبل از اعلانِ نبوت ڈال دیا جاتا، یا پھر غور وفکر کو عبادت کا نام دیا گیا۔ علماء نے لکھا ہے کہ تحنّث "حِنث" سے نکلا ہے، اس کے معنی "گناہ" کے ہیں۔ باب تفعّل میں چونکہ ازالہ کا خاصہ ہوتا ہے لہٰذا یہاں ترک گناہ سے کنایہ ہے۔ مطلب یہ کہ جب وہ غار میں تشریف فرما ہوتے، لوگوں سے کٹ جاتے تو گویا ہر طرح کی آلائش سے پاک رہتے۔ اس کو عبادت کرنے سے تعبیر کیا۔

اُن صحیح احادیث نبوی جن کی تعداد بمطابق حاکم تقریباً ۱۰،۰۰۰ ہیں، کو دین سے خارج کرتے ہیں۔کہنا چاہیے کہ انھوں نے خود ہی اپنے آپ کو منکرین حدیث کی صف میں شامل کر دیا ہے اور اب زورِ انشاء سے اپنے باطل خیالات اور اندھے مقلدین کی وکالت بھی کر رہے ہیں۔ صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج کی تفصیلات، حلال وحرام کے احکامات کی تفصیلات، سیاسیات، معیشت، معاشرت، حدود وتعزیرات، جہاد وانفاق اور اخلاق کے متعلق ہزاروں احادیث جب دین سے خارج ہوں گی تو لازماً اس سے منکرین حدیث جیسے عنایت اللہ مشرقی، نیاز فتح پوری، عبداللہ چکڑالوی، چراغ علی، اسلم جیراج پوری، سید احمد خان، غلام احمد پرویز اور اُن کے دو موجودہ جانشینوں ڈاکٹر راشد شاذ اور جاوید احمد غامدی جیسے لوگوں کو قرآن مجید کی معنوی تحریف کرنے کا موقع میسر ہوتا ہے اور وہ مسلّمہ اسلامی اصطلاحات کا خانہ ساز معنی اور مفہوم بیان کر کے امتِ مسلمہ میں دین کے بنیادی مآخذ اور مسلّمہ تشریحات کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ سب کچھ تحقیق اور تدبر کے نام پر کیا جاتا ہے۔ اگر آپ ان منکرین حدیث سے کہیں کہ آپ لوگ جو قرآنی آیات، قرآنی تعلیمات، قرآنی احکامات اور قرآنی اصطلاحات کا معنی ومفہوم اور تشریح وتوضیح بیان کرتے ہیں وہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور فقہاء وائمہ سے ثابت نہیں ہے اور ان کے بیان کیے ہوئے معنی ومفہوم اور تشریح وتوضیح کے خلاف ہے۔تو ان کا جواب یہی ہوتا ہے کہ وہ بھی انسان تھے ہم بھی انسان ہیں، وہ تقویٰ اور دیانت میں ہم سے بڑھ کر ہو سکتے ہیں مگر ضروری نہیں علم وفہم میں بھی وہ ہم سے بڑھ کر ہوں۔

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ [التوبة : ١٠٠]

”اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس

سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

''بہت سے مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ ''وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ'' سے مراد رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، کیونکہ انھیں رسول اللہ ﷺ کی صحبت کے شرف کی بنا پر بعد والے تمام لوگوں پر سبقت حاصل ہے جو پھر کسی کو نصیب نہ ہوسکی۔ اور ''وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ'' (اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے) سے قیامت تک آنے والے وہ تمام مسلمان مراد ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قرآن اور سنت رسول پر اخلاص کے ساتھ عمل کرتے رہے۔'' [روح المعاني]

زکوٰۃ:

اقام صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ قرآن مجید نے ''ایتائے زکوٰۃ'' کا حکم دیا ہے، زکوٰۃ کے معنی طہارت اور پاکیزگی کے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ زیادتی اور نمو کے معنی بھی اس میں پائے جاتے ہیں۔ زکوٰۃ کے شرعی معنی اللہ تعالیٰ اور سیدنا رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے مطابق مال کا ایک مخصوص مقرر کردہ حصہ ادا کرنا ہے۔ زکوٰۃ کا حکم بھی صلوٰۃ کی طرح سابق شرائع میں موجود رہا ہے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ کیا احادیث نبوی کے بغیر قرآن مجید کے اس حکم پر منشائے الٰہی کے مطابق عمل ہوسکتا ہے؟ قرآن مجید میں زکوٰۃ کے نصاب کے بارے میں تفصیل موجود نہیں ہے۔ جاوید احمد غامدی صلوٰۃ کی طرح زکوٰۃ کے بارے میں بھی یہی لکھتے ہیں کہ ''مکہ کے لوگ (دین ابراہیمی کے پیروکار) احکام زکوٰۃ سے پوری طرح واقف تھے۔'' یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں کہ اگر قریش مکہ احکام زکوٰۃ سے پوری طرف واقف تھے اور اسی لیے قرآن مجید میں اس کی تفصیل بیان نہیں ہوئی، پھر احادیث میں اس کی تفصیل بیان کیوں ہوئی؟ لوگوں سے یہ کیوں نہ کہا گیا کہ تم اسی طرح زکوٰۃ ادا کرو جس طرح تم

اسلام قبول کرنے سے پہلے ادا کرتے تھے!؟ دوسری بات جاوید احمد غامدی نے صلوٰۃ کی رکعات کی تعداد کے لیے کیوں احادیث نبوی نقل کی ہیں؟ (میزان۔ص: ۳۱۰) تو ان کو چاہیے کہ تعداد رکعات کو عرب جاہلیت کے شعراء کے کلام سے ثابت کریں۔ اسی طرح جب وہ زکوٰۃ کا نصاب بیان کرتے ہیں (میزان۔ص: ۳۴۸) تو اُن کو چاہیے کہ یہ نصاب بھی عرب جاہلیت کے شعرا کے کلام سے ثابت کریں۔ وہ اس کے لیے احادیث نبوی کو کیوں نقل کرتے ہیں؟ وہ احادیث جن کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کا رسول اللہ ﷺ نے کوئی اہتمام نہیں کیا ہے۔ جاوید احمد غامدی سے پوچھیے! اگر رسول اللہ ﷺ نے احادیث کی حفاظت اور تبلیغ کا اہتمام نہ کیا ہوتا تو وہ آج صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی تفصیل بیان کرنے کے لیے کیا چیز نقل کرتے؟ ہم یہاں احادیث سے ثابت نصابِ زکوٰۃ بیان کریں گے۔ پھر یہی نصاب زکوٰۃ جاوید احمد غامدی کو عرب ابراہیمی روایت نظم ونثر سے ثابت کرنے کی درخواست کریں گے:

① سونا چاندی اور اس کی مصنوعات پر شرح زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے جس کو عربی میں ربع العشر کہا جاتا ہے، یعنی 2.5 فیصد۔

② سونے کا نصاب تقریباً ساڑھے سات تولے جبکہ چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے۔

③ چاندی کے نصاب کے حساب سے نقد روپے پر شرح زکوٰۃ 2.5 فیصد ہے۔

④ اونٹوں کا نصاب یہ ہے: پانچ اونٹوں پر ایک بکری، دس پر دو بکریاں، پندرہ اونٹوں پر تین بکریاں، بیس پر چار بکریاں اور پچیس اونٹوں پر اونٹ کا ایک سالہ بچہ۔

⑤ بھیڑ، بکریوں میں چالیس پر ایک بھیڑ یا بکری۔

⑥ گائے، بیل کی صورت میں تیس پر ایک گائے کا بچہ۔

⑦ مال تجارت روپے کے حساب سے 2.5 فیصد، یعنی چالیسواں حصہ۔

معلوم ہوا صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے حکم پر منشائے الٰہی کے مطابق عمل کرنے کے لیے احادیث کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے اور ظاہر بات ہے جو چیز دینی احکام کی تعمیل کے لیے ناگزیر ہو وہ عین دین ہی ہے اور اس کی حفاظت اور اشاعت اسی طرح لازم ہے جس طرح خود

دینی احکام کی۔

مصارف زکوٰۃ:

مصارف زکوٰۃ کے متعلق جاوید احمد غامدی نے ائمہ سلف وخلف کی متفقہ تشریحات سے جو انحراف کیا ہے بالخصوص قرآنی اصطلاحات "الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا" اور "ابْنِ السَّبِيْلِ" کے حوالے سے، اس پر ہم یہاں بات نہیں کریں گے، کیونکہ یہ بات ہماری بنیادی بحث سے متعلق نہیں ہے۔ مگر یہاں جاوید احمد غامدی کے ایک انتہائی خطرناک اور گمراہ کن دعوے پر اختصار کے ساتھ بات کریں گے قرآن مجید کے احکامات کے متعلق جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

> "قرآن مجید کی یہ حیثیت ہے جو اس نے خود اپنے لیے ثابت قرار دی ہے، لہٰذا اس کی بنیاد پر جو باتیں قرآن کے بارے میں بطور اصول ماننی چاہئیں وہ یہ ہیں: پہلی یہ کہ قرآن سے باہر کوئی وحی خفی یا جلی یہاں تک کہ خدا کا وہ پیغمبر بھی جس پر یہ نازل ہوا ہے، اس کے کسی حکم کی تحدید وتخصیص یا اس میں کوئی ترمیم وتغیر نہیں کر سکتا۔"

اس بات پر آگے چل کر ہم بات کریں گے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ نامہ بر ہیں یا معلم اور شارح قرآن !؟ دوم یہ کہ وہ صرف قرآن مجید پہنچانے کے لیے ہی مامور من اللہ تھے یا اس کی تشریح وتوضیح کے لیے بھی؟ اور یہ کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قرآن مجید کے بعض احکامات کی تحدید وتخصیص ہی سے ان احکام پر منشائے الٰہی کے مطابق عمل کرنا ممکن ہوتا ہے۔ یہاں ہم صرف یہ بیان کرنا چاہیں گے کہ جاوید احمد غامدی اللہ کے رسول کو یہ حق نہیں دیتے کہ وہ قرآن مجید کے کسی حکم کی تحدید وتخصیص کریں یا اس میں کوئی ترمیم وتغیر کریں۔ مگر اپنے لیے قرآنی احکامات کی ترمیم وتغیر کا حق محفوظ سمجھتے ہیں اور اسلامی حکومت کو بھی یہ حق تفویض کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> "ریاست اگر چاہے تو حالات کی رعایت سے کسی چیز کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے سکتی اور جن چیزوں سے زکوٰۃ وصول کرے ان کے لیے نصاب بھی مقرر کر سکتی ہے۔ نبی نے مال مویشی اور زرعی پیداوار میں اسی مقصد سے اس کا نصاب مقرر

فرمایا ہے۔'' [میزان، ص:۳۵۱]

زکوٰۃ قرآن مجید کا حکم ہے۔ یہ عبادت ہے اور اس کے لیے جو نصاب مقرر ہے اگر لوگ اس مقرر نصاب میں ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے خلاف جہاد کریں گے۔ اور ظاہر بات ہے یہ کوئی حکومتی ٹیکس نہیں ہے جس کے لیے حکومت قانون سازی کر سکتی ہے اور حالات کی رعایت کا خیال کرے گی اور نہ ہی یہ کوئی نفلی صدقہ ہے جس کے بارے میں حکومت حالات کی رعایت سے خود نصاب مقرر کر سکتی ہے۔ اس کے لیے نصاب وحی کی بنیاد پر مقرر ہو چکا ہے اور صاحب نصاب پر ہر سال گزرنے پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہو جاتی ہے۔ اگر وہ دینے سے انکار کرے تو حکومت اس سے ہر صورت میں وصول کرے گی۔ خواہ حکومتِ وقت نے بعض ضروریات یا مصلحتوں کے پیش نظر اس پر کچھ اور ٹیکس بھی عائد کیوں نہ کیے ہوں۔ زکوٰۃ کے علاوہ حکومت ان لوگوں سے صدقہ وغیرہ کے لیے درخواست بھی کر سکتی ہے۔ آگے ہم کچھ اسی طرح کی کچھ اور مثالیں بھی بیان کریں گے جن سے یہ ثابت ہوگا کہ جاوید احمد غامدی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ سلف سے زیادہ فہم دین کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر آج تک انھوں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ غلام احمد قادیانی کو کافر نہیں مانتے۔ ابھی شاید فضا سازگار نہیں ہے۔

صوم (روزہ):

قرآن مجید میں روزے رکھنے کا حکم ہے۔ ماہ رمضان میں روزے رکھنے کا یہ حکم اُن پانچ فرائض میں داخل ہے جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی طرح روزے بھی سابق شرائع میں فرض تھے۔ مشرکین مکہ بھی روزہ رکھتے تھے، اُن کے روزے کی من وعن صورت اور کیفیت کیا تھی یہ بالتفصیل معلوم نہیں ہے۔ جاوید احمد غامدی صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی طرح روزوں کے متعلق بھی یہی کہتے ہیں کہ قریش مکہ کے لیے یہ کوئی اجنبی چیز نہیں تھی۔ وہ اس کی مذہبی حیثیت اور اس کی حدود وشرائط سے پوری طرح واقف تھے، اسی لیے قرآن نے ان

حدود وشرائط میں سے کوئی چیز بیان نہیں کی۔ (میزان، ص: ۳۵۸) صرف یہ کہا جس طرح وہ اسے جانتے ہیں اسی طرح ایک لازمی عبادت کے طور پر اس کا اہتمام کریں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان حدود وشرائط کی تفصیل احادیث میں کیوں بیان کی گئی؟ جاوید احمد غامدی بھی جب روزوں کے احکام وآداب نقل کرتے ہیں تو عرب کے ادب پاروں اور جاہلی اشعار کو نقل نہیں کرتے بلکہ احادیث نبوی نقل کرتے ہیں۔ [میزان، ص: ۶۸، ۳۶۶]

اہل جاہلیت یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ قرآن مجید میں روزہ رکھنے کا حکم ہے، مگر روزوں کے آداب، روزوں میں جائز افعال، حرام افعال، روزہ توڑنے والی اشیاء، روزے کی قضا کا بیان، یہ سب باتیں احادیث نبوی میں ہی بیان ہوئی ہیں۔ اسی طرح نماز تراویح (جاوید احمد غامدی نماز تراویح کے منکر ہیں) اور اعتکاف اور شب قدر کے احکام وآداب بھی احادیث نبوی ہی میں بیان ہوئے ہیں۔ اور ان سب احکام وآداب کی تفصیل کے لیے جاوید احمد غامدی نے امرؤالقیس، زہیر، عمرو بن کلثوم، لبید، اعشیٰ اور قس بن ساعدہ جیسے عرب شعراء کے اشعار نہیں بلکہ احادیث نبوی نقل کی ہیں۔ تعجب ہے جاوید احمد غامدی احادیث کی حفاظت اور اشاعت کے منکر ہیں مگر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک مجہول قول کی بنیاد پر جاہلیت کے اشعار کی حفاظت کے قائل ہیں اور اشعار جاہلیت سے قرآن مجید کی تفسیر اور کلام کے معنی معلوم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ احادیث سے حاصل ہونے والا علم درجہ یقین کو نہیں پہنچتا تو کیا جاہلیت کے اشعار سے حاصل ہونے والا علم درجہ یقین کو پہنچ جاتا ہے؟ جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

> ”سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے منبر سے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:
> ”تم لوگ اپنے دیوان کی حفاظت کرتے رہو گمراہی سے بچے رہو گے۔ لوگوں نے پوچھا: ہمارا دیوان کیا ہے؟ فرمایا: اہلِ جاہلیت کے اشعار، اس لیے کہ ان میں تمھاری کتاب کی تفسیر بھی ہے اور تمھارے کلام کے معنی بھی۔“ [میزان، ص:۱۹] [1]

[1] جاوید احمد غامدی نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ روایت غالباً امام شاطبی کی کتاب الموافقات

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس بات کو مندرجہ ذیل روایات سے جانچنے کی ضرورت ہے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ''عنقریب ایک فرقہ پیدا ہوگا جو تم سے قرآن کی متشابہ آیات سے جھگڑا کریں گے تو تم احادیث سے ان پر گرفت کرنا، کیونکہ اصحاب سنن ہی کتاب اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جلد ہی تم ایسے لوگ پاؤ گے جو تم کو قرآن کی طرف دعوت دیں گے جبکہ خود انھوں نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہوگا۔ اس لیے تم حدیث سے ان پر گرفت کرو اور بدعتی نہ بن جانا، نہ دین میں غلو کرنا اور سنت کے طریق پر ثابت قدم رہنا۔'' (یہ دونوں روایات امام الشاطبی کی الموافقات میں ہیں جس سے غالباً جاوید غامدی نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق اوپر مذکورہ روایت نقل کی ہے۔ (م۔ق)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ تورات لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ تورات ہے۔ آپ خاموش رہے۔ حضرت عمر تورات پڑھنے لگے تو آپ کا چہرہ مبارک (غصے سے) بدلنے لگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (نے یہ صورت حال دیکھی) تو کہا: اے عمر! گم کرنے والیاں تجھے گم پائیں! رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی طرف نہیں دیکھتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے

سے نقل کی ہے۔ امام شاطبی نے الموافقات میں یہ روایت بغیر کوئی حوالہ دیے اس طرح نقل کی ہے: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسرِ منبر تخوّف کے معنی پوچھے جو درج ذیل آیت میں مذکور ہے: ﴿أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ﴾ [النحل : ٤٧] ''یا ان کو گھٹا گھٹا کر ہلاک کرنے کی صورت پکڑے۔'' تو قبیلہ بنو ہذیل کے ایک آدمی نے جواب میں کہا کہ ہماری لغت میں ''تخوّف'' کا لفظ ''تنقص'' (آہستہ آہستہ گھٹائے جانا) کے معنی میں آتا ہے۔ پھر ثبوت کے طور پر یہ شعر پڑھا: تخوّف الرحل منها تامكا قردا كما تخوّف عود النّبعة السّفن. (پالان کی موٹائی آہستہ آہستہ یوں کمزور ہوگئی جیسے کشتیوں کی لکڑیاں (نیچے سے پانی اور اوپر سے استعمال کی وجہ سے) کمزور پڑ جاتی ہیں)۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: جاہلیت کے اشعار یاد رکھو، کیونکہ اس میں تمھاری کتاب (قرآن کریم) کی تفسیر ہے۔ امام شاطبی نے اس روایت کو انکارِ حدیث کے لیے دلیل کے طور پر نقل نہیں کیا ہے جیسا کہ جاوید غامدی کا مقصد ہے۔

چہرے مبارک کی طرف دیکھا تو کہا: میں اللہ اور رسول کے غصے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ ہم اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر آج موسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں اور تم لوگ میری بجائے ان کا اتباع شروع کرو تو سیدھی راہ سے گمراہ ہو جاؤ گے اور اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میرا ہی اتباع کرتے۔'' [حسن، مشکوۃ]

تورات تحریف کے باوجود آسمانی کتاب تھی جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ مگر حق اور باطل کے التباس کے بعد قرآن مجید نے اس کو منسوخ کر دیا تھا۔ اس لیے ناسخ کتاب (قرآن مجید) کی موجودگی میں جب تورات کی طرف رجوع کرنے کی گنجائش نہیں ہے تو کیا کلام اللہ کی تفسیر و معنی کے لیے سیدنا رسول اللہ ﷺ جو کلام اللہ کی تبیین و تشریح کے لیے مامور من اللہ ہیں (النحل۔۴۴) کی طرف رجوع (احادیث نبوی) کرنے کے بجائے عرب جاہلیت کے اشعار کی طرف رجوع کیا جائے گا؟

اس روایت کی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت بالکل بے بنیاد ہے اور اس طرح کی روایت وہی منکرین حدیث اپنی تائید میں پیش کر سکتے ہیں جو قرآن مجید کو احادیث نبوی کے بجائے عرب جاہلیت کے اشعار اور محض لغت کی بنیاد پر سمجھنے اور سمجھانے کی بات کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ کیا کلام اللہ کی تفسیر اور معنی معلم و شارح قرآن سیدنا رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل میں نہیں ہے؟ ایسے شخص کی کج فہمی اور کج قلبی کی اور کیا شہادت ہوگی جو اُس مقدس ذات کی نسبت جس کا دین سے متعلق ہر قول و فعل وحی پر مبنی ہے، یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اُن کی احادیث سے وہ علم حاصل نہیں ہوتا جو درجہ یقین کو پہنچا ہو اور ان سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا اضافہ نہیں ہوتا۔ نیز انھوں نے اپنی احادیث کی حفاظت، تبلیغ اور اشاعت کا بھی اہتمام نہیں کیا، مگر عرب جاہلیت کے اشعار کو قطعی الثبوت بھی مانتا ہے اور قطعی الدلالت بھی، اور کلام اللہ کی تفسیر و تشریح کے لیے مرجع بھی قرار دیتا ہے۔

حج:

اسلام میں صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم کی طرح حج بھی ایک بنیادی عبادت ہے۔ قرآن مجید میں دومرتبہ حج کا ذکر آیا ہے۔ سورۃ البقرہ اور سورۃ الحج میں حج کی ادائیگی کا طریقہ بیان ہوا ہے۔ مگر اس کی تفصیل باقی عبادات کی طرح احادیث نبوی ہی میں بیان ہوئی ہے۔ بلاشبہ مشرکین مکہ حج کی ادائیگی کرتے تھے مگر اس کی ادائیگی منشائے الٰہی کے مطابق کیسے ہوگی......؟ اس کی مکمل تفصیل قرآن مجید کے ساتھ احادیث نبوی ہی سے معلوم ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« خذوا عنی منا سککم » [صحیح الجامع الصغیر]

''مجھ سے مناسک حج سیکھ لو۔''

حج کا اعتبار چاند کے حساب سے ہوگا۔ احرام حج کے لیے اشہر معلومات، (متعین مہینے) وقوف عرفات، وقوف مزدلفہ اور وقوف منیٰ، ذبح یوم النحر اور ایام تشریق، طواف زیارۃ، سعی صفاو مروہ، طواف وداع......، یہ احکام وآداب قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں مگر اس کے ساتھ استطاعت سبیل کا احصار کس چیز سے ہوگا۔ اشہر معلومات (حج کے مہینوں کے نام)، وقوفِ عرفات، وقوف مزدلفہ اور وقوف منی کے دن اور وقت کا تعین، جمرات اور کنکریوں کی تعداد، مقصدِ ذبح، ہَدی اور قربانی کن کو کھلائی جائے۔ جنایات کے احکام، دوران حج عورتوں کے مخصوص مسائل کی تفصیل......، یہ سب احادیث نبوی ہی میں آتی ہیں، عرب روایات میں نہیں۔

خلاصۂ کلام:

صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج کے جو احکام قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں ان پر منشائے الٰہی کے مطابق عمل کرنا احادیث نبوی پر منحصر ہے۔ سوال یہ کہ ہم نے ان احکام کے متعلق جو تفصیلات بیان کیں جو احادیث نبوی میں بیان ہوئی ہیں، اگر احادیث دین نہیں ہیں اور دین صرف قرآن اور ۲۶ سنتوں کا نام ہے اور احادیث سے اگر دین میں کسی عقیدہ وعمل کا

اضافہ نہیں ہوتا ہے اور ان کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کا بھی رسول اللہ ﷺ نے اہتمام نہیں کیا ہے، پھر بتلایئے! قرآن مجید کے احکامات پر عمل کرنے کے لیے کس ''علم یقین'' کی طرف رجوع کریں گے؟ کیا عرب جاہلیت کے اشعار میں اس طرح کی تفصیل پائی جاتی ہے اگر پائی جاتی ہے؟ تو کیا قرآن مجید کے احکام کی تشریح وتوضیح کے لیے سیدنا رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی طرف رجوع کیا جائے گا یا اشعار جاہلیہ کی طرف؟ اور کیا صرف عربی زبان یا عربی محاورات کی بنیاد پر قرآن مجید کے احکام کے متعلق منشائے الٰہی کو معلوم کیا جا سکتا ہے؟ اگر عرب روایات اس بارے میں کوئی تفصیل بھی فراہم کرتی ہوں، کیا ان سے ایسا علم حاصل ہوتا ہے جو درجہ یقین کو پہنچتا ہو؟ توجہ طلب بات یہ ہے کہ اگر احادیث حجت نہیں ہیں، شرعی ماخذ نہیں ہیں اور محفوظ نہیں ہیں، ان کے ساتھ وہی کچھ ہوا ہے جو تورات اور انجیل کے ساتھ ہوا ہے، پھر ان قرآنی احکامات کی تعمیل کس طرح ہوگی؟ کیا پھر قرآنی احکام کے وہی معنی ومفہوم سمجھے جائیں گے جو سید احمد خان اور غلام احمد پرویز جیسے لوگوں نے بیان کیے ہیں؟

دین کو قرآن مجید اور ۲۶ سنتوں میں محصور کرنا اور احادیث نبوی کو دین سے خارج کرنا عملاً اسلام کی عمارت کو منہدم کرنے کی کوشش ہے۔ یہ بات جو عام طور پر بیان کی جاتی ہے کہ منکرین حدیث کا ہدف احادیث نبوی ہیں، صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے منکرین حدیث کا اصل ہدف قرآن مجید ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تشریعی حیثیت ہے۔ قرآن مجید کو احادیث نبوی سے محروم کرنا آفتاب کو روشنی سے محروم کرنے کی طرح ہے۔ قرآن مجید جس ذات پر نازل ہوا ہے وہ سراجاً منیرا رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے، جن کے ذریعے لوگوں کو قرآن مجید اور قرآن مجید کی تشریح وتوضیح دونوں چیزیں ملی ہیں۔ قرآن مجید روح ہے اور حدیث نبوی جسم۔ اس لیے آپ ان کو الگ الگ نہیں کر سکتے اور احادیث نبوی کو قرآن مجید سے الگ کر کے آپ صرف قرآن مجید کی معنوی تحریف کرنا چاہتے ہیں۔ ''عظمت قرآن اور صرف قرآن'' کی آڑ میں منکرین حدیث اسلام کا ایک ایسا ایڈیشن تیار کرنا چاہتے ہیں جو

اس اسلام سے یکسر مختلف ہوگا جس کے ساتھ سیدنا رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں۔ منکرین حدیث بنیادی طور پر منکرین قرآن ہیں اسی لیے منکرین حدیث کی جید اور مستند علماء نے تکفیر کی ہے۔ بات صرف عبادات ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ معاملات اور حلال وحرام یا حدود وتعزیرات کے احکام ان کی تفصیل اور تعمیل کے لیے بھی احادیث نبوی ہی کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے کہا: ہم سے قرآن کے علاوہ اور کچھ نہ بیان کیا جائے۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم کو اور تمھارے اصحاب کو صرف قرآن پر چھوڑ دیا جائے تو کیا تم اس میں پا سکتے ہو کہ ظہر کی نماز چار رکعات، عصر کی چار رکعات، مغرب کی تین رکعات اور اس کی دو رکعتوں میں قراء ت کرنی ہے؟ اسی طرح اگر تمھیں اور تمھارے اصحاب کو صرف قرآن پر چھوڑ دیا جائے تو کیا تم اس میں پا سکتے ہو کہ بیت اللہ کا طواف سات بار کرنا ہے اور صفا ومروہ کی سعی بھی ہے۔ تم کو کہاں سے پتا چلے گا کہ میدان عرفات میں وقوف اور رمی جمار کس طرح ہے اور چوری پر ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے، کلائی سے یا کہنی سے یا مونڈھے سے؟ کیا تم قرآن میں چالیس بکری پر ایک بکری زکوۃ دینے کا حکم پاتے ہو؟ نیز اس میں اونٹ اور درہموں کے نصاب کا ذکر دکھا سکتے ہو؟ کیا تم نے نہیں سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر : ٧] آپ نے فرمایا: اے لوگو! ہم سے علمِ حدیث لو، کیونکہ قسم اللہ کی! اگر تم لوگ ایسا نہ کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں: حضرت عمران بن حصین کی یہ گفتگو سن کر اس شخص نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا ''أَحْيَيْتَنِي

أَحْيَاكَ اللَّهُ" یعنی آپ نے (یہ بصیرت افروز بات کہہ کر) مجھے حیات نو (اور روشنی) عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حیات دراز عطا فرمائے۔" [لسان المیزان]

سنت/حدیث کی تشریعی حیثیت پر اعتراض:

قرآن کریم نے جو فرائض امت پر عائد کیے ہیں ان میں سے تم کسی کو عام قرار دیتے ہو، کسی کو خاص، کسی کو لازم اور کسی کو مباح۔ اور یہ سب کچھ ان روایات کی بنا پر کرتے ہو جو ایسے لوگوں سے مروی ہیں جن میں سے اکثر کو تم نے نہ دیکھا نہ ان سے ملے اور باوجود ان کی عدالت اور ثقاہت کے قائل ہونے کے تم ان میں سے کسی کی نسبت بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ وہ غلطی، غلط فہمی اور خطا و نسیان سے بری تھے۔ پھر بھی ان کی روایتوں کو اس قدر برحق سمجھتے ہو کہ ان کی بنا پر احکام الٰہی میں تفریق کر ڈالتے ہو۔"

امام شافعی رحمہ اللہ کا جواب:

ان روایات سے سنت کی خبر صادق ہم تک پہنچتی ہے۔ اور سنت وہ ہے جس کو قرآن کریم نے "يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" میں "حکمت" لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ نیز دوسری آیت "وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" (یعنی رسول جو کچھ تم کو دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے باز رہو) سے سنت کی حیثیت ثابت ہے۔

سنت/حدیث کی ضرورت:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚ ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرة : ١٨٠]

"جب تم میں سے کسی کی موت آجائے اور اس نے مال چھوڑا ہو تم پر معروف طریقے کے ساتھ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت فرض کی گئی ہے۔"

اور دوسرے مقام پر ہے:

﴿وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ

يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ﴾ [النساء : ۱۱]

''والدین میں سے ہر ایک کو ۱/۶ حصہ ملے گا۔ اگر میت کی اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور اس کے وارث اس کے والدین ہوں تو ماں کو ۱/۳ حصہ ملے گا اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو اس کی ماں کو ۱/۶ حصہ ملے گا۔''

یہ آیات پڑھ کر امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا کہ پہلی آیت کی رو سے میت کو والدین اور اقربین کے حق میں وصیت کو پورا اختیار دیا گیا ہے لیکن دوسری آیت میں ''اقربین'' کے حق میں اس اختیار کو کلی طور پر سلب کر کے اللہ تعالیٰ نے خود ان کے حصے مقرر کر دیے ہیں۔ اب بتائیے کہ سنت (حدیث) سے آپ بے نیاز ہو کر کس آیت پر عمل کریں گے اور کیوں......؟ سنت تو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ پہلی آیت منسوخ ہے اور دوسری ناسخ۔ یعنی پہلا حکم ختم ہو چکا اب صرف دوسرا حکم باقی ہے۔ اب آپ نہ تو سنت کو حجت مانتے ہیں اور نہ ناسخ و منسوخ کو۔ ان دونوں آیات پر بیک وقت عمل کرنا محال ہے۔ پھر آپ کیا کریں گے؟ چنانچہ امام موصوف کی اس دلیل کے سامنے منکر حدیث سنت سے احتجاج کا قائل ہو گیا۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سنت کو ناقابل التفات سمجھ کر اگر کوئی شخص صرف الفاظ قرآن کے لغوی معانی پر ہی عمل کرنے لگے تو وہ شخص گمراہ ہو جائے گا، کتاب اللہ سے جاہل رہ جائے گا۔ اندھیروں میں ہاتھ پیر مارنے والا ہو گا اور کبھی بھی راہ حق نہ پا سکے گا۔''

فہم قرآن کے لیے صرف زبان پر انحصار کافی نہیں ہے:

کوئی شخص عرب جاہلیت کے شعراء کے کلام، خطیبوں کے کلام اور معلقات سبعہ پر اور عربی زبان و محاورات پر خواہ کتنی ہی قدرت کیوں نہ رکھتا ہو وہ پھر بھی احکام قرآن کی منشائے الٰہی کے مطابق تعمیل نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ وہ معلم قرآن سیدنا رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی طرف رجوع نہ کرے۔ احکام کی بات تو دور وہ قرآن مجید کے بعض الفاظ سے

مرادِ متکلم بھی معلوم نہیں کر سکتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کی آیت: ”اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ“ [الأنعام : ۸۲] (جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے بچائے رہے ان کو ہی امن ہوگا اور وہ لوگ ہی ہدایت یافتہ ہیں) میں لفظ ”ظلم“ کو اس کے ظاہری مفہوم پر محمول کرتے ہوئے اس سے ہر چھوٹا بڑا ظلم مراد سمجھا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر زبان دان کون ہوسکتا تھا کہ قرآن مجید ان ہی کی زبان میں نازل ہوا تھا اور اس وقت تک زبان بھی ہر قسم کے عیوب ونقائص اور درآمدات سے پاک تھی، لیکن پھر بھی ان کو صرف زبان کی مدد سے اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ صحیح بخاری اور مسلم میں مروی ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں ایسا کون ہے جس کے ایمان میں ظلم کا شائبہ نہیں ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں ظلم کا عام مفہوم مراد نہیں بلکہ اس سے شرک مراد ہے، کیا تم کو حضرت لقمان کا قول معلوم نہیں کہ ”اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ“ [لقمان : ۱۳] یعنی شرک بڑا ظلم ہے۔

جب آیت ”وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ“ [البقرہ : ۱۸۷] (ماہ رمضان میں اس وقت تک کھاتے پیتے رہو جب تک کہ تمھارے لیے سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے واضح ہو جائے) نازل ہوئی تو ایک صحابی نے ایک سیاہ اور ایک سفید دھاگا اپنے سرہانے رکھ لیا کہ جب تک یہ دونوں ایک دوسرے سے واضح طور پر الگ نظر نہ آنے لگیں اس وقت تک کھانے پینے کی اجازت ہے۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: اس سے مراد رات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی ہے۔ [بخاری]

صحابہ کی زبان دانی یہاں ان کے کس کام آئی؟ اب ۱۴۳۷ء سال بعد کچھ لوگ جو کسی جامعہ یا دارالعلوم سے عربی بھی نہیں پڑھے ہیں، جن کی زبان دانی معمولی اور علمی صلاحیت

صرف مطالعہ کتب ہے، وہ اب قرآن مجید کو عرب شعراء کے کلام اور عرب جاہلیت کے ادبی سرمائے سے سمجھنے اور سمجھانے نکلے ہیں۔

فہم قرآن کے لیے حدیث رسول ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ﴾ [النحل : ٤٤]

''یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔''

''اس آیت میں ''الذِّكْرَ'' سے مراد بالاتفاق قرآن کریم ہے اور رسول اللہ ﷺ کو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مامور فرمایا ہے کہ آپ قرآن کی نازل شدہ آیات کا بیان اور وضاحت لوگوں کے سامنے رکھ دیں۔ اس میں اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن کریم کے حقائق و معارف اور احکام کا صحیح سمجھنا رسول اللہ کے بیان پر موقوف ہے۔ اگر ہر انسان صرف عربی زبان اور عربی ادب سے واقف ہو کر قرآن کے احکام کو حسب منشاء الٰہی سمجھنے پر قادر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو بیان و توضیح کی خدمت سپرد کرنے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔''

[معارف القرآن از مفتی محمد شفیع]

قرآن مجید رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا، آپ کاتبین وحی کے ذریعے آیت کی کتابت کراتے، عرب میں آپ کی رسالت کے وقت بھی فصیح و بلیغ شعراء کی کوئی کمی نہیں تھی۔ آپ اُن کو قرآن مجید کی آیت سناتے اور لکھواتے اور پھر فرماتے: یہ قرآن مجید تمھاری زبان میں نازل ہوا ہے۔ میں شاعر بھی نہیں ہوں، تم میں بہت قادر الکلام شعراء اور خطیب موجود ہیں، جا کر ان سے ان آیات کے معنی اور تشریح معلوم کرو۔ وہی بات جو جاوید احمد غامدی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ منسوب ایک روایت سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انھوں نے لوگوں کو عرب جاہلیت کے اشعار کی حفاظت کرنے کی یہ کہہ کر تعلیم دی کہ ان اشعار میں قرآن مجید کی تفسیر بھی ہے اور کلام اللہ کے معنی بھی۔ (میزان۔ ص:١٩) مگر ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کی آیات ہی صحابہ کو نہیں سناتے بلکہ اُن کو پاک کرتے ہیں اور قرآن

مجید اور حکمت کی تعلیم بھی دیتے ہیں، یعنی علم ہی نہیں عمل بھی اُن کو سکھاتے ہیں۔ اپنے قول سے ہی نہیں عمل سے بھی ان کو اسلام کی تعلیم دے رہے ہیں۔ [الجمعه : ۳]

ائمہ اربعہ اور حجیت حدیث:

دین اسلام عبارت ہے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع سے۔ سیدنا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو دین اسلام میں وہی حیثیت حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو، اس لیے کہ حضور کی اطاعت بالواسطہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور یہی بات اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [النساء : ۸۰]

”جس نے رسول کی اطاعت کی اسی نے اللہ کی اطاعت کی۔“

اور یہی بات سیدنا رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے:

« من أطاعني فقد أطاع الله » [بخاری]

”جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

سیدنا رسول اللہ ﷺ کے عصر وعہد میں جیسا کہ ہم آگے چل کر اس کی تفصیل بیان کریں گے اور آپ ﷺ کے بعد عہد صحابہ، تابعین و تبع تابعین میں آپ ﷺ کے اقوال واعمال کی جمع وتدوین کا آغاز ہوا، بلکہ آپ کے صحابہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے درویش منش بھی تھے جنھوں نے اپنی حیات مستعار حفظ احادیث کے لیے وقف کر دی، صحابیات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس ضمن میں ناقابل فراموش خدمت انجام دی، حتیٰ کہ اکثر صحابہ مسائل وفتاویٰ میں آپ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کرتے۔ تابعین میں ابن شہاب زہری، سعید بن مسیّب، عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور عمر بن عبدالعزیز کی خدمات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں، آخر الذکر جب سریر آرائے خلافت ہوئے، تو مختلف بلاد و امصار کے علماء کو احادیث نبویہ کی فراہمی پر مامور کیا۔ آپ نے امیر مدینہ ابوبکر ابن حزم کو خصوصی طور پر جمع احادیث کی خدمت تفویض کی۔ ظاہر بات ہے یہ سب کاوشیں جو صحابہ اور تابعین نے حفظ احادیث اور

تدوین احادیث کے لیے کیں، احادیث نبوی کو شرعی ماخذ مان کر اور جان کر ہی کیں۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

كل العلوم سوى القرآن مشغلة
إلا الحديث والفقه في الدّين
العلم ما كان فيه قال حدثنا
وما سوى ذاك وسواس الشياطين

"قرآن مجید، حدیث نبوی اور فقہ کے سوا تمام علوم صرف وقت کٹی کا سامان ہیں۔ اصل علم تو وہی ہے جس میں "قال، حدثنا" ہو۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے اس کی حیثیت شیطانی وسوسوں سے زیادہ نہیں۔"

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حجیت حدیث:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جب مجھے کسی مسئلہ کے بارے میں کتاب اللہ سے کوئی نص مل جاتی ہے تو اس پر اکتفا کرتا ہوں۔ جب کتاب اللہ کی نص موجود نہ ہو تو حدیث رسول اور ان آثار صیحہ پر عمل پیرا ہوتا ہوں جو ثقاہت میں عموماً رائج ہیں۔ جب کسی مسئلہ کا حل مجھے کتاب وسنت میں نہیں ملتا تو اقوال صحابہ سے احتجاج کرتا ہوں، جس صحابی کا چاہتا ہوں قول لے لیتا ہوں اور جس کا قول چاہتا ہوں ترک کر دیتا ہوں، مگر صحابہ کے مجموعۂ اقوال سے میں باہر نہیں جاتا۔ جب نوبت ابراہیم نخعی، شعبی، حسن بصری، ابن سیرین اور سعید بن المسیب جیسے تابعین تک آتی ہے تو میں اجتہاد کرتا ہوں جیسے انھوں نے اجتہاد کیا تھا۔"

امام مالک رحمہ اللہ اور حجیت حدیث:

امام مالک نے الموطا تالیف فرمائی، یہ احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ وتابعین کی جامع

ہے۔ جلال الدین سیوطی نے اپنی شرح موطا کے مقدمہ میں امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے:
''میں نے یہ کتاب مدینہ منورہ کے ستر علماء کو دکھائی، سب نے میری تائید کی، اس لیے میں نے اس کا نام ''الموطا'' رکھا۔'' آپ کو نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے والہانہ عقیدت تھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ مدینہ میں جب آپ کے وابستہ دامن ہو گئے انھوں نے آپ کی ''الموطا'' زبانی یاد کر کے آپ کو سنائی۔ حدیث کی نشر و اشاعت میں امام مالک رحمہ اللہ کا نام قابل ذکر ہے۔ آپ کا مشہور قول ہے: ''میں ایک انسان ہوں، میری رائے ٹھیک بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی۔ پس کتاب اللہ اور سنت رسول پر میری بات پیش کر لیا کرو۔''

امام شافعی رحمہ اللہ اور حجیت حدیث:

''امام شافعی رحمہ اللہ اپنے عصر و عہد میں کتاب و سنت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ حدیث نبوی ﷺ آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ آپ ہمیشہ اس بات سے منع کیا کرتے تھے کہ کتاب و سنت کو ترک کر کے لوگوں کے افکار و آراء کو معمول بنایا جائے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تمھارے پاس میرے قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث پہنچ جائے تو اس کی پیروی کرو اور خوب جان لو کہ وہی میرا مذہب ہے۔'' امام شافعی رحمہ اللہ کو حدیث نبوی کے ساتھ جو لگاؤ تھا اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ خبر واحد کو بھی دین میں حجت سمجھتے ہیں۔ اسی بنا پر اہل بغداد آپ کو ''ناصر السنۃ'' کے لقب سے یاد کیا کرتے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اولین شخص تھے جس نے اصول الفقہ پر کتاب لکھی اور اصول حدیث کی طرح ڈالی۔ قوانین روایت پر کتاب تحریر کی اور محدثین کرام کے لیے علوم حدیث کی تالیف و تدوین کی راہ ہموار کی۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور حجیت حدیث:

''امام شافعی رحمہ اللہ جب بغداد تشریف لائے تو امام احمد رحمہ اللہ آپ سے وابستہ ہو گئے۔ آپ نے حدیث و فقہ کی جانب پوری توجہ مبذول کی حتیٰ کہ اکابر محدثین محمد

بن اسماعیل بخاری اور مسلم بن حجاج نیشا پوری نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ حدیث وفقہ میں مہارت کے باوجود احادیث کی تصحیح وتضعیف کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ پر اعتماد کیا کرتے تھے۔ امام مالک اور امام شافعی کے بعد احادیث نبویہ کا عام چرچا ہوا، حتیٰ کہ امام احمد کا زمانہ آیا تو آپ کے پاس اتنا ذخیرہ احادیث جمع ہوگیا کہ کسی کے پاس نہ ہوا تھا۔ آپ نے صرف احادیث کو پیش نظر رکھا۔ خالص احادیث وآثار کا اتباع کرنے کی وجہ سے آپ کا مسلک الگ شمار ہونے لگا۔ امام احمد کا مسلک یہ تھا کہ حدیث نبوی کی موجودگی میں کسی کا قول حجت نہیں۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ امام احمد فرمایا کرتے تھے: ''اللہ ورسول کے قول کے مقابلے میں کسی کی بات حجت نہیں، نہ میری پیروی کیجیے، نہ امام مالک کی، نہ اوزاعی کی اور نہ نخعی کی اور وہاں سے احکام اخذ کیجیے جہاں سے انھوں نے لیے ہیں، یعنی کتاب وسنت سے۔''

[ائمہ سلف اور اتباع سنت از امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ]

شریعت کی اصل کتاب وسنت ہے[1]:

''امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اصول کے مطابق شریعت کی اصل قرآن اور سنت ہے اور یہ سنت قرآن ہی کی تفسیر، توضیح اور تبلیغ ہے جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا۔ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے شریعت الٰہی کا علم محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔ یہی تھے جنھوں نے ارشادات رسول کو سنا اور انھیں یاد رکھا، محفوظ رکھا اور جس طرح سنا تھا، جس طرح سمجھا تھا اسی طرح تابعین کے سامنے نقل کردیا۔ بنا بریں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کسی بھی شرعی مسئلہ کے لیے کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اللہ اور رسول کے بعد اگر کسی کا وہ اتباع کرتے تھے تو صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا۔ پھر اقوال تابعین

[1] دوسرے علمائے اسلام کی طرح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ''سنت'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر کا نام ہے۔ یعنی حدیث وسنت مترادف الفاظ ہیں: "والسنة قوله وفعله وتقريره." (مجموعہ رسائل کبریٰ)

سے تائید لینا بھی مرغوب خاطر تھا، بلکہ مناظروں میں کبھی ان کو بطور حجت بھی پیش کر دیا کرتے تھے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اصول وطرق میں پہلی چیز ''نصوص'' ہے، نصوص میں کتاب (قرآن) کے ساتھ سنت (حدیث رسول) بھی داخل ہے جو قرآن کی مفسر ہو، پھر باقی سنن۔ آپ اس مسلک پر گامزن ہیں کہ کتاب وسنت باہم لازم وملزوم ہیں۔ اس لیے کہ سنت کو قرآن کی شارح اور مفسر کی حیثیت حاصل ہے جو حسب ضرورت اور حسب موقع اس کی وضاحت اور تبیین کرتی ہے۔ بنابریں فقہائے حنابلہ قرار دیتے ہیں کہ:

① سنت اپنے اعتبار اور قوت استدلال کے لحاظ سے کتاب (قرآن) سے متاخر ہے۔

② احتمال واشتباہ کے موقع پر تعیین معانی میں سنت ہی کے بیان اور وضاحت سے مدد ملتی ہے۔

اللہ اور رسول کا فیصلہ آخری ہے:

پہلا امر تمام فقہائے مسلمین کے نزدیک تسلیم شدہ ہے، اس لیے کہ قرآن ہی اسلام کی سب سے بڑی اور پہلی حجت ہے اور سنت سے احتجاج (دلیل لانا) خود قرآن سے ثابت ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ [الأحزاب : ٣٦]

''کسی مومن اور مومنہ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر اس کے بعد وہ اپنی رائے سے کام لیں سکیں۔''

مزید فرمایا:

﴿وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر : ٧]

''جو کچھ رسول تمھیں (حکم) دے اسے لے لو (مان لو) اور جس بات سے منع کرے سے رک جاؤ۔''

پس چونکہ سنت کا حجت ہونا قرآن سے ثابت ہے لہٰذا اس کا اعتبار قرآن سے متاخر ہے، کیونکہ اگر قرآن نہ ہوتا تو یہ حجت بھی نہ ہوتی۔

سنت کی حیثیت:

دوسرا امر بھی قابل تسلیم ہے، کیونکہ تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اشتراک وابہام کی صورت میں سنت کتاب اللہ کی شارح ہے اور قرآن کے جو امور لوگوں کی نگاہ سے مخفی ہیں ان کی تبیین اور اس کے مجمل کی تفصیل ہے، لہٰذا یہاں تک تو کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن یہاں پیشِ نظر دو باتیں ہیں:

① سنت کسی ایسے حکم کی حامل ہو جس پر قرآن میں کوئی نص موجود نہ ہو۔

② یہ کہ سنت اگر ظاہر قرآن اور نصوص عامہ کی مخالف ہو تو اسے ترک کر دیا جائے یا لے لیا جائے؟

ان میں سے پہلے امر کا جہاں تک تعلق ہے جمہور فقہائے مسلمین اس پر متفق ہیں کہ سنت ایسے احکام کی حامل ہو سکتی ہے جن پر قرآن میں کوئی نص موجود نہ ہو۔ وہ بجائے خود حجت ہے اور اس کے لیے قرآن میں کوئی حکم تلاش نہیں کیا جائے گا، کیونکہ خود قرآن سے احکام سنت قبول کرنے کی تائید نکلتی ہے۔ بعض فقہاء محققین کا یہ کہنا ہے کہ سنت کسی ایسے حکم کی حامل نہیں ہے جس کی اصل قرآن میں موجود نہ ہو، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جب تک قرآن میں کسی حکم سنت کی صراحت موجود نہ ہو وہ قابل عمل نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ سنت کسی ایسے امر کی حامل ہو جو قرآن پر مخالفانہ زیادتی کو لازم کرے، اس زیادتی کی عبارت یا اشارت کی صورت میں قرآن کے اندر اصل موجود ہوگی اور مسلمان کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ سنت کے شواہد قرآن سے تلاش کرنے کے جھمیلے میں پڑے، بلکہ لازم ہے کہ اگر ایسی صحیح وثابت حدیث مل جائے جس کو ثقات سے منقول ہونے میں علماء کی تلقی بالقبول حاصل ہو تو اسے بے چون وچرا قبول کر لینا چاہیے۔

سنت کی تین قسمیں ہیں اور تینوں ہی حجت ہیں:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر سنت مستقل حجت ہے، یعنی قرآن کی شارح و مفسر ہو یا نہ ہو وہ سنت کی تین قسمیں قرار دیتے ہیں اور تینوں کو حجت مانتے ہیں۔ وہ تین یہ ہیں:

① وہ سنت متواترہ جو ظاہر قرآن کی مخالف نہ ہو بلکہ اس کی مفسر ہو۔ مثلاً نمازوں کی تعداد یا نماز کی رکعتوں کی تعداد یا زکوٰۃ کا نصاب اور اس کے انواع وفرائض، حج اور قربانی کی صفت، عمرہ اور اس کے ارکان، یہ اور اس طرح کے دوسرے احکام صرف سنت ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں اور علماء کا ان کے بارے میں اجماع ہے کہ یہ قرآن کا تتمہ ہیں۔ پس جو ان کی حجیت کا انکار کرتا ہے وہ علم دین کا انکار کرتا ہے۔ رکن اسلام کو منہدم کرتا ہے اور اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکتا ہے۔

② ایسی سنت متواترہ جو قرآن کی تفسیر نہیں کرتی اور نہ ظاہر قرآن کی مخالف ہے لیکن ایسے حکم کی حامل ہے جو قرآن میں منصوص نہیں ہے۔ جیسے زانی کے لیے سنگساری کی سزا یا نصاب سرقہ کی تعیین۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک خوارج (اور منکرین حدیث) کے سوا سلف اور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اس سنت سے حجت لینا درست اور بجا ہے۔ امام صاحب لکھتے ہیں:

''جمیع سلفِ امت اس سنت پر عمل ضروری جانتے ہیں۔ سوائے خوارج (اور منکرین حدیث) کے کہ وہ حجیت سنت کے مخالف ہیں۔ یہ بھی ان سے منقول ہے کہ وہ قرآن کے علاوہ مفسر قرآن سنت ہی کو مانتے ہیں اور جب رسول اللہ ﷺ کی حدیث ظاہر قرآن کے مخالف ان کو نظر آئے تو وہ ظاہر قرآن پر عمل کریں گے۔ سنت کو چھوڑ دیں گے۔ یہی وہ فرقہ مارقہ ہے جو اس طرح اسلام سے صاف نکل گیا جیسے تیر شکار کے اندر سے نکل جاتا ہے:

''لهذا كانوا مارقة مرقوا من الإسلام كما طرق السهم من الرمية.'' اس فرقے کا پہلا بانی رسول اللہ نے اس شخص کو قرار دیا تھا جس نے آپ کی ایک مالی تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا: ''هذه قسمه ما اريد به وجه الله'' ''یہ تقسیم اللہ کے لیے نہیں کی گئی۔'' جس کے جواب میں آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

''اگر میں نے انصاف نہیں کیا تو تم سراسر خسارے میں رہے، یعنی اگر مالیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد کردہ امانت میں تم مجھ کو غیر ذمہ دار اور خائن وظالم سمجھتے ہو تو وحی آسمانی کے بارے میں مجھ کو کیسے ذمہ دار قرار دے سکتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آسمان کی باتوں کا امین بنایا ہے۔ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تو مجھ کو امین قرار دے اور رسول بنا کر بھیجے اور تم مجھ کو غیر امین سمجھتے ہو۔''

③ رسول اللہ ﷺ سے تواتر سے مروی سنتیں تلقی بالقبول کی حیثیت سے یا یہ کہ ثقات نے ان کو روایت کیا ہے، ان کے بارے میں بھی اہل علم فقہ وحدیث کا اتفاق ہے کہ ایسی حدیثیں قابلِ قبول ہیں اور ان کا اتباع واجب ہے۔

قرآن وحدیث میں کوئی تعارض نہیں:

امام احمد بن حنبل اس بات کے سختی سے قائل ہیں کہ سنت قرآن کی مفسر ہے اور کہ ظاہر قرآن کو مقتضائے سنت پر محمول کرنا چاہیے، اس لیے کہ قرآن وسنت میں کوئی تعارض ہے ہی نہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے ظاہر قرآن کی آڑ لے کر سنت کو مسترد کر دیا ہے ان کے رد میں آپ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک محمد رسول اللہ ﷺ کو ہدایت اور دینِ حق دے کر مبعوث فرمایا تاکہ اس کو سب ادیان پر غالب کرے۔ ان پر وہ کتاب نازل فرمائی جو اس پر عمل کرنے والوں کے لیے سراسر ہدایت ونور ہے۔ ان ہی کو یہ حق دیا کہ وہ قرآن کے ظاہر، باطن، خاص، عام اور ناسخ ومنسوخ بتائیں۔ پس رسول اللہ ﷺ ہی کتاب اللہ کے مفہوم ومعنی کی وضاحت کرنے والے تھے۔ اس امر کا صحابہ نے مشاہدہ کیا جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی رفاقت کے لیے انتخاب فرمایا تھا۔ انھوں نے آں حضرت ﷺ کی یہ تعبیریں اور تفسیریں نقل کیں۔ اس مشاہدہ کی بنا پر وہی سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو جاننے والے اور اس حقیقت سے آشنا تھے کہ قرآن کی آیت میں اللہ کی مراد کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے

بعد قرآن کی مراد بتانے والے صرف صحابہ کرام ہی ہیں۔“

حدیث/سنت کے بغیر کچھ نہیں:

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں علم قرآن صرف طریق سنت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور دین کی طلب کا راستہ سنت نبوی ہی ہے۔ فقہ اسلام اور شرائع اسلام تک پہنچنے کی راہ صواب بھی سنت ہے اور جو لوگ استعانت سنت کے بغیر صرف کتاب (قرآن) پر اِنحصار کرتے ہیں اور اس کے شرائع کو سمجھنے کی سعی کرتے ہیں وہ گمراہ ہیں اور راہ صواب پر گامزن ہی نہیں ہو سکتے۔ اس کی متعدد وجوہ ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

① نصوص قرآن سے اطاعت رسول ﷺ کا وجود ثابت ہے۔ اطاعت رسول بغیر اتباع سنت/حدیث کے کیونکر ممکن ہے؟ اور رسول اللہ ﷺ سے حکم حاصل کرنا جس طرح آپ کی زندگی میں دینی طور پر ضروری تھا اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی آپ سے مروی احادیث صحیحہ پر عمل کرنا پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [النساء : ٦٥]

”سو قسم تیرے رب کی! یہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں۔ پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔“

② فرمان نبوی ہے:

”ایک زمانہ آئے گا کہ تم میں سے کوئی شخص تکیہ سے ٹیک لگائے تخت پر بیٹھا ہوا ہوگا۔ اس کے سامنے میری حدیث بیان کی جائے گی۔ وہ کہے گا: میرے اور تمھارے درمیان اللہ کی کتاب ہے، اس میں جو چیز حلال کی گئی ہے ہم بھی اسے حلال سمجھیں گے اور جو اس میں حرام کی گئی ہے ہم بھی اسے حرام کریں گے۔ خبردار! یاد رکھو، جو کچھ اللہ کے رسول ﷺ نے حرام کر دیا ہے وہ بھی ویسا ہی حرام

ہے جیسے اللہ کی حرام کی ہوئی کوئی چیز۔" [بروایۃ حضرت مقدام بن معد یکرب۔ مشکوۃ]

④ احکام اسلامیہ کا بڑا حصہ جو مسلمانوں کا اجماعی ہے، سنت ہی سے ماخوذ ہے اور بہت سے مسائل ان میں وہ ہیں جن سے قرآن کے عام کی تخصیص ہوئی ہے۔ مثلاً بیوی کی موجودگی میں اس کی پھوپھی یا خالہ سے شادی کی حرمت۔ یہ تحریم حدیث ہی سے ثابت ہے جس نے اللہ کے اس قول کی تخصیص کر دی ہے:

﴿وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ [النساء : ٢٤]

"اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمھارے لیے حلال کی گئیں۔"

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ پوری قوت اور سختی کے ساتھ تمسک بالسنۃ پر عامل ہیں۔ وہ اسے کتاب پر حاکم (قرآن مجید کے معانی کی تبیین وتعیین میں فیصلہ کن) مانتے ہیں، وہ لوگوں کو اس سے منع کرتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کریں۔ وہ پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے قرآن کی تفسیر فرمائی ہے، کیونکہ یہ آپ کی ذمہ داری تھی کہ اس کی تشریح وتوضیح فرمائیں، اس کا بیان اور تبلیغ کریں۔ پھر صحابہ نے پورے طور پر قرآن کی تفسیر اور اس کا علم حاصل کر لیا تھا۔ عام اس سے کہ اس کا تعلق اعتقاد سے ہو یا عمل سے صحابہ نے تفسیر قرآن اور تخریج احکام کا علم پا لیا تھا۔ اگر کچھ صحابہ کسی امر سے ناواقف تھے تو بعض دوسرے واقف تھے اور یہ سب تبادلۂ معلومات کرتے رہتے تھے۔

[حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ از محمد ابوزہرہ]

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجدد نہیں رسول ہیں:

ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

﴿رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ [البقرۃ : ١٢٩]

"اے ہمارے رب! ان میں انھی میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے۔ انھیں کتاب وحکمت سکھائے اور انھیں پاک کرے، یقیناً تو غلبہ

والا حکمت والا ہے۔"

اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ بنی اسماعیل میں ہی ایک رسول مبعوث فرما جو تیری آیات اُن کو سنائے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جس دین ابراہیمی کی تجدید کے لیے ہوئی......"

[میزان، ص:۲۷۴]

وہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین ابراہیم کے مجدد کے طور پیش کرتے ہیں۔ جن کا بنیادی کام نامہ بر (چٹھی رساں) کی طرح (نعوذ باللہ) لوگوں تک قرآن مجید پہنچانا تھا اور ۲۶ روایت ابراہیمی کی تجدید واصلاح کر کے اپنے ماننے والوں کے سامنے پیش کرنا تھا۔ ان روایت ابراہیمی کے لیے وہ "سنت" کی اسلامی اصطلاح ہی استعمال کرتے ہیں مگر اس معنی ومفہوم کے ساتھ نہیں جس کے لیے (رسول اللہ قول، فعل اور تقریر) ائمہ سلف وخلف یہ اسلامی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ اگر واقعتاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "روایت ابراہیمی" ہی کے مجدد ہیں کامل واکمل رسول نہیں ہیں، پھر ابراہیم کو یہ دعا کرنی چاہیے تھی: "اے ہمارے رب! بنی اسمٰعیل میں ایک ایسا مجدد پیدا کر جو میری روایت کی ان میں تجدید کرے؟" اس کے برعکس وہ جو دعا کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ شریعت ان پر مکمل نہیں ہوئی ہے اور ابھی دین دعوت وتبلیغ ہی کے مرحلے میں ہے جہاد وقتال کی اجازت اور اسلامی ریاست کی تعمیر ابھی باقی ہے اور یہ کہ نعمتوں کا اتمام ہونا بھی ابھی باقی ہے۔ ابھی آیات الٰہی نازل ہونے والی ہیں۔ آخری جامع کتاب نازل ہونے والی ہے۔ حکمت نازل ہونے والی ہے۔ کئی رسول اور کئی کتابیں اس آخری رسول اور آخری کتاب کے لیے زمین ہموار اور فضا سازگار بنانے کے لیے نازل ہونے والی ہے۔ بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام کا شمار پانچ اولوا العزم رسل میں ہوتا ہے، مگر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نہ پہلے رسول

تھے اور نہ ہی آخری رسول، وہ اسی ملت (دین کی اساسی تعلیم، توحید، رسالت، معاد) کے ساتھ بھیجے گئے تھے جس ملت کے ساتھ اُن سے پہلے نوح، ہود اور صالح علیہم السلام، ان کے بعد داوٗد، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام بھیجے گئے ہیں۔ ان سب رُسل کا دین (ملت) ایک ہی تھا مگر ان کو دی گئی شریعتوں میں بعض فروعی احکامات ایک دوسرے سے مختلف تھے، پھر ملت اور شریعت دونوں کی تکمیل سیدنا رسول اللہ ﷺ پر ہوگئی:

﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ [المائدة : ٤٨]

”اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے۔ اس لیے آپ ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ حکم کیجیے، اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ جائیں تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے۔ اگر منظورِ مولیٰ ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمھیں دیا ہے اس میں تمھیں آزمائے، تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو۔ تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔ پھر وہ تمھیں ہر وہ چیز بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو۔“

ملت اور شریعت میں فرق:

فرمان نبوی ﷺ ہے:

”انبیاء علاتی بھائی ہیں۔ ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔“

شرح: مطلب یہ ہے کہ ان کا دین ایک ہی تھا اور شریعتیں (دستور اور طریقے) مختلف تھیں، لیکن شریعت محمدیہ کے بعد اب ساری شریعتیں بھی منسوخ ہوگئی ہیں اور اب دین بھی ایک ہے اور شریعت بھی ایک اسی میں اب دنیاوی ہدایت بھی ہے اور اُخروی فلاح بھی۔

ظاہر بات ہے ایک ایسے رسول پر شریعت کی تکمیل کیسے ہو سکتی تھی جس کے بعد کئی رسول مبعوث ہونے والے ہوں، کئی کتابیں نازل ہونے والی ہوں؟ اور بالخصوص خاتم النّبیین آفاقی اور ابدی رسالت کے ساتھ مبعوث ہونے والے ہوں، جب کہ ابراہیم علیہ السلام کی رسالت زمان و مکاں کے ساتھ خاص تھی۔ یہ بات خلاف عقل وحکمت ہے کہ ایک ایسے رسول جس کی رسالت ہمہ گیر اور عالمگیر ہے جس پر دین کی تکمیل ہوگئی ہو اور نعمتیں تمام ہو چکی ہوں، کو ایسے رسول کی روایت کا مجدد قرار دیا جائے جو ابھی ارتقائی مرحلے میں تھی۔ یہ گمراہ کن نظریہ کہ ''دین قرآن اور ۲۶ ابراہیمی روایت کا نام ہے'' صرف اس لیے پیش کیا جاتا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت پیدا کی جائے۔ یہودی لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے لیے نہ کہیں، نصاریٰ لوگوں کو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے لیے نہ کہیں اور مسلمان لوگوں کو سیدنا رسول اللہ پر ایمان لانے کے لیے نہ کہیں۔ سب ابراہیمی روایت پر متحد ہوں اور ہر وہ شخص جو ''اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے جنت کا حق دار ہے۔''

قرآن مجید میں بار بار ملت ابراہیم کی پیروی کی جو بات بیان ہوئی ہے اس کی بنیادی طور پر دو وجوہات ہیں:

① یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ سب اپنے آپ کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسلاً اور دیناً منسوب کرتے تھے۔

② عرب میں زمانۂ رسالت میں یہ تین گروہ موجود تھے اور قرآن کے پہلے مخاطبین بھی یہی تھے۔

قرآن مجید نے بار بار ان تینوں یہود و نصاریٰ اور قریش مکہ سے اس نسبتِ ابراہیمی پر سوال کیا کہ تم نسلاً اور دیناً اپنے آپ کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہو مگر جس ملت

(دین حنیف۔توحید) پر وہ تھے تم سب اس توحید سے انحراف کر چکے ہو۔ یہود کا عزیر ابن اللہ کا عقیدہ، نصاریٰ کا عیسیٰ ابن اللہ کا عقیدہ اور قریش مکہ کے شرکیہ عقائد اس انحراف کی کھلی شہادت ہے۔ تم چونکہ ملت ابراہیمی سے منحرف ہو چکے ہو اور آج اگر واقعتاً کوئی ملت ابراہیمی (توحید) پر ہے تو وہ تم نہیں بلکہ سیدنا رسول اللہ ﷺ اور اُن پر ایمان لانے والے فرزندان توحید ہیں۔

﴿قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ وَ مَآ أُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ الْإِنْجِيْلُ إِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٥﴾ هٰٓأَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۚ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ إِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦٧﴾ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران : ٦٤ تا ٦٨]

’’آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو: ہم تو مسلمان ہیں۔ اے اہل کتاب! تم ابراہیم کی بابت کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات وانجیل تو ان کے بعد نازل کی گئیں۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟ سنو! تم لوگ اس میں جھگڑ چکے جس کا تمھیں علم تھا، پھر اب اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں علم ہی نہیں؟ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم تو نہ یہودی تھے اور نہ

نصرانی تھے بلکہ وہ تو یک طرفہ (خالص) مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے بھی نہ تھے۔ سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے، مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ ہی ہے۔"

جاوید احمد غامدی سورۃ النحل کی آیت: ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [النحل : ۱۲۳] (پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کریں جو مشرکوں میں سے نہ تھے) میں موجود لفظ "مِلَّةَ" سے ۲۶ ابراہیمی روایت مراد لیتے ہیں اور پھر رسول اللہ ﷺ کو بحیثیت مجدد ان روایات کو لوگوں میں رائج کرنے پر مامور مانتے ہیں۔ آیت پر غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آیت میں "مِلَّةَ" سے مراد دین کی وہ اساسی تعلیم ہے جس میں توحید اور معاد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ وہی اساسی تعلیم جس کے ساتھ تمام انبیاء اور رُسل لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں، نہ کہ وہ ۲۶ ابراہیمی روایات کا پیکج جو ۱۴۲۷ سال بعد جاوید احمد غامدی دین کے طور پیش کر رہے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے ملت ابراہیم کی ہی پیروی کرنے کی کیوں وحی بھیجی گئی۔ نوح یا ہود علیہما السلام کی ملت کی پیروی کرنے کے لیے کیوں نہ کہا گیا؟ اس سوال کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ عرب میں جو تین گروہ زمانۂ رسالت میں پائے جاتے تھے جو قرآن مجید کے پہلے مخاطبین بھی تھے (یہود، نصاریٰ اور قریش مکہ) وہ سب اپنے آپ کو دین ابراہیم کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اس لیے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے جب یہ اعلان ہوگا کہ ہم اسی ملت کے پیرو کار ہیں جس کے ساتھ تمھارے جد امجد اور مذہبی پیشوا ابراہیم بھیجے گئے تھے اس لیے تم اگر واقعی ابراہیم کو اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہو تو آؤ! ہم تم کو بتائیں وہ کس دین کے پیروکار تھے۔ وہ دین حنیف کے پیروکار اور توحید کے علمبردار تھے۔ یہ دراصل

ان تینوں گروہوں کو توحید کی طرف بلانے کا موثر طریقہ تھا۔ جس طرح اگر سیدنا رسول اللہ ﷺ اہل احقاف کی طرف بھیجے جاتے تو آپ ﷺ وہاں ملت ہود کی بات کرتے، کیونکہ اہل احقاف اپنے آپ کو ہود علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اگر آپ اہل مدین کی طرف بھیجے جاتے تو آپ ﷺ وہاں ملت شعیب کی بات کرتے، کیونکہ اہل مدین اپنے آپ کو شعیب علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اسی طرح اگر آپ اہل نینویٰ کی طرف بھیجے جاتے تو آپ وہاں ملت یونس کی بات کرتے، کیونکہ اہل نینویٰ اپنے آپ کو یونس علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے:

طائف میں بدسلوکی سے دوچار ہونے کے بعد آپ ﷺ عتبہ اور شیبہ کے ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ آپ ﷺ کو ان دونوں بھائیوں نے اس حالتِ زار میں دیکھا تو ان کے جذبۂ قرابت میں حرکت پیدا ہوئی اور انھوں نے اپنے ایک عیسائی غلام کو جس کا نام عداس تھا بلا کر کہا کہ اس انگور سے ایک گچھا لو اور اس شخص کو دے آؤ۔ جب اس نے انگور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر ہاتھ بڑھایا اور کھانا شروع کیا۔ عداس نے کہا: یہ جملہ تو اس علاقے کے لوگ نہیں بولتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمھارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا میں عیسائی ہوں اور نینویٰ کا باشندہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا! تم مردِ صالح یونس بن متیٰ کی بستی کے رہنے والے ہو۔ اس نے کہا: آپ یونس بن متیٰ کو کیسے جانتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ میرے بھائی تھے۔ وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ سن کر عداس رسول اللہ ﷺ پر جھک گئے اور آپ ﷺ کے سر اور ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔

خلاصہ یہ کہ ملت ابراہیم کی پیروی کی جو بات بار بار قرآن مجید میں کہی گئی ہے وہ ان تین گروہوں کو توحید کی طرف بلانے کی دعوتی حکمت تھی۔ (النحل۔۱۲۵) اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام بھی سیدنا رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ رسالت میں زندہ ہو کر آ جاتے تو وہ بھی اس بات کے پابند تھے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لائیں اور آپ ﷺ کی پیروی کریں۔ [آل عمران: ۸۱]

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول ہیں:

﴿يَأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾

[النساء : ۱۷۰]

''اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے حق لے کر رسول آ گیا ہے۔ پس تم ایمان لاؤ تاکہ تمھارے لیے بہتر ہو اور اگر تم کافر ہو گئے تو اللہ ہی کی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ دانا ہے حکمت والا ہے۔''

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ [الانبیاء : ۱۰۷]

''اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔''

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مبلغ ہیں:

﴿يَأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾

[المائدۃ : ٦٧]

''اے رسول! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجیے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کی رہبری نہیں کرتا۔''

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مزکی اور معلم ہیں:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

[الجمعۃ : ۲]

''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مبین قرآن ہیں:

﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾ [النحل : ٤٤]

''یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔ شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔''

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قاضی اور حاکم ہیں:

﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ١ؕ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِیْنَ خَصِیْمًا﴾ [النساء : ١٠٥]

''یقیناً ہم نے تمھاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔''

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ: شاہد، بشیر، نذیر، داعی اور روشن چراغ ہیں:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ۝ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾ [الأحزاب : ٤٥، ٤٦]

''اے نبی! یقیناً ہم نے ہی آپ کو (رسول بنا کر) گواہیاں دینے والا، خوشخبریاں سنانے والا، خبردار کرنے والا بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ۔''

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مذکر ہیں:

﴿فَذَكِّرْ١ؕ۫ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ﴾ [الغاشیة : ٢١]

''پس آپ نصیحت کر دیا کریں (کیونکہ) آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔''

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہادی ہیں:

﴿وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ [الشورىٰ : ٥٢]

''بے شک آپ راہ راست کی رہبری کر رہے ہیں۔''

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النّبیین ہیں:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ﴾ [الأحزاب : ٤٠]

''لوگو! تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد نہیں لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے۔''

آپ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ان حیثیتوں پر غور کیجیے اور پھر سوچیے کیا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت دین ابراہیمی کی تجدید کرنے والے مجدد کے طور پر ہوئی ہے یا اکمل دین کے ساتھ بھیجے گئے کامل رسول کے طور پر؟

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی آپ کی طرف نازل کی گئی ہے جو قرآن مجید میں ہے اور اُن احادیث میں جو آپ سے صحیح طور مروی ہیں کو لوگوں تک پہنچانے کے پابند بنائے گئے ہیں اور یہ فریضۂ رسالت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ آپ صرف قرآن مجید سنانے کے لیے ہی مامور نہ تھے بلکہ لوگوں کو پاک کر کے اُن کو قرآن مجید اور حکمت کی تعلیم دینے کے لیے بھی مامور تھے اور یہ آپ ہی کی ذمہ داری تھی کہ جو کتاب آپ پر نازل ہوئی ہے آپ اس کی تبیین اور تشریح بھی کریں تا کہ وہ اس تبیین اور تشریح کے ساتھ اللہ کی کتاب پر غور وفکر کریں۔ اور یہ تبیین اور تشریح احادیث نبوی میں ہے اور اہم بات یہ کہ یہ تبیین اور تشریح بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ آپ اس بات پر بھی مامور من اللہ تھے کہ وحی کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔ ظاہر بات ہے سیدنا رسول اللہ ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں یہ ذمہ داری تو نبھاتے ہی تھے آپ کے بعد لوگوں کے درمیان فیصلے آپ کے قول وفعل کے

ذریعے ہی ہوں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دادی کی میراث کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

''اللہ کی کتاب میں تمھارا کوئی حصہ مذکور نہیں۔ اسی طرح میرے علم کی حد تک سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا، البتہ میں اس ضمن میں لوگوں سے دریافت کروں گا۔''

چنانچہ جب آپ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت محمد بن مسلمہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے شہادت دی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو ۱/۶ حصہ میراث دلوائی تھی۔ حضرت عمران بن حصین نے بھی یہ سنت لوگوں تک پہنچائی تھی۔ [ابو داؤد]

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ بیوی اپنے خاوند کی دیت سے ورثہ پاتی ہے، ان کا خیال یہ تھا کہ دیت ورثاء کو ملتی ہے حتیٰ کہ ضحاک بن سفیان الکلابی نے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک علاقہ کا امیر بنا کر بھیجا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تحریر کیا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیم الضبابی کی بیوی کو خاوند کی دیت سے ورثہ دلایا تھا۔'' اس کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا اور فرمایا:

''اگر ہم نے یہ حدیث نہ سنی ہوتی تو ہم اس کے خلاف فیصلہ کرتے۔'' [ابو داؤد]

اسی طرح مسئلہ استیذان، مجوسی سے جزیہ کی وصولی، واقعہ طاعون، خاوند والی عورت عدت کہاں گزارے، محرم کے لیے شکار کا تحفہ، حدیث توبہ، فوت شدہ خاوند والی عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت کتنی ہو گی۔ بلا مہر منکوحہ عورت کے مہر کا مسئلہ، انگلیوں کی دیت کا مسئلہ اور کئی ایسے مسائل ہیں جن کے بارے میں بعض صحابہ کو شرعی حکم معلوم نہیں تھا پھر جب اُن کو دوسرے صحابہ نے ان مسائل کے متعلق احادیث نبوی بتائیں تو انھوں نے ان مسائل کے فیصلے احادیث کے مطابق ہی کیے۔

سوال یہ ہے کہ اگر احادیث دین کا حصہ نہیں ہیں، پھر صحابہ احادیث نبوی کی طرف رجوع کیوں کرتے تھے؟ یہ اس بات کی شہادت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح حیات طیبہ

میں حاکم وقاضی کی حیثیت حاصل تھی اسی طرح آپ کے قول وفعل (احادیث نبوی) جو صحیح ہوں، کو بھی حاکم وقاضی کی حیثیت حاصل ہے اور علمائے اسلام کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر احادیث نبوی کی حیثیت تسلیم نہ کی جائے پھر آپ کی آفاقی اور دائمی رسالت پر سوال اٹھتا ہے۔ آپ اس بات کے شاہد ہیں کہ آپ کی وساطت سے قیامت تک لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت قائم ہوگئی ہے۔ کیونکہ آپ قیامت تک رسول، داعی اور ہادی ہیں اور قرآن مجید کی حفاظت دراصل آپ کی ہمہ گیر اور عالمگیر رسالت کی بھی حفاظت ہے اور آپ کی یہ ساری حیثیتیں قرآن مجید اور اس کی تبیین اور تشریح کی صورت میں قیامت تک قائم ودائم رہیں گی۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلی وحی جو نازل ہوئی وہ سورۃ العلق کی ابتدائی آیات ہیں۔ آپ غار حرا میں تشریف فرما تھے تو جبریل علیہ السلام نے آپ کو یہ آیات پڑھائیں۔

اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ نے نہ صرف اپنی رسالت کا اعلان فرمایا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئی ہیں اور یہ آیات جبریل آپ کے پاس لاتے ہیں۔ یہ تینوں باتیں کہ ① جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آئے ہیں۔ ② آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں! ③ یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئی ہیں۔'' حدیث ہی تو ہیں، کیونکہ سورۃ العلق کی ان ابتدائی آیات میں اس طرح کی کوئی بات بیان نہیں ہوئی ہے۔ بلاشبہ یہ تینوں باتیں تکرار کے ساتھ قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام کی آمد، آپ کی رسالت اور آیات کے نزول کے بارے میں صحابہ کبار اسی واقعہ کی بنیاد پر ایمان لائے یا پھر انھوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان تینوں باتوں کے لیے کوئی خارجی شہادت پیش کریں؟ کیا ایسا مطالبہ ورقہ بن نوفل، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کیا یا پھر حقیقت یہ ہے کہ جونہی آپ ﷺ کی زبان حق سے یہ باتیں نکلیں انھوں نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے؟ معلوم ہوا ابتداءً آپ کی طرف

سے رسالت کا دعویٰ، جبرئیل کی آمد اور نزول قرآن سب کی بنیاد آپ الصادق المصدوق کے فرمان عالی شان (احادیث) ہیں۔ دوسری بات یہ کہ قرآن مجید کا اللہ تعالیٰ کا کلام ہونا بلاشبہ قرآن مجید کے اعجاز سے ثابت ہے۔ جس طرح آپ ﷺ کی رسالت اور جبرئیل کا وحی کے ساتھ آپ کے پاس آنا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ صحابہ نہ جبرئیل کو دیکھتے تھے اور نہ اُن کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ جبرئیل یا نزول وحی کے کسی اور ذریعے سے کون سی سورت یا آیت آپ ﷺ پر نازل ہوئی ہے، یہ آپ ﷺ ہی فرماتے کہ یہ سورت یا یہ آیت مجھ پر نازل ہوئی ہے۔ اس اعتبار سے دیکھیے تو ہر سورت اور ہر آیت کا قرآن ہونا پہلے آپ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی آیات کی ترتیب، سورتوں کی ترتیب، سورتوں کے نام اور تعداد یہ سب چیزیں احادیث ہی سے تو ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" کی آیت، پھر دوبارہ "الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کی آیت۔ یہ ترتیب......، سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ اور پھر سورۃ ال عمران......، اس ترتیب تلاوت میں ترتیب نزول کا کوئی دخل نہیں ہے۔ بظاہر سورۃ العلق جو ترتیب نزول کے اعتبار سے پہلی سورت ہے قرآن مجید کی ترتیب تلاوت میں بھی پہلی سورت ہونی چاہیے تھی مگر وہ ترتیب تلاوت میں ۹۵ نمبر کی سورت ہے۔ اسی طرح سورتوں کی آیات کی تعداد......، سورۃ الفاتحہ ۷ آیات کی ہے، پھر سورۃ البقرہ کی ۲۸۶ آیات ہیں۔ کس سورت کا کیا نام ہے؟ کل کتنی سورتیں ہیں؟ یہ ساری چیزیں احادیث نبوی سے ہی تو (توقیفی طور پر) طے پائی ہیں۔

ہم اب حجیت حدیث / سنت کے بارے میں شیخ عبدالغنی محمد عبدالخالق کی مشہور کتاب ''حجیت سنت'' سے چند اقتباسات نقل کریں گے۔ فاضل مصنف نے اس تحریر میں سنت اور حدیث کے الفاظ اصطلاحی مفہوم (رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل، سکوت ''تقریر'') کے ساتھ جیسا کہ ائمہ سلف وخلف کا طریق ہے، مترادف طور استعمال کیے ہیں۔

حجیت سنت ایک دینی ضرورت ہے (یعنی ضروریات دین میں سے ہے) اور یہ کہ تمام

مسلمانوں کے درمیان کبھی بھی کوئی اختلاف واقع نہیں ہوا۔

جاننا چاہیے کہ اس بات میں نہ کوئی شک ہے اور نہ اختلاف کہ کسی دینی عقیدہ یا شرعی حکم پر رسول اللہ ﷺ سے مروی حدیث سے استدلال دو باتوں پر موقوف ہے:

اوّل یہ کہ اس بات کا ثبوت کہ سنت (بحیثیت ذات نبوی سے صادر ہونے کے) اصول تشریع میں سے ایک حجت (سند) اور اصل ہے۔

دوم یہ کہ اس بات کا ثبوت کہ یہ حدیث جو رسول اللہ ﷺ سے صادر ہوئی ہے روایت کے قابل اعتماد طریقوں میں کسی ایک طریقہ سے مروی ہے۔

کاش کہ میں سمجھ سکتا کہ یہ بات کہنا کیسے ممکن ہے کہ حجیت سنت ایک دینی ضرورت (یعنی ضروریات دین میں سے) نہیں ہے، اس بات کو جانتے ہوئے کہ بہت سے مسائل جن پر فقہاء کا اجماع ہے اور ان کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کو ضروریات دین میں سے سمجھا جاتا ہے اور ان کا انکار موجب ارتداد ہے، جیسے فرض نمازوں کی رکعات کی تعداد، وہ سب حجیت سنت پر موقوف ہیں۔ ایک وہ چیز جو ضروری ہے (یعنی ضروریات دین میں سے ہے) اس چیز پر کیسے موقوف ہوسکتی ہے جو ضروری نہیں ہے (یعنی ضروریات دین میں سے نہیں ہے)؟

ان مسائل کو صرف قرآن مجید سے سمجھ لینے کا دعویٰ لازمی طور پر باطل ہے اور صرف قرآن سے ان مسائل کو سمجھنا محال کو وجود میں لانے کی کوشش ہے۔ ائمہ سابقین اس پر ہم سے زیادہ قادر تھے، لیکن انھوں نے بھی اپنی عاجزی و بے بسی کا اعتراف کیا ہے۔ جب ضروریات دین سے تعلق رکھنے والے یہ مسائل حجیت سنت پر موقوف ہیں پھر کوئی مسلمان ان میں کیونکر اختلاف کرسکتا ہے۔ حالانکہ ان میں اختلاف کرنے سے ان مذکورہ مسائل میں اختلاف لازم آئے گا اور ان میں اختلاف سے ارتداد لازم آئے گا۔ اس لیے کہ دین ان سب کی تصدیق کا نام ہے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں جسے ضروریات میں سے سمجھا جاتا ہے۔

ایک مسلمان جو عصمت نبی کا قائل ہو اس سے کیسے اس بات کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ

اس کے بعد بھی وہ نبی کے مندرجہ ذیل جیسے ارشادات کا انکار کرے گا:

① ((البينة على المدعى)) ''ثبوت پیش کرنا مدعی کے ذمے لازم ہے۔''

② ((إنما الأعمال بالبينات)) ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

③ ((امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله))

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلیں۔''

④ ((صلى بى جبريل)) ''مجھے جبریل نے نماز پڑھائی۔''

⑤ ((يا ايها الناس اِنَّ ما أمركم الا ما أمركم به الله ولا انهاكم الا عما نهاكم الله عنه))

''اے لوگو! میں تمھیں صرف اسی چیز کا حکم دیتا ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور صرف اسی چیز سے روکتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔''

⑥ ((تركت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنت نبيه))

''میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک تم انھیں مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔''

ایک مسلمان جو ان تبلیغی خبروں اور ان جیسی دوسری احادیث کی حجیت کا یقین رکھتا ہو اس سے آپ ﷺ کے اوامر اور نواہی اور افعال اور تقریرات (جن چیزوں پر آپ نے سکوت فرمایا ہو) کا انکار کیسے ممکن ہے۔ اس کے بعد کہ وہ آپ ﷺ کے اس ارشاد کی صداقت پر یقین رکھتا ہو کہ میں صرف اسی چیز کا حکم دیتا ہوں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور آپ کے اس ارشاد کی سچائی پر یقین رکھتا ہو کہ میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اور اس کے ان دونوں کی حجیت کا اعتراف کرنے کے بعد اور اس کے ایسی بہت سی آیات کی حجیت کا اعتراف کرنے کے بعد جو سب کی سب قطعی طور پر یہ بتاتی ہیں کہ آپ کے اوامر اور نواہی اور آپ کے افعال و تقریرات تمام حجت ہیں؟

آپ ﷺ کے اقوال، افعال یا تقریرات میں کسی چیز سے اس کا انکار اُن تمام چیزوں کے اعتراف کے بعد جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اس وقت رات ہے ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کرے کہ سورج نکلا ہے۔

ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم وفضلہ'' میں جو یہ درج ذیل بات کہی ہے اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ حجیت سنت کا انکار موجب ارتداد ہے۔ فرماتے ہیں: ''رہے علم کے دو بنیادی سرچشمے تو وہ کتاب اور سنت ہیں۔'' سنت دو قسموں میں منقسم ہے: ایک قسم وہ ہے جس کے ایک بڑی جماعت سے دوسرے بڑی جماعت کو منتقل کرنے پر اجماع ہے اور یہ تمام عذروں کے لیے قطعی دلائل میں سے ہے، جب کوئی اختلاف موجود نہ ہو تو جو شخص ان کے اس اجماع کو رد کرے گا وہ اللہ کے نصوص میں سے ایک نص کو رد کرے گا۔ یہ ضروری ہے کہ اس سے توبہ کرائی جائے اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کا خون مباح ہے، کیونکہ مسلمانوں کا جس چیز پر اجماع ہے وہ اس سے باہر نکل گیا اور جو سب مسلمانوں کا راستے ہے اس سے ہٹ کر وہ دوسرے راستے پر چلا۔ سنت کی دوسری قسم ان اخبار احاد کی ہے جسے ثقہ راوی روایت کریں اور ان کی اسناد متصل ہوں۔ علمائے امت کی ایک جماعت کے نزدیک جو حجت اور قدوہ (سب سے آگے) ہیں یہ اخبار آحاد موجب عمل ہیں اور ان میں سے بعض ان کے موجب علم وعمل ہونے کے قائل ہیں۔

ابن حزم اپنی کتاب ''الاحکام فی اصول الاحکام'' میں سنتوں کی حجیت پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ [الشوریٰ: ۱۰]

''اور جس چیز میں تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔''

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نبی کے کلام کی طرف لوٹا رہا ہے۔ اس لیے کسی مسلمان کے لیے جو توحید کا قائل ہو اس کی گنجائش نہیں کہ اختلاف کی صورت میں قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف رجوع کرے اور ان

میں جو کچھ پائے اس کا انکار کرے۔ اگر حجت قائم ہو جانے کے بعد بھی وہ ایسا کرے تو وہ فاسق ہے۔اور اگر وہ قرآن وسنت کے حکم سے تجاوز کو جائز سمجھتے ہوئے اور ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کو لازم قرار دیتے ہوئے ایسا کرے تو کافر ہے۔ ہمارے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں۔

محمد بن نصر المروزی نے ذکر کیا ہے کہ اسحٰق بن راہویہ کہا کرتے تھے کہ جس شخص کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث پہنچے اور وہ اس کے صحیح ہونے کا اقرار کرتا ہو پھر بھی وہ اس کو بغیر تقیہ کے رد کرے تو وہ کافر ہے۔اس شخص کی تکفیر کے بارے میں جو رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث کو صحیح جانتا ہو اور پھر بھی اس کی مخالفت کو جائز سمجھتا ہو، ہم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں جس میں وہ اپنے نبی کو مخاطب بنا کر فرماتا ہے:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [النساء : ٦٥]

”سو قسم ہے تیرے رب کی! یہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں۔ پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرماں برداری کے ساتھ قبول کر لیں۔“

یہ آیت اس شخص کے لیے کافی ہے جو عقل وفہم رکھتا ہو۔ ہوشیاری اور احتیاط سے کام لیتا ہو۔ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور یہ یقین رکھتا ہو کہ یہ اس سے اللہ تعالیٰ کا عہد ہے اور اس کی طرف سے آپ کے حق میں یہ وصیت ہے۔ اس لیے انسان کو اپنے نفس کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔ خاص کر اگر وہ اپنے نفس میں رسول اللہ ﷺ کے کسی مسئلہ میں دیے ہوئے فیصلے سے جو اُس کے پاس کسی ایسی حدیث سے پہنچا ہو جس کو وہ صحیح سمجھتا ہو اعراض پائے، یا اپنے نفس کو ان چیزوں کو تسلیم کرنے والا نہ پائے جو آپ سے اس تک پہنچی ہیں۔

''ان لوگوں کا معاملہ کتنا خطرناک اور گمراہ کن ہے جو ایک یا دو احادیث کیا تمام احادیث نبوی کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ اس سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ نہیں ہوتا اور یہ کہ حدیث سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ درجہ یقین کو نہیں پہنچتا اور جو چیز درجہ یقین کو نہیں پہنچتی وہ دین نہیں ہوسکتی۔'' [م،ق]

ابن عبدالبر دوسری جگہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص کہے کہ ہم صرف اس پر عمل کریں گے جو ہم قرآن میں پاتے ہیں تو ایسا شخص اجماع کی رو سے کافر ہے اور اس پر سورج ڈھلنے سے رات کے تاریک ہونے تک صرف ایک رکعت نماز ضروری ہے اور دوسری رکعت فجر کے وقت، اس لیے یہ کم سے کم مقدار ہے جس پر صلوٰۃ کے نام کا اطلاق ہوتا ہے اور اس میں زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

یہ بات کہنے والا کافر ومشرک ہے اور اس کی جان ومال مباح ہے۔ دراصل بعض غالی ملحد قسم کے لوگوں نے جن کے کافر ہونے پر امت کا اتفاق ہے یہ مسلک اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی شخص صرف ان چیزوں کو اختیار کرے جن پر امت کا اجماع ہے اور جن چیزوں کے بارے میں نصوص وارد ہوئی ہیں ان میں سے جن میں اختلاف پایا جاتا ہے ان کو چھوڑ دے تو ایسا شخص اجماع امت کی رو سے فاسق ہے ان دونوں مقدموں سے ضروری طور پر یہ بات لازم آتی ہے کہ احادیث کا اختیار کرنا ناگزیر ہے۔

''جاوید احمد غامدی نے تکفیر کی اسی زد سے (بدنام منکر حدیث غلام احمد پرویز کی برصغیر کے سات سو سے زائد جید علماء نے تکفیر کی ہے) بچنے کے لیے اور یہ کہ ان کا شمار بھی منکرین حدیث میں نہ ہو قرآن کے ساتھ ۲۶ سنتوں کو بطور دین پیش کیا ہے۔ وہ سنت کی اسلامی اصطلاح کا استعمال تو کرتے ہیں مگر اس مفہوم کے لیے نہیں جو ائمہ سلف وخلف سے اس کے متعلق مشہور ہے، بلکہ اپنے خانہ ساز مفہوم (روایت ابراہیمی) کے لیے۔ اس اسلامی اصطلاح (سنت) کے استعمال سے دوسرا مقصد اُن کا یہ ہوتا ہے کہ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ اسلام ''قرآن وسنت''

سے عبارت ہے تو عام لوگوں کو اس میں کوئی قابل اعتراض بات معلوم نہ ہو۔ اس طرح اُن کو گمراہ کرنا اُن کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔'' [م،ق]

جاوید احمد غامدی سے ہم پوچھتے ہیں کہ اگر وہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پاتے اور رسول اللہ ﷺ ان سے فرماتے کہ میں (آپ ﷺ) قیامت کے دن اپنی امت کے گناہ گار لوگوں کی شفاعت کر کے ان کو جہنم سے نکال دوں گا۔ ظاہر بات ہے اس بات کا مسلمانوں کے عقیدے سے تعلق ہے، جاوید احمد غامدی کیا کہتے؟ شاید کچھ اس طرح کہتے کہ میں (جاوید غامدی) کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کی بات (حدیث) سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ نہیں ہوتا اور یہ کہ اسلام صرف وہ قرآن ہے جو آپ پر نازل ہوا ہے جس کے احکام کی آپ ﷺ نہ تحدید کر سکتے ہیں نہ تخصیص اور ۲۶ روایت ابراہیمی جن کی تجدید اور اصلاح کر کے آپ نے لوگوں میں رائج کیا ہے، اس لیے میں آپ (ﷺ) کا یہ شفاعت والا فرمان نہیں مانتا...... کیا یہ کہہ کر جاوید احمد غامدی کے دین وایمان کی تباہی یقینی نہیں تھی؟

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [النور : ٦٣]

''(سنو!) جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انھیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انھیں دردناک عذاب (نہ) پہنچے۔''

آج وہ یہی کچھ کر رہے ہیں، تمام احادیث کو دین سے خارج کر رہے ہیں۔ کیا آج اس آیت کا اطلاق ان پر نہیں ہوگا؟ (م۔ق)

یہ بات درست ہے کہ بعض ائمہ اور علماء نے بھی کئی احادیث کو ماننے سے انکار کیا ہے، مگر یہاں ذہن میں یہ بات رکھنے کی ضرورت ہے کہ انکار حدیث الگ چیز ہے اور انکار حجیت حدیث الگ چیز ہے۔ وہ لوگ جو اصولی طور پر حدیث کو قرآن کی طرح بنیادی شرعی ماخذ مانتے ہیں وہ کسی حدیث کو صحت کی بنیاد پر ماننے سے انکار کرتے ہیں اور جو احادیث صحیح ہوں جن کی صحت پر اُن کو اطمینان ہوتا ہے اُن کو وہ بغیر چون وچرا قبول کرتے ہیں۔

اس بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "رفع الملام عن الائمہ الاعلام" میں تفصیلی بحث دیکھی جا سکتی ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس رسالہ میں اکابر علماء خصوصاً ائمہ اربعہ کی جانب منسوب اس غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے کہ انھوں نے دانستہ احادیث نبویہ نظر انداز کر کے اپنے مقلدین کو اپنے اقوال وافکار کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ امام نے دلائل وبراہین کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ ایک عالم اور امام بھی ایسا نہیں جس نے شعوری طور پر حدیث نبوی سے اغماض کرتے ہوئے اپنے اقوال واعمال کو دین میں حجت قرار دیا ہو۔ ایک امام تو کیا کوئی مسلم بھی اس فعل شنیع کی جسارت نہیں کر سکتا ماسوائے ضال ومضل منکرین حدیث کے۔ ایک امام بعض اوقات ایک حدیث کو اس لیے نظر انداز کر دیتا ہے کہ وہ حدیث سنداً اس کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اس کو ضعیف اور ناقابل اعتماد تصور کرتا ہے۔ کسی حدیث پر ترک عمل کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ ایک امام کے مقرر کردہ شرائط پر پوری نہیں اُترتی۔ اگرچہ دیگر محدثین اس کو صحیح اور قابل عمل قرار دیتے ہوں۔ علی ہذا القیاس! مگر وہ لوگ جو "صرف قرآن" کا نعرہ لگا کر احادیث نبوی کی تشریعی حیثیت ہی کا انکار کرتے ہیں، صرف قرآن یا قرآن کے ساتھ ۲۶ سنتوں کے پیکج کو ہی اسلام مانتے ہیں، وہ اصولی طور احادیث نبوی کو ماخذ شریعت مانتے ہی نہیں ہیں۔ ان ہی لوگوں کا معاملہ جنھیں منکرین حدیث کے نام سے جانا جاتا ہے، ضلالت اور الحاد کا ہے۔ [م،ق]

ابن حزم نے بھی اپنی کتاب "الاحکام" میں احادیث کی حجیت پر اسی قسم کا استدلال کیا ہے۔ پہلے سورۂ نساء کی آیت (۵۹) سے استدلال کرتے ہیں۔ استدلال کے بعد کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ اور رسول کی طرف لوٹانے سے مراد قرآن اور رسول اللہ کی حدیث کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت کے مخاطب ہم اور جنات اور انسانوں میں سے ہر وہ شخص ہے جو قیامت تک پیدا ہوگا اور اس کی روح اس کے جسم میں باقی رہے گی۔ جس طرح کہ اس کا خطاب ان لوگوں سے ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے اور جو آپ کے بعد آئے اور وہ لوگ جو تم سے پہلے

ہوئے ہیں ان لوگوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

ہم اس بات کا یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ رسول اللہ تک رسائی کا ہمارے لیے اب کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص یہ شور مچائے کہ اس آیت کے مخاطب صرف وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسول اللہ ﷺ سے شرف ملاقات ممکن ہو، تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کا یہ شور مچانا ممکن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بات چیت کرنا کسی شخص کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے یہ خیال (ظن) باطل ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ آیت میں اللہ اور رسول کی طرف لوٹانے سے مراد وہی ہے جو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ یعنی اس سے مراد کلام اللہ ہے جس کی طرف رجوع کرنا ہے جو کہ قرآن ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹانے سے مراد اللہ کے نبی کے کلام (یعنی حدیث) کی طرف رجوع کرنا ہے، جو نسل در نسل زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ہم تک نقل در نقل ہوتا چلا آیا ہے۔

سیدنا رسول اللہ ﷺ سے مروی احادیث کو قبول کرنا فرض اور واجب ہے جب کہ وہ صحیح سند کے ساتھ مروی ہوں، بغیر اس فرق کے کہ وہ عقائد کے متعلق ہوں یا عبادات کے متعلق، معاملات کے متعلق ہوں یا احکام حلال وحرام کے متعلق، متواتر ہوں یا خبر آحاد۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اول: رسول کے امر کی پیروی اور آپ کے حکم کو تسلیم کرنا فرض ہے۔

دوم: یہ کہ احکام میں ہر بات ہر حال میں کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت سے کہنا لازم ہے۔ (یعنی ہر حکم ان کے مطابق ہی عائد کیا جائے گا) ان کے سوا بقیہ چیزیں ان کے تابع ہیں۔

سوم: اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں پر خواہ وہ امام شافعی رحمہ اللہ کے عہد کے ہوں یا ان کے بعد کے ہوں یا ان سے پہلے کے، رسول اللہ سے مروی احادیث کو قبول کرنا فرض کیا ہے۔

حجیت سنت کے دلائل:

یہ بات معلوم ہو جانے کے بعد کہ سنت/حدیث ایک دینی ضرورت ہے، اب یہاں ہم

دلائل حجیت بیان کریں گے۔ دلائل حجیت سنت سات ہیں: ① عصمت نبوی۔ ② صحابہ رضی اللہ عنہم کا سنت کو مضبوطی سے پکڑنا۔ ③ قرآن کریم۔ ④ سنت نبوی۔ ⑤ سنت کے بغیر صرف تنہا قرآن پر عمل کا ممکن نہ ہونا۔ ⑥ سنت کی دو قسمیں وحی اور بمنزل وحی۔ ⑦ اجماع۔

① عصمت نبوی:

سیدنا رسول اللہ ﷺ قصداً ایسی بات کہنے سے جس سے تبلیغ میں خلل واقع ہوتا ہو باجماع امت معصوم ہیں، اور صحیح قول کے مطابق تبلیغی امور میں غلطی سے بھی محفوظ ہیں۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر حدیث جس کا تعلق تبلیغی امور سے ہو، اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر نبی کو قائم رکھا ہو اور کوئی تنبیہ نہ فرمائی ہو، صادق ہے اور بالاتفاق اس چیز کے مطابق ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ہے، اس لیے اس کو اختیار کرنا فرض ہے۔ چنانچہ اس سے قرآن کے بارے میں آپ کے ارشاد کہ ''یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے'' اور احادیث قدسیہ میں آپ کے ارشاد کہ 'اللہ رب العزت نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے'' یا اسی طرح کے الفاظ کی حجیت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح مندرجہ ذیل احادیث کی حجیت بھی ثابت ہوتی ہے۔

حضرت مقدام بن معد یکرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: ''خوب سن لو! مجھے کتاب (قرآن مجید) اور اس کے ساتھ اس جیسی چیز عطا کی گئی ہے۔ جان لو! قریب ہے کہ ایک شخص آسودہ شکم تخت پر مسند نشین ہو کر کہے: اس قرآن کو مضبوطی سے تھام لو جس چیز کو تم اس میں حلال پاؤ صرف اسے حلال قرار دو اور جس چیز کو تم اس میں حرام پاؤ صرف اسے حرام قرار دو اور جو رسول اللہ نے حرام کیا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔'' (ابوداؤد)

حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ تمام جہانوں کے رب کے فرستادہ جبریل ہیں! انھوں نے میرے دل میں بات ڈال دی ہے کہ کسی نفس کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک کہ وہ اپنی پوری روزی حاصل نہ کر لے، خواہ اس کو وہ کتنی ہی تاخیر سے ملے، اس لیے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تلاش معاش میں اعتدال کا راستہ

اختیار کرو اور حصول روزی میں تاخیر تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعے حاصل کرو، اس لیے کہ جو چیز اللہ کے پاس ہے اسے صرف اطاعت ہی سے حاصل کیا جاتا ہے۔"

یہ احادیث اس ذات کی طرف سے ہیں جو کذب سے معصوم ہے۔ اس لیے یہ ایسی دلیلیں بن جاتی ہیں جو یہ بتلاتی ہیں کہ وحی کی دو قسمیں ہیں: ایک کتاب الٰہی (قرآن مجید) جس کے الفاظ معجزہ ہیں اور جس کی تلاوت کرنے کا حکم ہے۔ دوسری قسم کی بھی دو قسمیں ہو جاتی ہیں: ایک حدیث قدسی، یہ وہ حدیث ہے جس کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہوں۔ دوسری حدیث نبوی، یہ وہ حدیث ہے جس کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہو اور اس کی تعبیر رسول اللہ نے اپنے الفاظ میں کی ہو۔ جب یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو یہ سب حجتیں ہیں۔ جو قیامت تک مخلوق پر قائم رہنے والی ہیں:

《 وان ماحرم رسول اللہ کما حرم اللہ 》

"جن چیزوں کو اللہ کے رسول نے حرام کیا ہے وہ انھی چیزوں کی طرح ہیں جنھیں اللہ نے حرام کیا ہے۔"

《 صلوا کما رأیتمونی أصلي 》 [بخاری]

"اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔"

《 خذوا عنی مناسککم 》 [صحیح جامع صغیر]

"مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو۔"

یہ اور ان جیسی احادیث چونکہ اس ذات گرامی کی ہیں جو کذب سے معصوم ہے اس لیے ہمیں بتلاتی ہیں کہ اس نے انھی چیزوں کا حکم دیا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور انھی چیزوں سے روکا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ اس سے آپ کے تمام اوامر اور نواہی کی حجیت لازم آتی ہے۔

② صحابہ کا سنت کو مضبوطی سے پکڑنا:

احادیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ اپنی امت کو اپنی سنت مضبوطی سے تھامنے پر ابھارتے تھے اور اس کی مخالفت سے ڈراتے تھے اور صحابہ اس میں آپ کے حکم کی تعمیل کرتے تھے اور آپ کی اقتدا کرتے تھے۔ آپ کے تمام اقوال، افعال، تقریرات (سکوت) میں آپ کی پیروی کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ذات نبوی سے جس چیز کا بھی صدور ہو وہ حجت ہے، اس کی پیروی لازم ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انھوں نے فرمایا: ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک سونے کی انگوٹھی بنوائی تو لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوا لیں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی۔ پھر آپ نے اس انگوٹھی کو پھینک دیا۔ اور فرمایا: میں اب کبھی اس کو نہیں پہنوں گا، چنانچہ لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں اتار پھینکیں۔

فتح الباری میں ابن ابی داؤد سے منقول ہے کہ عمارہ بن رویبہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ شام کی دو نمازوں (مغرب وعشاء) میں سے کوئی سی نماز پڑھ رہے تھے جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا، چنانچہ دو رکعتوں کے بعد نبی نے رخ تبدیل کر لیا اور ہم نے آپ کے ساتھ اپنا رخ بدل لیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھا جا چکا تھا تو آپ نے صحابہ کو حکم دیا: اٹھو قربانی کرو اور سر منڈاؤ۔ لیکن اللہ کی قسم! ان میں سے ایک شخص نہ اٹھا، یہاں تک کہ آپ نے اس بات کو تین مرتبہ فرمایا، لیکن جب کوئی نہ اٹھا تو آپ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور لوگوں کا جو حال آپ ﷺ نے دیکھا تھا اس کو ان سے بیان کیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں؟ تو پھر جائیے کسی سے ایک لفظ بھی نہ کہیے، اپنے اونٹ قربان کیجیے اور حجام کو بلائیے جو آپ کا حلق کر دے گا۔ چنانچہ آپ باہر تشریف لائے، کسی سے کوئی بات نہ کی، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے یہ سب کام

کر لیے۔ اپنا اونٹ قربان کیا، حجام کو بلایا، اس نے آپ ﷺ کا حلق کیا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو وہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور قربانی کرنے لگے اور ایک دوسرے کے سر کے بال مونڈنے لگے۔

فتح الباری میں ہے کہ صحابہ نے حکم نبوی کی تعمیل میں سبقت کرنے میں اس لیے تاخیر کی کہ انھیں امید تھی کہ آپ ﷺ انھیں لڑائی کی اجازت دے دیں گے اور یہ کہ اللہ ان کی مدد کرے گا۔ اس طرح فتح اور نصرت پا کر وہ اپنا عمرہ مکمل کر لیں گے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: مسلسل روزے نہ رکھو۔ صحابہ نے عرض کیا: آپ تو مسلسل روزے رکھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: میں تم جیسا نہیں ہوں، میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ لیکن صحابہ صوم وصال سے باز نہ آئے۔ چنانچہ ان کے ساتھ نبی نے بھی دو دن مسلسل روزے رکھے۔ ان کے علاوہ بے شمار دوسری احادیث ہیں جو مجموعی طور پر ہمیں بالیقین یہی بات بتاتی ہیں کہ حدیث اسلام کا قرآن مجید کی طرح ہی بنیادی ماخذ ہے۔ یعنی جن سے قطعی طور پر سنت کی حجیت ثابت ہوتی ہے۔

③ قرآن مجید:

اللہ تعالیٰ کی کتاب ایسی آیات سے بھری ہوئی ہے جو مجموعی طور پر حجیت سنت پر قطعی دلالت کرتی ہیں۔ یہاں صرف پانچ قسموں کے ذکر پر اکتفا کریں گے:

پہلی قسم: پہلی قسم وہ ہے جو نبی کریم ﷺ پر ایمان کے وجوب کو بتلاتی ہے (آپ پر ایمان کا مطلب آپ کی رسالت کی اور اُن تمام چیزوں کی جو آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں خواہ ان کا ذکر قرآن میں ہو یا نہ ہو، تصدیق کرنا اور ان کے سامنے جھک جانا) یا وہ آیات ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ آپ کا اتباع نہ کرنا اور آپ کے حکم سے راضی نہ ہونا ایمان کے منافی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ [النساء: ١٣٦]

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اس (جنس) کتاب پر بھی جو وہ اس سے قبل نازل کر چکا ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور پیغمبروں اور قیامت کے دن کا انکار کرتا ہے وہ گمراہی میں بہت دور جا پڑا۔''

اور فرمایا:

﴿فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ [التغابن: ٨]

''تو اب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس نور پر بھی جو ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ تمھارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔''

مزید فرمایا:

﴿قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ [الأعراف: ١٥٨]

''کہہ دیجیے کہ اے انسانو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔ اسی اللہ کا جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ سو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول وامی نبی پر جو خود ایمان رکھتا ہے اللہ اور اس کے کلاموں پر اور اس کی پیروی کرتے رہو تاکہ تم راہ پا جاؤ۔''

﴿وَ مَنْ لَّمْ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا﴾

[الفتح : ۱۳]

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے گا سو ہم نے کافروں کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔''

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾

[الحجرات : ۱۵]

''(پورے) مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے۔ پھر اس میں کبھی شک نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ تو یہی لوگ راست باز ہیں۔''

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ﴾ [النور : ٦٢]

''بس مومنین وہی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے رسول پر اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لیے مجمع کیا گیا ہے، تو جب تک آپ سے اجازت نہیں لے لیتے جاتے نہیں۔''

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اللہ پر ایمان، پھر اس کے رسول پر ایمان کو ابتدائے ایمان کا کمال قرار دیا ہے، وہ ایمان جس کے علاوہ تمام چیزیں اس کے تابع ہیں۔ اس لیے اگر کوئی شخص صرف اللہ پر ایمان لائے لیکن اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ایمان کے نام کا اطلاق اس پر کبھی نہیں ہوگا، یہاں تک وہ اللہ پر ایمان کے ساتھ اس کے رسول پر بھی ایمان نہ لائے۔''

دوسری قسم: دوسری قسم وہ ہے جو یہ بتلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جس چیز

کا فیصلہ کیا ہے اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کتاب اللہ کی وضاحت کرنے والے ہیں اور آپ ہی اس کی شرح کرنے والے ہیں جو اللہ کے نزدیک معتبر ہے۔ اور یہ کہ آپ اپنی امت کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور حکمت سے مراد جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور دوسرے اہل علم نے کہا ہے، سنت ہے۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس سے مراد کتاب اللہ ہے تب بھی امت کو اس کی تعلیم دینے کا مطلب اس کی شرح، اس کی مجمل باتوں کی تفصیل اور اس کے مشکل امور کی توضیح ہوگا۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے اپنے قول، فعل اور تقریر (سکوت) سے کتاب اللہ کی جو تشریح کی ہے وہ حجت ہے۔

﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾

[النحل : ٤٤]

”اور ہم نے آپ پر بھی یہ نصیحت نامہ اتارا ہے، تاکہ تشریح وتوضیح سے کھول کر لوگوں پر ظاہر کر دیں جو کچھ ان کے پاس بھیجا گیا ہے اور تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیا کریں۔“

﴿وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [النحل : ٦٤]

”اور ہم نے آپ پر کتاب اسی لیے نازل کی ہے کہ جس امر میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں آپ اس کو ان پر واضح کر دیں۔ نیز ایمان والے لوگوں کی ہدایت اور رحمت کی غرض سے۔“

﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة : ١٥١]

”اسی طرح جیسے ہم نے تمھارے درمیان ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تمھارے روبرو ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمھیں پاک کرتا ہے اور تمھیں کتاب

وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں اس کی تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔''

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ [آل عمران : ١٦٤]

''حقیقت میں اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا جبکہ انھی میں سے ایک پیغمبر ان میں بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک صاف کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک یہ لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔''

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

[الجمعة : ٢]

''وہی تو ہے جس نے اُمی لوگوں میں انھی میں سے ایک پیغمبر بھیجا، جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا ہے، درآں حال کہ یہ لوگ پہلے سے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔''

﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ [النساء : ١١٣]

''اور اللہ نے آپ پر کتاب وحکمت اتاری ہے اور آپ کو وہ سکھا دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے۔''

تیسری قسم: وہ ہے جو بتلاتی ہے کہ رسول اللہ کی اطاعت مطلق (بغیر کسی قید وشرط کے) ان تمام چیزوں میں واجب ہے جن کا آپ حکم دیں اور ان میں جن سے آپ روکیں اور یہ کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور رسول کی مخالفت اور اس کی سنت کی تبدیل کرنے سے ڈرانے کو بتاتی ہے۔

﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [آل عمران : ١٣٢]

''اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾

[آل عمران : ۳۲]

''آپ کہہ دیجیے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اس پر بھی اگر وہ روگردانی کریں تو اللہ کافروں سے محبت نہیں رکھتا۔''

﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ [الأنفال : ٤٦]

''اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو، ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ﴾

[محمد : ۳۳]

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو رائیگاں مت کرو۔''

﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ [التغابن : ۱۲]

''اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اگر تم روگردانی کرو گے تو ہمارے رسول کے ذمے تو صاف صاف پہنچا دینا ہے اور بس۔''

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ [النساء : ٥٩]

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے

اہل اختیار کی، پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا لیا کرو، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی خوش تر ہے۔''

قاضی عیاض نے عطاء سے اور ابن عبدالبر اور بیہقی نے مدخل میں میمون بن مہران سے روایت کیا ہے کہ اللہ کی طرف لوٹانے کا مطلب اس کی کتاب کی طرف رجوع کرنا ہے اور رسول کی طرف لوٹانے کا مطلب ان کی زندگی میں خود ان کی طرف رجوع کرنا ہے اور ان کی وفات کے بعد ان کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور فعل (اَطِیْعُوا) کا اعادہ کیا ہے یہ بتلانے کے لیے کہ رسول کی اطاعت مستقل طور پر واجب ہے۔ رسول جو بھی حکم دیں اس کو قرآن پر پیش کیے بغیر (یعنی قرآن کے احکام سے ملا کر دیکھے بغیر) ان کی اطاعت واجب ہے۔ اگر چہ وہ حکم قرآن میں موجود ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ انھیں قرآن اور اس کے ساتھ اس کے مثل دوسری چیز دی گئی ہے۔

اگر حدیث (سیدنا رسول اللہ کا قول، فعل، تقریر) دین کا ماخذ ہی نہیں ہے، اس سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ نہیں ہوتا، اس سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ درجہ یقین کو نہیں پہنچتا اور رسول اللہ نے اس کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کا اہتمام بھی نہیں کیا ہے جیسا کہ جاوید احمد غامدی دعویٰ کرتے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت آپ کی وفات کے بعد کس طرح ہوگی اور اس کی عملی صورت کیا ہے؟ تنازعات کو آپ کی طرف کس طرح لوٹایا جائے گا؟ ''اِلَی اللّٰهِ'' اور ''اَطِیْعُوا اللّٰهَ'' سے مراد اللہ کی کتاب اور اللہ کی اطاعت ہے۔ ''اِلَی الرَّسُوْلِ'' اور ''اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ'' کی کیا صورت ہے؟ جاوید احمد غامدی کے مطابق اسلام قرآن اور ۲۶ ابراہیمی روایات سے عبارت ہے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ''اِلَی الرَّسُوْلِ'' اور ''اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ'' کے کیا معنی ہیں۔ کیا پھر یہ کہا جائے کہ یہ دونوں احکام صرف زمانہ رسالت کے مسلمانوں کے لیے تھے؟ اگر یہ کہا

جائے پھر یہ بات لازم آتی ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت بھی زمان و مکاں کے لیے خاص تھی!؟ اگر یہی بات کہی جاتی ہے تو اس سے بڑھ کر کفر والحاد کی کیا بات ہو سکتی ہے۔ (م۔ق)

چوتھی قسم: چوتھی قسم وہ ہے جو یہ بتاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صادر ہونے والے تمام افعال میں آپ ﷺ کا اتباع اور اس میں آپ کو مثال و نمونہ بنانا واجب ہے۔ نیز یہ بتاتی ہے کہ اللہ کی محبت کے لیے آپ کی پیروی لازم ہے۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [آل عمران : ۳۱]

آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا۔ اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔''

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ [الأحزاب : ۲۱]

''درحقیقت تمھارے لیے رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے، یعنی اس کے لیے جو ڈرتا ہو اللہ اور آخرت سے اور ذکر الٰہی کثرت سے کرتا ہو۔''

محمد بن علی ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول کے نمونہ ہونے کا مطلب ان کی اقتدا کرنا، ان کی سنت کی پیروی کرنا اور کسی قول یا فعل میں ان کی مخالفت ترک کر دینا ہے۔

پانچویں قسم: پانچویں قسم وہ ہے جو ہم کو بتلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کو اس حکم کی پیروی کرنے کا جو آپ ﷺ پر وحی کیا جائے خواہ وہ وحی متلو ہو یا غیر متلو اور جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرنے کا مکلّف بنایا ہے اور آپ کو اس کی کسی چیز میں کوتاہی اور تغیر و تبدل کرنے سے منع کیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے لوگوں سے محفوظ کر دیا ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ آپ پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس میں تبدیلی کر

دیں یا کچھ چھپا دیں۔ ساتھ ہی اس تتمہ کا بھی اضافہ کر لیں جو یہ بتاتا ہے کہ آپ نے اس حکم کی تعمیل کی اور پیغام الٰہی پہنچا دیا جیسا کہ اس کے پہنچانے کا حق تھا اور انتہائی کامل طریقہ پر اس کو انجام دیا اور لوگوں کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کی اور یہ کہ اللہ نے امت کے لیے آپ کی تبلیغ کے ذریعے دین کو مکمل کر دیا اور یہ کہ آپ اخلاق کے عالی مرتبہ پر فائز ہیں اور اخلاق تمام اختیاری اقوال وافعال کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ جب آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خوبیٔ اخلاق کے آخری درجہ پر تھے تو آپ سے صادر ہونے والے اقوال وافعال کا بھی یہی درجہ ہوگا اور یہ سب باتیں سنت کی حجیت اور اس کو مضبوطی سے تھامنے کے وجوب کو بتلاتی ہیں۔

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ وَّ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴾

[الأحزاب: ۱، ۲]

''اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہو اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیے، بے شک اللہ بڑا جاننے والا ہے بڑا حکمت والا ہے۔ اور جو حکم آپ پر آپ کے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اسی کی پیروی کیجیے اور تم لوگ جو کچھ کرتے رہتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔''

﴿اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

[الأنعام: ۱۰۶]

''اس کی پیروی کیے جایئے جو آپ کے رب کی جانب سے آپ پر وحی کیا گیا ہے۔ سوائے اس کے اور کوئی معبود نہیں اور مشرکوں کی جانب سے بے التفات رہیے۔''

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الجاثية: ۱۸]

''پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا، سو آپ اسی پر چلے

جایئے اور بے علموں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجیے۔''

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [يوسف : ١٠٨]

''آپ کہہ دیجیے کہ میرا طریق یہی ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، دلیل پر قائم ہوں میں بھی اور میرے پیرو بھی۔''

﴿يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَـبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ [الأعراف : ١٥٧]

''انھیں وہ نیک کاموں کا حکم دیتا ہے اور انھیں برائی سے روکتا ہے اور انھیں پاکیزہ چیزیں جائز بتاتا ہے اور ان پر گندی چیزیں حرام رکھتا ہے اور ان پر سے بوجھ اور زنجیریں جو ان پر اب تک تھیں اتارے دیتا ہے۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾ [الأحزاب : ٤٥، ٤٦]

''اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر۔''

④ سنت نبوی:

سنت میں ایسی بے شمار احادیث ہیں جن سے مجموعی طور پر حجیت سنت پر قطعی طور پر دلالت ہوتی ہے، جنھیں تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلی قسم: رسول اللہ ﷺ جو معصوم عن الکذب ہیں، نے بتایا ہے کہ ان پر قرآن نازل کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں کی بھی وحی کی گئی ہے اور یہ کہ جو احکام آپ نے بیان کیے ہیں اور قانون کے طور پر مقرر فرمائے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ ہی نے بطور قانون مقرر فرمایا ہے اور ان کی تشریح آپ کی اپنی طرف سے نہیں۔ اور یہ کہ سنت پر عمل

دراصل قرآن پر عمل ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو آپ کے ارشاد کو قبول کرنے، آپ کے حکم کی تعمیل کرنے اور آپ کی سنت کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ جس شخص نے آپ کی اطاعت کی اور آپ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑا اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور اس نے ہدایت پائی۔ اور وہ جنت اور اجر عظیم کا مستحق ہوا اور جس شخص نے آپ کی نافرمانی کی اور آپ کی حدیث کو رد کیا اور اپنی رائے اور خواہش کو مستقل حیثیت دی تو اس نے درحقیقت اللہ کی نافرمانی کی اور گمراہ ہوا اور ہلاک ہو گیا اور جہنم اور اللہ کی لعنت کا مستحق ہوا اور یہ کہ ایمان آپ کی لائی ہوئی تمام چیزوں کی پیروی ہی سے مکمل ہوتا ہے اور یہ کہ آپ کی ذات سے ہمیشہ حق ہی کا صدور ہوا ہے اور یہ کہ بہترین طریقہ آپ کا طریقہ ہے اور یہ کہ جو چیز آپ لے کر نہیں آئے یعنی جسے لوگوں نے اپنی خواہشات اور ہوائے نفس سے گھڑ لیا ہو وہ بدعت ہے اور قابل رد ہے۔

ابو داود، ترمذی اور حاکم نے حضرت مقدام بن معد یکرب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سن لو کہ مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اسی کی مثل دوسری چیز بھی عطا کی گئی ہے۔ سن لو کہ قریب ہے کہ ایک شخص شکم سیر (آسودگی کے ساتھ) مسند نشین ہو کر کہے کہ تم صرف اس قرآن کو مضبوطی سے پکڑ لو، اس میں تم جو چیز حلال پاؤ صرف اس کو حلال سمجھو اور جو چیز تم اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو، حالانکہ جن چیزوں کو اللہ کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے وہ ان کے مثل ہیں جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ ابوداود نے عرباض بن ساریہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ایک مرتبہ رسول ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے تخت پر مسند نشین ہے اور اس کی اکڑ میں یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف وہی چیزیں حرام قرار دی ہیں جن کا ذکر اس قرآن میں موجود ہے؟ خوب سن لو کہ میں نے بھی کچھ چیزوں کا حکم دیا ہے، کچھ چیزوں کے بارے میں نصیحت کی ہے اور کچھ چیزوں سے منع کیا ہے، وہ قرآن کے مثل

یا اس سے زیادہ ہیں۔

ابو الشیخ، ابو نعیم اور دیلمی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: قرآن اس شخص کے لیے جو اسے ناپسند کرے مشکل ہے اور مشکل لگتا ہے اور وہ فیصلہ کرنے والا ہے۔ جو شخص میری حدیث کو مضبوطی سے تھام لے اسے سمجھے اور یاد رکھے وہ قرآن کے ساتھ آئے گا اور جو شخص قرآن اور میری حدیث کو کم حیثیت سمجھے گا وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ نقصان اٹھائے گا۔ میری امت کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ میری بات مانے، میرے حکم کی تعمیل کرے اور میری سنت کی پیروی کرے۔ جو شخص میری بات سے راضی ہو گیا وہ حقیقت میں قرآن سے راضی ہو گیا۔

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر : ٧]

''اور رسول جو کچھ تمھیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اس سے رک جاؤ۔''

طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص کو میری طرف سے حدیث پہنچی اور اس نے اس کو جھٹلایا، تو اس نے تین کو جھٹلایا، اللہ کو، اس کے رسول کو اور اس شخص کو جس نے وہ حدیث بیان کی۔''

دوسری قسم: اس قسم میں مندرجہ ذیل امور پر بحث کی گئی ہے: آپ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کے بارے میں آپ کا حکم، صرف قرآن پر عمل کرنے اور صرف اس کے احکام کو اختیار کرنے، قرآن میں کوئی سنت کا حکم نہ ہو تو اس سنت کو ترک کرنے، خواہش نفس کی پیروی کرنے اور قرآن وسنت کو چھوڑ کر صرف اپنی رائے پر عمل کرنے کے بارے میں آپ کی ممانعت۔

شافعی، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو رافع سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایسے شخص کو ہرگز نہ پاؤں جو اپنے تخت پر مسند نشین ہوا، اس کے پاس میرا کوئی حکم پہنچے، جو میں نے کسی کام کرنے کا حکم دیا ہو، یا کسی چیز سے منع کیا ہو، تو وہ

یہ کہے کہ میں نہیں جانتا، ہم صرف اسی کی پیروی کریں گے جو ہم کتاب اللہ میں پائیں گے۔

تیسری قسم: یہ قسم مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ہے: آپ کی حدیث سننے، اس کو یاد کرنے، جس نے اس کو نہ سنا ہو ان لوگوں میں سے جو آپ کے زمانہ میں موجود تھے اور ان میں سے جو آپ کے بعد آئیں گے انھیں اس کے پہنچانے کے بارے میں آپ کا حکم اور اس پر اجر عظیم ملنے کے بارے میں آپ کا وعدہ۔ اس سے حدیث کی حجیت لازم آتی ہے۔

اسی طرح اس قسم میں مندرجہ ذیل امور پر بحث کی گئی ہے: آپ پر جھوٹ باندھنے اور آپ کی حدیث چھپانے کے بارے میں آپ کی ممانعت اور جو ایسا کرے اس کے بارے میں آپ کی سخت وعید سنانا اور یہ بتانا کہ آپ پر جھوٹ باندھنا کسی دوسرے پر جھوٹ باندھنے کے مثل نہیں ہے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ حدیث حجت ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر مشتمل ہے، اس لیے آپ پر جھوٹ باندھنا اور آپ کی حدیث کو چھپانا اللہ کے حکم کو بدلنے، لوگوں کو اس سے ناواقف رہنے اور اللہ نے جو حکم نازل کیا ہے اس کے خلاف حکم پر عمل کرنے کا سبب ہیں۔

اگر حدیث کی وہ حیثیت نہ ہوتی جو ہم نے بیان کی تو کسی دوسرے شخص پر جھوٹ باندھنے اور آپ کی حدیث چھپانے میں کوئی فرق نہ ہوتا اور مؤخر الذکر باتیں سخت وعید کی مستحق نہ ہوتیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ اس بندے کو سرسبز وشاداب رکھے جو میری بات سنے، پھر اسے یاد کرے اور اسے محفوظ رکھے اور دوسروں تک اسے پہنچائے، اس لیے کہ بہت سے لوگ فقہ (علمِ دین) کے حامل ہوتے ہیں مگر خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے علم دین کے حامل اس کو ایسے آدمی تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔

طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی نے فرمایا: اے اللہ! میرے خلفاء پر رحم فرما۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کے خلفاء کون ہیں؟

فرمایا کہ وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے، میری احادیث کو روایت کریں گے اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیں گے۔

مقدسی نے الحجہ میں حضرت براء بن عازب سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دو حدیثیں سیکھے جن سے خود کو بھی فائدہ پہنچائے، یا انھیں دوسرے کو سکھائے تاکہ وہ بھی ان سے فائدے اٹھائے تو یہ ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

ابو نعیم نے حلیہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: جو شخص میری امت تک ایک حدیث پہنچائے جس سے ایک سنت قائم ہو جائے یا ایک بدعت کا خاتمہ ہو جائے، تو وہ جنت کا مستحق ہے۔

مقدسی نے الحجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری امت کے لیے ایسی چالیس حدیثیں یاد کرے جو ان کو ان کے دینی امور میں نفع دیں تو قیامت میں وہ علماء میں سے اٹھایا جائے گا۔

بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: میری طرف سے دوسروں کو پہنچاؤ، خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو اور میری طرف سے حدیث بیان کرو اور میری طرف جھوٹ منسوب نہ کرو۔ جو شخص عمداً مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم کو بنا لے۔

⑤ سنت کے بغیر صرف تنہا قرآن پر عمل کا ناممکن ہونا:

قرآن بہت سے مجمل اور مشکل نصوص پر مشتمل ہے۔ ان پر عمل کے لیے ایسی تشریح ناگزیر ہے جو ان کی تفصیل بیان کرے، ان کی وضاحت کرے اور ان کی تاویل وتفسیر کرے۔ اور ضروری ہے کہ یہ تشریح اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو، اس لیے اس نے بندوں کو ان کا مکلّف بنایا ہے۔ ان کی مراد کو وہی زیادہ جاننے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی ان (کی مراد) سے باخبر نہیں۔ یہ تشریح درحقیقت حدیث ہے جس کو لے کر وحی نازل ہوئی ہے:

﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾

[النحل : ٤٤]

''اور ہم نے آپ پر یہ ذکر اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں پر (ان مضامین کو اپنی تشریح وتوضیح کے ساتھ) ظاہر کردیں جو کچھ ان کے پاس بھیجا گیا ہے۔''

﴿وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ [البقرة : ٤٣۔ النور : ٥٦]

''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔''

اس آیت سے نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت سمجھی جاتی ہے، لیکن جس نماز کو فرض کیا گیا ہے اس کی اہمیت کیا ہے؟ اس کی کیفیت کیا ہے؟ اس کا وقت کیا ہے؟ تعداد کتنی ہے؟ کن لوگوں پر فرض ہے؟ اور پوری عمر میں کتنی مرتبہ فرض ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ﴾ [الروم : ١٧]

''سو اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت بھی اور صبح کے وقت بھی۔''

اس آیت سے ہم اجمالاً تسبیح کی فرضیت اور اس کا وقت سمجھ گئے، لیکن اس تسبیح سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے مراد نماز ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے:

﴿وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ یا کوئی دوسری چیز ہے، مثلاً ''سبحان اللہ'' کہنا؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ﴾ [المزمل : ٢٠]

''سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔''

اس آیت سے آسانی کے ساتھ قراءت کی فرضیت ہم سمجھ گئے، لیکن قراءت سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے مراد نماز ہے؟ یا قرآن پڑھنا ہے؟ اگر اس سے نماز مراد ہے تو کیا ایک رکعت کافی ہے؟ اگر ایک رکعت کافی ہے تو وہ کون سے افعال ہیں جن پر یہ رکعت مشتمل ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا﴾ [الحج : ٧٧]

''اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو۔''

اس آیت سے ہم سمجھ گئے کہ رکوع اور سجدہ فرض ہیں۔ لیکن ان کی کیفیت کیا ہے اور ان سے مراد کیا ہے؟ نماز یا اور کوئی چیز؟ اگر ان سے مراد نماز ہے تو کیا اس میں رکوع وسجدہ کی تعداد برابر ہوگی؟ یا کسی ایک کی تعداد دوسرے سے زیادہ ہوگی؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ [البقرة : ١٩٦]

''اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو۔''

اس آیت سے ہم یہ سمجھ گئے کہ حج اور عمرہ کی تکمیل (اللہ کی خوشنودی کے لیے) فرض ہے۔ لیکن ان سے مراد کیا ہے؟ کیا وہ تمام رسوم جو عرب زمانۂ جاہلیت میں کرتے تھے یا کوئی اور چیز؟ اگر کوئی چیز ہے تو وہ کیا ہے؟ اور پوری زندگی میں کتنی بار فرض ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں مجمل احکام بیان کیے گئے ہیں۔ اگر ہمیں صرف ان ہی پر چھوڑ دیا جاتا تو ہمیں یہ معلوم نہ ہوتا کہ ان پر کیسے عمل کریں؟ ان تمام مسائل میں ان تفصیلات کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے جو نبی ﷺ سے منقول ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے احکام پر عمل کرنے کے لیے حدیث کی طرف رجوع کرنا ضرورۃً ناگزیر ہے۔

ابن عبدالبر نے اوزاعی سے اور انھوں نے حسان بن عطیہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی اور حضرت جبریل آپ کے پاس وہ سنت لے کر آتے تھے جو اس کی تفسیر کرتی تھی۔

بیہقی نے مدخل میں ایوب سختیانی سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: جب تم کسی شخص سے سنت بیان کرو اور وہ کہے کہ ہمیں اس سے معاف رکھو (ہم سے یہ بیان نہ کرو) اور ہمیں قرآن سے بتاؤ، تو جان لو کہ وہ گمراہ ہے۔

اوزاعی نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: قرآن کی تشریح کے لیے سنت کی زیادہ ضرورت ہے بہ نسبت سنت کی تشریح کے لیے قرآن کی ضرورت کے۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ سنت قرآن کی تشریح وتفسیر کرتی ہے اور اس کے معنی ومراد کو واضح کرتی ہے۔

⑥ سنت کی دو قسمیں (وحی اور بمنزل وحی):

رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ صادر ہوا (اقوال، افعال اور تقریرات) ممکن ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے تبلیغ احکام کے لیے صادر ہوا ہو، یا ان سے تبلیغ مقصود نہ ہو۔

رہی پہلی قسم تو یہ قطعاً وحی ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ خطا اور سہو سے محفوظ ہیں جیسا کہ ہم جانتے ہیں۔ جمہور احناف اس کو وحی ظاہر کا نام دیتے ہیں۔

اب یا تو اس وحی کا نزول آپ پر الفاظ کے ساتھ ہوا ہوگا جو اس کے وحی ہونے کو بتلاتے ہوں گے یا اس کا نزول الفاظ کے ساتھ نہیں ہوا ہوگا۔ اگر اس کا نزول الفاظ کے ساتھ ہو تو اس سے مقصود تعبد (بے چون و چرا بعینہ اس کو تسلیم کر لینا)، اعجاز اور اس کی چھوٹی چھوٹی سورت کے ذریعے مقابلہ کی دعوت (چیلنج) ہوگا، اور وہ قرآن ہے۔ یا اس سے یہ مقصود نہیں ہوگا، یہ صورت حدیث قدسی کی ہے۔ ان لوگوں کے مطابق جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث قدسی کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ ہوتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ وحی ہی ہے۔ اس لیے کہ اس کے ذریعے آپ اللہ کی طرف سے خبر دیتے ہیں جس طرح کہ آپ کی خبر ہی نے یہ بتلایا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ لیکن اگر اس کا نزول الفاظ کے ساتھ نہ ہوا ہو تو وہ حدیث نبوی ہے۔ مندرجہ ذیل آیات اس کے وحی ہونے پر دلالت کرتی ہیں:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [النجم : ۳، ۴]

"وہ (نبی) اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے۔ وہ تو ایک وحی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے۔"

﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ﴾ [یونس : ۱۵]

"میں تو بس اسی وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری پاس بھیجی جاتی ہے۔"

﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾

[النساء : ۱۱۳]

''اور اللہ نے تم پر کتاب وحکمت نازل کی اور تمھیں وہ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے۔''

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ [القيامة : ١٦ تا ١٩]

''آپ اس کو (قرآن کو) جلدی لینے کے لیے اس پر زبان نہ ہلایا کیجیے۔ اس کا یاد کروانا اور اس کا پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔ تو جب ہم اسے پڑھنے لگیں تو وحی کی قراءت کا اتباع کرتے رہیے۔ پھر اس کا بیان کرا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔''

امام بیہقی نے اوزاعی سے روایت نقل کی ہے، انھوں نے کہا: جب تمھارے پاس رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث پہنچے تو اس کے علاوہ کوئی اور بات کہنے سے پرہیز کرو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچانے والے تھے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص رسول اللہ سے صادر ہونے والے اقوال وافعال کو قبول کرے گا وہ کتاب اللہ کے حکم کی بنا پر کرے گا، اس لیے کہ آپ کی پیروی کے فرض ہونے کا حکم کتاب میں دیا گیا ہے۔

⑦ اجماع:

جب ہم خلفائے راشدین کے عہد سے لے کر اس زمانہ تک کے اسلاف کے آثار اور اُن کے بعد آنے والوں کے حالات کی تلاش وجستجو کریں تو ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام کو بھی ایسا نہیں پاتے جو سنت کو بحیثیت سنت مضبوطی سے پکڑنے، اس سے استدلال کرنے اور اس کے تقاضے پر عمل کرنے کا انکار کرتا ہو، بلکہ اس کے برعکس ہم اس کو سنت کو مضبوطی سے تھامنے والا، اس کے طریقے پر چلنے والا، دوسروں کو اس پر عمل کرنے پر ابھارنے والا، اس کے ممانعت سے ڈرانے والا، خود اپنے لیے اور دوسرے کے لیے اس سے استدلال کرنے والا، اگر کوئی اس کی مخالفت کرے یا اس کی شان کی تحقیر کرے اور گرا ہوا سمجھے تو اس پر نکیر کرنے والا، آپ ﷺ کو قرآن مجید کا شارح سمجھنے والا اور اگر انھیں کوئی حدیث جو ان کے نزدیک صحیح ہو معلوم ہو جائے اور ان کی نظر میں وہ معتبر ہو، تو اپنی رائے سے جو انھوں

نے قرآن یا کسی فقہی ماخذ میں سے کسی دوسرے ماخذ کے بارے میں اپنے اجتہاد سے قائم کی ہو، ہم انھیں رجوع کرنے والا پاتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے یہ مشہور عبارت مروی ہے: اگر کوئی صحیح حدیث مل جائے تو وہ میرا مسلک ہے، اس وقت میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔ وہ لوگ حدیث کی شان بلند کرتے تھے۔ اس کی مجلسوں میں ادب سے بیٹھتے تھے، اہل حدیث (محدثین) کا احترام اور تعظیم کرتے تھے، یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کا وجود دین کا سب سے بڑا مددگار ہے۔ وہ لوگ روایت حدیث کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ اس کے لیے دور دراز کا سفر کرتے تھے، ملکوں ملکوں کی خاک چھانتے تھے، اپنی ساری عمریں کھپانے والے، اپنے کام، لذتیں، خواہشات، وطن اور مال واولاد کو چھوڑنے والے تھے۔ یہ سب کچھ حدیث کی روایت، اس کو جمع کرنے، اس کی تحقیق وحفاظت کرنے، اس کی تاریخ کو جاننے اور ضعیف وموضوع احادیث میں صحیح احادیث کو پرکھنے میں ان کی دلچسپی کے سبب سے تھا۔ خوب سن لو کہ وہ (حدیث) اصول اسلام میں سے ایک اصل ہے اور اس پر فہم قرآن اور اکثر احکام کے ثبوت کا دارومدار ہے۔

حدیث کی حجیت پر ان کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اس پر وہ سب کلی طور پر متفق ہو چکے ہیں اور ان کے دل اس پر متحد ہیں۔ اس مسئلہ میں جو اختلاف واقع ہوا ہے وہ صرف دو چیزوں میں تھا۔ اوّل یہ کہ اس بات کا اطمینان کہ مثلاً اس حدیث کی نبی کی طرف اسناد صحیح ہیں یا نہیں؟ دوم یہ کہ کیا یہ حدیث اسی حکم پر دلالت کرتی ہے یا نہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص پر رسول اللہ ﷺ کی سنت واضح ہو جائے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ لوگوں میں کسی دوسرے شخص کے قول کے سبب اسے ترک کر دے۔ مزید فرماتے ہیں: کسی ایسے شخص کے بارے میں جسے عوام صاحب علم قرار دیتے ہوں یا وہ خود اپنی نسبت علم کی طرف کرتا ہو، میں نے نہیں سنا کہ وہ اس بات کی مخالفت کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پیروی اور آپ کے حکم کے سامنے جھک جانے کو فرض کیا ہے۔ مزید فرماتے ہیں: مجھے کسی صحابی اور تابعی کے بارے

میں علم نہیں ہے کہ اسے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بتائی گئی ہو اور اس نے اس کو قبول نہ کیا ہو اور اسے آخری بات نہ سمجھا ہو اور اسے حجت قرار نہ دیا ہو۔ (حجیت سنت)

یہاں تک ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ بات بتانے کی کوشش کی کہ قرآن مجید کی طرح حدیث بھی اسلام کا بنیادی ماخذ ہے اور یہ کہ قرآن مجید کے احکام کی منشائے الٰہی کے مطابق تعمیل حدیث کے بغیر ممکن نہیں ہے اور یہ کہ جس طرح قرآن مجید کی تعلیمات کی پیروی مسلمانوں کے لیے واجب ہے اسی طرح صحیح احادیث کی پیروی بھی ان پر واجب ہے۔ اصول شریعت کے لیے قرآن مجید اور احادیث نبوی یکساں ماخذ ہیں۔ اس لیے ان کے احکام بھی یکساں حجت ہیں اور سب سے اہم بات یہ کہ اس بارے میں ائمہ سلف وخلف میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ قرآن مجید اور احادیث لازم وملزوم ہیں اور منشائے الٰہی سمجھنے کے لیے ناقابل تفریق ہیں اور یہ کہ نصوصِ قرآن سے حجیت حدیث ثابت ہے، اب ہم دین کے اس بنیادی ماخذ حدیث کے متعلق جاوید احمد غامدی کے ایک اور باطل اور گمراہ کن دعویٰ کہ ''رسول اللہ ﷺ نے احادیث کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے لیے کوئی اہتمام نہیں کیا'' کا محاسبہ کریں گے۔

احادیث کے متعلق یہ بحث کرنے سے پہلے کہ آیا رسول اللہ ﷺ نے احادیث کی حفاظت اور تبلیغ کا اہتمام کیا ہے یا نہیں، یہ بات جاننے کی ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کا اہتمام کیا ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ قرآن مجید کی حفاظت ہوئی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اصولی طور پر دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں:

① اگر حدیث قرآن مجید کی تشریح وتوضیح ہے اور بنیادی شرعی ماخذ ہے تو پھر ہر صحیح الدماغ انسان یہ تسلیم کرے گا کہ قرآن مجید کی حفاظت اور تبلیغ کے ساتھ ساتھ حدیث کی حفاظت اور تبلیغ بھی ناگزیر ہے۔

② اگر اسلام قرآن اور ۲۶ ابراہیمی روایات سے عبارت ہے اور صرف ان ہی دو چیزوں کی حفاظت اور تبلیغ قولی اور عملی تواتر سے ہوئی ہے تو پھر ظاہر بات ہے جو چیز دین نہیں

ہے اس کی حفاظت اور تبلیغ کیوں ضروری ہے۔

یہ دونوں باتیں بالکل صحیح ہیں۔ اگر حدیث نبوی اسلام کا قرآن کے ساتھ بنیادی ماخذ ہے پھر اس کی حفاظت اور تبلیغ اور اشاعت کا اہتمام بھی رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے اور اگر یہ اسلام کا اساسی ماخذ نہیں ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی حفاظت اور تبلیغ کا اہتمام نہیں کیا ہے۔ ابھی تک ہم عقلی اور نقلی دلائل سے یہی ثابت کر رہے تھے کہ حدیث نبوی قرآن مجید کے ساتھ اسلام کا بنیادی ماخذ ہے۔ اس لیے یہ بات از خود ثابت ہو جاتی ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی حفاظت اور تبلیغ کا اہتمام ہوا ہے اسی طرح احادیث کی حفاظت اور تبلیغ کا بھی اہتمام ہوا ہے۔ حدیث کو اسلام کا ماخذ ماننے والوں کے لیے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ کا اہتمام ظاہر و عیاں (Understood) ہے، مگر ہمارا واسطہ یہاں ایسے لوگوں سے پڑا ہے جو قرآن مجید کی حفاظت اور تبلیغ کے اہتمام کے قائل تو ہیں مگر جس چیز (حدیث) سے قرآن مجید کی تشریح و توضیح ہوتی ہے اس کی حفاظت اور تبلیغ کے قائل نہیں ہیں۔ پوری توجہ کے ساتھ ان کے اس نظریہ پر غور کرنے سے ان کی جہالت و ضلالت ہی نہیں بلکہ ان کی کج فہمی اور کج قلبی بھی سامنے آجاتی ہے اور یہ کہ یہ لوگ قرآن مجید کی معنوی تحریف کرنا چاہتے ہیں۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی اور نصوصِ قرآن اور عقلی تقاضوں سے ثابت ہو گئی کہ قرآن مجید کے احکام کی منشائے الٰہی کے مطابق تعمیل صرف اور صرف معلم قرآن اور شارح قرآن سیدنا رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل سے ہی ممکن ہے اور یہ کہ اطاعتِ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، پھر ہر سلیم العقل انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت اور تبلیغ کے ساتھ احادیث کی حفاظت اور تبلیغ کا اہتمام اگر نہیں ہوا ہے تو پھر قرآن کی حفاظت اور تبلیغ کے کیا معنی؟

آسمان کے نیچے آج تک اگر سب سے بڑی کوئی بے عقلی اور جہالت کی بات کہی گئی ہے تو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ" الفاظ اور احکام کی حفاظت فرمائی ہے مگر جس قول و فعل سے ان الفاظ اور احکام کے معنی معلوم ہوں گے اس قول و فعل کی

حفاظت نہیں ہوئی ہے؟ یعنی الفاظ کی حفاظت مگر معنی کی حفاظت نہیں؟ ”وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ“ کا حکم ظاہر ہے قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے ہے، اگر ہم صحابہ جو مدرسہ نبوی سے براہ راست فیض یاب ہونے والے خوش نصیب لوگ ہیں اور احادیث کے اوّلین حفاظ اور راویانِ بھی ہیں ان کو اور اُن کی روایات کو قرآن مجید سے الگ کریں تو ہم ۱۴۳۷ سال بعد ان قرآنی احکام پر عمل کیسے کریں گے؟ دنیا کی تمام عربی لغت کی کتابیں سامنے رکھیے اور عرب جاہلیت کے شعراء کے کلام بھی دستیاب رکھیے اور بتایئے کہ پھر بھی کیا نماز نبوی کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکتا ہے؟ پھر تو صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے وہی معنی ہوں گے جو غلام احمد پرویز منکرِ حدیث بیان کرتے ہیں۔ ”صلوا کما رایتمونی اصلی“ پر کیسے عمل ہوگا؟ اسی لیے ہم یہ بات اصرار اور تکرار کے ساتھ کہتے ہیں کہ منکرین حدیث کا اصل ہدف احادیث نبوی نہیں بلکہ قرآن مجید ہے۔ وہ ”صرف قرآن“ کی آڑ میں قرآن مجید کی معنوی تحریف کے لیے ماحول تیار کرنا چاہتے ہیں۔

اب جب یہ جہالت اور ضلالت کتابوں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے پھیلائی جارہی ہے کہ رسول اللہ نے حدیث کی حفاظت اور اشاعت کا اہتمام نہیں کیا ہے، ہم یہاں ثابت کریں گے کہ صرف ”نماز قائم کرو“ کی حفاظت اور تبلیغ ہی نہیں ہوئی ہے بلکہ ”نماز کس طرح قائم کرو“ اس کی بھی حفاظت اور تبلیغ ہوئی ہے۔

حفاظت اور تبلیغ حدیث:

حفاظت اور تبلیغ باہم لازم وملزوم ہیں، جس چیز کی تبلیغ ضروری نہیں ہے اس کی حفاظت بھی کیوں کی جائے اور جس چیز کی تبلیغ ضروری ہے اس کی حفاظت بھی ضرور ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر : ۹]

”ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ”قرآن“ لفظ نہیں ”الذِّکْرَ“ لفظ استعمال فرمایا ہے۔

''الذِّكْرَ'' کے معنی نصیحت کے ہیں۔ سب سے پہلے اس میں قرآن مجید آتا ہے، فرمایا: ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ [ق : ٤٥] ''تو آپ قرآن کے ساتھ انھیں نصیحت کرتے رہیں جو میری وعید سے ڈرتے ہیں۔'' یہاں غور طلب بات یہ ہے کیا سیدنا رسول اللہ ﷺ صحابہ کو صرف قرآن مجید کی آیات ہی سے نصیحت کرتے تھے یا پھر قرآن کے علاوہ بھی جو آپ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، اس سے بھی نصیحت فرماتے تھے!؟ جب یہ بات معلوم ہے کہ دین نصیحت ہے اور آپ ﷺ مذکرِ [الغاشیة : ٢١] ہیں اور یہ کہ دین کے بارے میں آپ ﷺ صرف وحی کی بنیاد پر ہی لب کشائی کرتے ہیں [النجم ٣، ٤] اور یہ کہ آپ قرآن مجید کی آیات کو بیان کرنے والے ہیں [النحل : ٤٤] اور آپ کا یہ بیان بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے [القیامة : ١٧ تا ١٩] اور قرآن مجید میں تقریباً ۴۰ مرتبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت اور آپ کے اتباع کا حکم فرمایا ہے۔ عقل سلیم بھی یہ چاہتی ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ قرآن مجید کے بیان کی بھی حفاظت ہوئی ہے۔ اگر حفاظت نہیں ہوئی ہے پھر آپ ﷺ کی وفات کے بعد لوگ کس طرح ''فَاتَّبِعُوْنِيْ'' [آل عمران : ٣١] اور ''اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'' [التغابن : ١٢] جیسے احکامات پر عمل کریں گے؟ منکرین حدیث عموماً کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے [الحجر : ٩]، مگر اس آیت میں ''الذِّكْرَ'' سے مراد صرف قرآن نہیں بلکہ وحی متلو اور وحی غیر متلو دونوں ہیں۔ ہم اُن سے پوچھتے ہیں، تم جو فجر کے وقت دو رکعت نماز پڑھتے ہو اور ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کرتے ہو قرآن مجید کی کس آیت کی بنیاد پر ایسا کرتے ہو؟ اگر حدیث کی حفاظت نہیں ہوئی ہے جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو، یہ فجر کے وقت کی دو رکعت اور ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدوں کی تعلیم تم تک کیسے پہنچ گئی؟ تم کہو گے صحابہ کے عملی تواتر کے ذریعے۔ ہم کہتے ہیں تعاملِ صحابہ بھی حفاظت حدیث ہی کی ایک صورت تو ہے۔ معلوم ہوا قرآن مجید کے ساتھ ساتھ اس کی تشریح و توضیح کی بھی حفاظت ہوئی ہے اور اُن ہی امین و فطین لوگوں کے ذریعے ہوئی ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ قرآن کا کام

لیا ہے اور ان ہی طریقوں سے حدیث کی حفاظت ہوئی ہے جن طریقوں سے قرآن مجید کی حفاظت ہوئی۔ آگے چل کر ہم ان طریقوں پر بات کریں گے۔

حفاظت قرآن بھی اور حفاظت حدیث بھی:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر : ٩]

''یقیناً ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

اس آیت میں حفاظت کے وقت کا تعین نہیں کیا گیا ہے کہ حفاظت سے مراد نزول کے وقت کی حفاظت ہے یا نزول کے بعد کی حفاظت؟ ہوسکتا ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب ہو کہ عمومی حفاظت کا کام ہم انجام دیں گے۔ آگے پیچھے پہرے لگائے دیے جاتے ہیں تا کہ اللہ کا کلام پورا پورا محفوظ پہنچ جائے۔ اگر یہ معنی مراد ہوں، تو اس سے بعد کی حفاظت معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ نزول کے وقت کی حفاظت تو تمام کتب کے بارے میں ہوئی ہے۔

اگر نزول کے بعد کی حفاظت مراد ہو یعنی ہم قرآن کو رد و بدل سے محفوظ رکھیں گے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حفاظت دائمی، ہو کیونکہ اس قسم کا لفظ ہر جان کے متعلق وارد ہے:

﴿إِن كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾ [الطارق : ٤]

''ہر جان پر نگہبان ہے۔''

یعنی اللہ ہر ایک جان کا محافظ ہے۔ مگر باجود اس کے جانوں میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی کوئی شخص بیمار ہوتا ہے، کبھی جوان، کبھی بوڑھا، پھر موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہم قرآن مجید کو ہمیشہ کے لیے محفوظ مانتے ہیں، کیونکہ ہم قرآن کا ترجمہ روایات سے کرتے ہیں اور روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن ہمیشہ کے لیے محفوظ رہے گا۔ مگر منکرین حدیث جو قرآن کو صرف قواعد اور لغت سے سمجھنے کے دعوے دار ہیں وہ قرآن مجید کی دائمی حفاظت کس طرح ثابت کریں گے؟

پھر قرآن کے الفاظ کی حفاظت کرنا اس کے معانی کی حفاظت نہ کرنا، یہ کامل حفاظت نہیں ہے، بلکہ کامل حفاظت یہ ہے کہ جیسے قرآن کے الفاظ محفوظ ہیں اسی طرح اس کے

معانی بھی محفوظ ہوں اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ان احادیث کی حفاظت کی جائے جن کا دین سے تعلق ہے۔

پس آیت کا یہ مطلب ہوا کہ قرآن کے الفاظ اور اس کے بیان (حدیث) کی حفاظت کریں گے۔ اسی بنا پر ابن حزم نے دعویٰ کیا ہے کہ جو حدیث محدثین کے طریق پر صحیح ہو اور ہم کو باوجود تفتیش کے اس میں کسی قسم کا ضعف معلوم نہ ہو سکا تو ایسی حدیث قطعاً رسول کی طرف سے ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اس کے ضمن میں ان احادیث کی حفاظت کا وعدہ ہے جو قرآن کا بیان ہیں (اور حقیقت میں تمام احادیث جن کی من جانب اللہ تردید نہیں ہوئی قرآن ہی کا بیان ہیں) بلکہ ابن حزم نے آیت مذکورہ میں وارد لفظ "الذِّكْرَ" میں قرآن وحدیث دونوں کو شامل مانا ہے اور کہا ہے کہ جو روایت بالاتفاق صحیح قرار دی گئی ہے اس کے بیان کرنے میں راویوں کو خطا سے محفوظ مانا جائے گا۔

[دوام حدیث از محدث حافظ محمد گوندلوی، ص: ۱۳۶، ۱۳۷]

منکرین حدیث اس بات پر غور کیوں نہیں کرتے کہ اگر سیدنا رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید نازل نہ ہوتا یعنی آپ ﷺ کتاب نہ دیے جاتے، جیسا کہ کئی ایسے انبیاء ہوئے ہیں جن پر کوئی کتاب یا صحیفہ نازل نہیں ہوا ہے، جب کہ وہ بھی انبیاء تھے اور لوگوں تک اللہ کا دین غیر متلو وحی کی بنیاد پر پہنچانے پر مامور من اللہ تھے، ایسی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ساری کی ساری احادیث ہی پر مشتمل ہوتیں تو کیا وہ ان تعلیمات کو قبول کرتے؟ حدیث جبریل جس میں اسلام، ایمان اور احسان کی تشریح بیان ہوئی ہے اس کو مانتے؟ اگر نہیں مانتے پھر نبی پر ایمان لانے کے کیا معنی؟ ایمان بالنبی کے معنی تصدیق نبوت ہی نہیں تصدیق اخبار نبی اور اطاعت نبی بھی ہے۔

قرآن مجید اور احادیث نبوی کی حفاظت کا تعلق براہِ راست آپ ﷺ کی خاتم النبیین حیثیت سے ہے۔ اب چونکہ نہ کوئی کتاب نازل ہونے والی ہے اور نہ ہی کوئی تشریعی یا غیر تشریعی نبی مبعوث ہوگا اس لیے بنی آدم کی رشد و ہدایت کے لیے قرآن مجید اور اس کے معنی اور

بیان کی حفاظت ضروری تھی۔

﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

[الجمعة : ٢]

''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

مکہ میں دارارقم اور مدینہ میں مسجد نبوی رسول اللہ ﷺ کی مشہور درسگاہیں تھیں۔ پھر صحابہ کی جس جماعت کو آپ ﷺ نے خود قرآنی آیات سنائیں، اُس کو پاک کیا، کتاب اور حکمت کی تعلیم دی، وہ صحابہ کی جماعت سب کے سب اپنی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق داعیان دین بھی تھے اور راویان دین بھی، پھر ان ہی داعیان اور راویان دین کی صحبت میں تابعین کی جماعت تیار ہوئی، وہ حافظ قرآن وحدیث، فقیہ دین اور مفسر ومحدث...... الغرض کیا کچھ نہیں تھے۔ ان تابعین سے تبع تابعین تک قرآن وحدیث کا علم تشریح وبیان کے ساتھ منتقل ہوا اور پھر کئی معتبر اور مستند ذرائع سے علم کی منتقلی کا ایسا سلسلہ چل پڑا جو قیامت تک باقی رہے گا۔ ان شاء اللہ! ۱۴ صدیوں سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد آج بھی جہاں کہیں بھی لوگ جید اور مستند علمائے اسلام سے علمی استفادہ کرتے ہیں درحقیقت وہ اسی تسلسل علمی سے فیض یاب ہوتے ہیں جس کی بنیاد مسجد نبوی میں، جیسا کہ سورۂ جمعہ میں مذکور ہے، معلم انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے پڑی ہے۔ علی بن زرعہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''وفات پاگئے رسول اللہ ﷺ اس حال میں کہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تھا اور آپ سے آپ کی باتیں سنی تھیں ان کی تعداد ایک لاکھ انسانوں سے زیادہ تھی، جن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔ یہ ایک لاکھ سے زیادہ تعداد والی

جماعت وہ ہے جس میں سے ہر ایک نے آپ سے سن کر یا دیکھ کر روایت کی ہے۔''

[اصابة، ج: ٦، ص : ٣٠]

لیکن اس سلسلے میں جن بزرگوں کی معلومات حدیث کی کتابوں میں جمع ہو سکی ہیں یا اس وقت جن کی معلومات تک رسائی ممکن ہے غالباً ان کی تعداد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام حاکم نے لکھا ہے کہ:

آں حضرت ﷺ کے صحابہ کی جماعت میں روایت کرنے والوں کی تعداد چار ہزار ہے، جن میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی۔ [مدخل، ص : ٧]

احادیث نبوی کے متعلق مستشرقین اور منکرین حدیث سب سے زیادہ دو طرح کی گمراہیاں پھیلاتے ہیں:

① رسول اللہ ﷺ نے احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا۔ جو اس بات کی شہادت ہے کہ آپ نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ اس لیے حدیث کو دین کا ماخذ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

② احادیث کی تدوین دوسری اور تیسری صدی میں ہوئی ہے۔ تب تک یہ احادیث ''سنی سنائی'' باتیں ہی تھیں۔ اس لیے ''سنی سنائی'' باتیں دین کا ماخذ کیسے ہو سکتی ہیں؟

حدیث کی حفاظت کی صورتیں:

① **تعامل صحابہ:** یہ بات ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ صحابہ رسول اللہ ﷺ سے علم وعمل دونوں چیزیں دونوں طریقوں، آپ کے قول سے اور آپ کے فعل سے سیکھتے تھے۔ وہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی نہیں اتباع بھی کرتے تھے۔ دینی امور کی کیا بات وہ دنیوی اور طبعی امور میں بھی آپ کا اتباع کرتے تھے۔ جب نماز کا حکم ہوا تو جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے ان کو نماز کے بارے میں فرمایا اس کو یاد رکھتے، پھر جس طرح آپ ﷺ نماز ادا کرتے وہ بھی اسی طرح ادا کرتے تھے۔ وہ پوری حرص و رغبت سے آپ کے قول وفعل پر عمل کرتے تھے۔ آپ ﷺ پانچ وقت نماز پڑھتے تھے وہ بھی آپ

کے ساتھ پانچ وقت نماز پڑھتے تھے۔ اس طرح نماز کے متعلق سارے شرائط، ارکان، فرائض اور سنتیں تعامل صحابہ کے ذریعے محفوظ ہوگئیں۔ اس طرح جب وہ دوسروں کو نماز سکھاتے تو بالکل اسی طرح سکھاتے جس طرح انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھی ہوتی تھی۔ اسی پر دوسری عبادات کو قیاس کرنا چاہیے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں کسی بھی ایسی چیز پر عمل نہیں چھوڑ سکتا جس پر رسول اللہ ﷺ عمل کرتے تھے، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں آپ ﷺ کے قول وفعل میں سے کچھ بھی چھوڑ دوں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔'' [بخاری]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل ہے کہ:

''انھوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور فرمایا: مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تو پتھر ہے اور کسی قسم کے نفع ونقصان کا مالک نہیں، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔'' [بخاری]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل:

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ جبکہ دوسری رکعت میں سورۂ منافقون تلاوت فرمائی۔ ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ میں نے نماز کے بعد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور کہا کہ آپ نے وہی سورتیں تلاوت فرمائیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں پڑھایا کرتے تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز جمعہ میں یہی سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔'' [مسلم]

② سرکاری عمل: ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو اسی طرح صاحب نصاب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل روانہ کیے جس طرح سیدنا رسول اللہ ﷺ ان کو روانہ کرتے تھے۔ ظاہر بات ہے زکوٰۃ کا نصاب احادیث نبوی ہی میں آیا ہے اور یہ نصاب سب

صحابہ کو معلوم تھا۔ اسی نصاب کے مطابق لوگوں سے خلفائے راشدین زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ اس کے علاوہ دور نبوی میں نکاح، طلاق، عدت، رضاعت، میراث، قصاص اور حدود کے جو مسائل ان کے سامنے پیش آتے تھے ان کو انھوں نے اسی طرح اپنے دور میں بھی حل کیا جس طرح اُن کا مشاہدہ اور تجربہ تھا۔ اس طرح تعامل صحابہ کے ساتھ ساتھ یہ سرکاری عمل بھی رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل کی حفاظت کا ذریعہ بنا۔

③ **حفظ وسماع:** حفظ وسماع کی طرف سیدنا رسول اللہ ﷺ نے خاص توجہ فرمائی، آپ کے کئی ارشادات کی وجہ سے صحابہ اور صحابیات میں احادیث حفظ کرنے کی زبردست طلب پیدا ہوگئی۔ آپ نے ایسے شخص کو دعا بھی دی جو حفظ کرے، یاد رکھے، پھر اسی طرح آگے روایت کرے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ وعید بھی بتائی کہ جو شخص میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے اس کے لیے جہنم ہے۔ عہد نبوی کی اوّلین درس گاہ صفہ سے لے کر دوسری صدی کے وسط تک احادیث کی حفاظت کا ایک اہم ذریعہ حفظ وسماع ہی تھا۔

④ **درس وتدریس:** سیدنا رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہی درس و تدریس کے حلقے قائم ہو چکے تھے۔ صحابہ ایک دوسرے کو قرآن کی آیات اور نبی کے فرمان سناتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن جب تک امام مقصورہ سے نہ نکلتے، لوگوں کو رسول کی احادیث سناتے۔ حمص میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ لوگوں کو احادیث نبوی سناتے تھے۔ مسجد نبوی میں جابر بن عبداللہ نے درسِ حدیث کا حلقہ قائم کیا تھا۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مستشرقین اور منکرین حدیث کتابت حدیث کو لے کر ہی تدوین حدیث کی تاریخ کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم یہاں کتابت حدیث کے اس مسئلے پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے اور پھر تبلیغ حدیث کے حوالے سے ایک اہم بات بھی نقل کریں گے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً ۱۰۰ سال تک صحابہ کی موجودگی تبلیغ حدیث کی ایک قابل اعتبار صورت تھی۔

حدیث لکھنے کی ممانعت:

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَكْتُبُوا عَنِّي، وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ، وَحَدِّثُوا عَنِّي وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

[مسلم]

''قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ نہ لکھو۔ جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ لکھا ہے تو وہ اسے مٹا دے اور مجھ سے حدیثیں بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (سن لو!) جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

دوسری جگہ یہ حدیث یوں ہے:

''تم یہ کیا لکھتے ہو؟ ہم نے عرض کیا: ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنتے ہیں (وہ لکھ لیتے ہیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کوئی دوسری کتاب؟ صرف اور صرف اللہ کی کتاب ہی کو خالص طور پر لکھو۔''

ابوسعید بیان کرتے ہیں: ہم نے جو کچھ لکھا تھا اسے ایک میدان میں جمع کیا اور پھر اسے جلا دیا۔ (مسند احمد)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم احادیث لکھ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: یہ تم کیا لکھ رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا یہ وہ احادیث ہیں جو ہم آپ سے سنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی کتاب کے علاوہ کوئی اور کتاب؟ کیا تم جانتے ہو کہ تم سے پہلے لوگ بھی صرف اسی وجہ سے گمراہ ہوئے کہ انھوں نے اللہ کی کتاب کے ساتھ اور کتابیں بھی لکھ لی تھیں۔'' [تقييد العلم للخطيب بغدادي]

نوٹ: ابوسعید خدری سے مروی اس حدیث کو امام بخاری نے موقوف قرار دیا ہے۔

[تاريخ الحديث والمحدثين۔ ص: ٢١٢]

سوال یہ ہے کہ اگر ان روایات سے انکار حجیت حدیث کے لیے استدلال کیا جا سکتا ہے

پھر اُن احادیث صحیحہ کے متعلق منکرین احادیث کیا کہیں گے جن میں رسول اللہ ﷺ نے تقریراً و تحریراً احادیث نقل کرنے کی اجازت دی ہے، ترغیب دی ہے اور ناقلین کے لیے دعا فرمائی ہے؟ جن احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے احادیث لکھنے کی اجازت دی ہے وہ سب مرفوع ہیں۔ تعجب ہے مرفوع احادیث چھوڑ کر منکرین حدیث موقوف روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ اس سے بھی اہم بات یہ کہ منکرین حدیث حدیث نبوی ہی سے استدلال کیسے کر سکتے ہیں؟

ابوسعید خدری کی روایت میں موجود الفاظ "حدثوا عني ولا حرج" پر غور کیجیے...... اگر "لا تکتبوا عني" سے لکھنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور دس ہزار کے قریب صحیح احادیث ناقابل اعتبار ٹھہرتی ہیں تو "حدثوا عني ولا حرج" سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ اگر حدیث لکھنے کی ممانعت سے حدیث کی حجیت ختم ہو جاتی ہے، حدیث بیان کرنے کی اجازت سے کیا حدیث کی حجیت ثابت نہیں ہوتی؟ ایک ہی حدیث میں موجود یہ دو جملے بظاہر باہم متضاد معلوم ہوتے ہیں۔ مگر آپ غور کیجیے ان میں تضاد کی کوئی بات نہیں ہے۔ چونکہ کاتبین جو کچھ قرآن مجید سنتے تھے لسان نبوی سے سنتے تھے اور قرآن مجید کی تشریح بھی لسان نبوی ہی سے سنتے تھے۔ اس لیے کاتبین کے لیے یہ بالکل ناممکن تھا کہ وہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبوی کے درمیان تمیز کرتے، اس لیے امکان قوی تھا کہ کاتبین اس بارے میں اختلاط اور اشتباہ کا شکار ہو جاتے۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس خدشہ کے پیش نظر کہ قرآنی آیات اور آپ ﷺ کے فرمان خلط ملط نہ ہوں، فرمایا:

«امحضوا كتاب الله واخلصوه» [مسند احمد]

"اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اختلاط سے پاک خالص رکھو۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم میں اگرچہ اس کا امکان کم تھا تاہم تابعین تک جب صحابہ کی یہ تحریریں پہنچ جاتیں بالخصوص غیر عرب مسلمانوں کے پاس تو یقیناً ان کے لیے مشکل ہو جاتا کہ وہ دونوں کو الگ الگ کر سکتے۔ اس طرح قرآن مجید کی آیات میں اُن کے درمیان اختلاف پیدا ہو سکتا

تھا جس طرح قراءت کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہوا۔ اگر واقعتاً لکھنے کی ممانعت اس لیے ہوتی کہ احادیث ماخذ دین نہیں ہے اور حجیت حدیث کوئی چیز ہی نہیں ہے، پھر ''حدثوا عنی ولا حرج'' بیان کرنے کے کیا معنی ہیں؟ جب کہ ہم جانتے ہیں عرب تحریر سے زیادہ حفظ پر ہی اعتماد اور اعتبار کرتے تھے، کیونکہ عرب قدرتی طور پر قوی الحافظ واقع ہوئے ہیں۔ وہ ہزاروں اشعار، قصیدے اور امثال ایک ہی وقت میں زبانی سنا دیا کرتے تھے۔ اُن کی اسی قوت حافظ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

《 احفظوهن واخبروا بهن من ورائكم 》 [بخاری]

''اسے یاد کرو اور اپنے پیچھے والے لوگوں کو اس کے متعلق بتاؤ۔''

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح صحابہ کو قرآن مجید کی آیات دوسروں تک پہنچانے کی تعلیم دی اسی طرح اُن کو احادیث دوسروں تک پہنچانے کی بھی ترغیب دی۔

قرآن مجید کے ساتھ احادیث نقل کرنے کی اس سے بڑھ کر شہادت کیا ہوگی۔ یہ چیز غیر اہم ہے کہ صحابہ قرآن مجید اور احادیث کی تحریراً تبلیغ کریں یا تقریراً، جو چیز اہم ہے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دونوں کی تبلیغ کی اجازت تھی۔ آگے چل کر ہم اُن صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا تذکرہ کریں گے جو حُفاظ حدیث تھے۔ یہاں ہم کچھ احادیث نقل کریں گے جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے احادیث کو حفظ کرنے اور کتابت میں لانے اور نقل کرنے کی صحابہ کو اجازت بھی دی اور ترغیب بھی۔

عبدالقیس کا وفد آپ ﷺ کے پاس مدینہ آیا اور اس کی استدعا پر آپ نے ان کو (احادیث پر مشتمل) نہایت اہم باتیں بتائیں، پھر رخصت کرتے وقت فرمایا:

《 احفظوا و اخبروا من وراء كم 》 [بخاری]

''اس کو یاد کرو اور اپنے پیچھے والے لوگوں کو اس کے متعلق بتاؤ۔''

یہاں ''وراء کم'' سے مراد محض غیر حاضر لوگ نہیں جو ان کے پیچھے تھے بلکہ آنے والی نسلیں بھی مراد ہیں جیسا کہ آنے والی احادیث سے ثابت ہو جائے گا۔

مالک بن الحویرث مدینہ میں بیس دن قیام کرنے کے بعد جب رخصت ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« صلوا کما رایتمونی اصلی » [بخاری]

''نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔''

حجۃ الوداع میں منیٰ کے مقام پر آپ ﷺ نے خطبہ دیا، سامعین کی تعداد سوا لاکھ تھی آپ ﷺ نے اختتام خطبہ پر فرمایا:

« فليبلغ الشاهد الغائب فان الشاهد عسیٰ أن يبلغ من هو أوعى له منه » [بخاری]

''جو یہاں حاضر ہے وہ اس کو خبر کر دے جو غائب ہے، کیونکہ جو حاضر ہے شاید وہ ایسے شخص کو خبر دے جو اس بات کو اس سے زیادہ یاد رکھنے کا اہل ہو۔''

اندازہ کیجیے! ایک لاکھ سے زائد صحابہ کو رسول اللہ کے احکامات دوسروں تک پہنچانے کا پابند بنایا جا رہا ہے اور اسی حکم میں اُن لوگوں کو بھی تبلیغ حدیث کا پابند بنایا جا رہا ہے جن تک یہ صحابہ احکام نبوی پہنچا رہے ہیں کیونکہ فرمان نبوی کا مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں تک آپ کے فرمان کو پہنچانا ہے۔

آپ نے اسی موقع پر مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

« نضر الله عبدا سمع مقالتي فوعاها ثم اداها و بلغها » [ترمذی]

''اللہ تعالیٰ اس بندے کو تر و تازہ رکھے جس نے میری باتوں کو سنا پھر انھیں یاد رکھا پھر اس کو آگے پہنچایا۔''

آپ نے اسی موقع پر فرمایا:

« تسمعون ويسمع منكم ويسمع ممن يسمع منكم » [رمذی]

''تم سن رہے ہو اور تم سے سنا جائے گا۔ پھر جس شخص نے تم سے سنا اس سے بھی سنا جائے گا۔''

اس تعلیم میں دونوں چیزیں حفاظت اور تبلیغ آ گئیں۔ احادیث نبوی کو یاد کریں، پھر حفظ حدیث کے بعد اس کی تبلیغ واشاعت کریں۔ آپ ﷺ کے ارشاد مبارک سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ حفاظت حدیث اور تبلیغ حدیث کی ایک مسلسل صورت بیان فرما رہے ہیں۔ یعنی یہ حفاظت اور تبلیغ حدیث کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ صحابہ آپ ﷺ سے سن رہے ہیں صحابہ سے تابعین سنیں گے پھر تابعین سے تبع تابعین سنیں گے۔ اس حدیث پر غور کیجیے تو ان ہی تین ادوار میں تدوین احادیث کے بنیادی اور اہم کام ہوئے۔ آج بھی جو درس گاہوں اور اسلامی مدارس میں حدیث پڑھائی جاتی ہے وہ آپ ﷺ ہی کی مبارک تعلیم کی تعمیل ہے۔ الحمد للہ!

احادیث لکھنے کی اجازت:

چند قریش نوجوانوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو جنھیں رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث لکھنے کی اجازت دی ہوئی تھی، کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث نہ لکھا کرو، کیونکہ آپ ﷺ کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی ناراض۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے جب یہ بات رسول اللہ کو بتائی تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن عمرو کو حکم فرمایا: ((اکتب)) (لکھ لیا کرو) پھر اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

« والذی نفسی بیدہ لایخرج منه الاحق » [أبوداؤد]

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس (زبان) سے حق کے بغیر کوئی بات نہیں نکلتی۔''

یہ فرمانِ نبوی سورۃ النجم (آیات: ۳، ۴) کی ہی تشریح ہے کہ آپ دین کے بارے میں وحی کی بنیاد پر ہی لب کشائی کرتے ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ خوش ہوں یا غصہ میں، آپ تبلیغ دین میں سہو اور خطا سے معصوم ہیں۔ اور آپ ﷺ کو وحی متلو و غیر متلو لوگوں تک پہنچانے پر اللہ تعالیٰ نے مامور فرمایا ہے۔ قرآن اور بیان قرآن دونوں آپ ﷺ کی زبان حق سے اللہ

تعالیٰ ہی جاری فرماتا ہے۔ اس لیے جو کچھ بھی آپ ﷺ دین کے بارے میں فرمائیں گے وہ حجت ہے جس کی حفاظت اور تبلیغ ضروری ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((قَيِّدوا العلم بالكتاب)) [مستدرك الحاكم]

''جو علم تم مجھ سے حاصل کرتے ہو اس کو ضبط تحریر میں لاؤ۔''

حضرت رافع بن خدیج کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ سے بہت سی اشیاء سنتے ہیں تو کیا ان کو لکھ لیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اكتبوا ولا حرج)) [منتخب كنز العمال]

''لکھ لیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔''

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جب خطبہ ارشاد فرمایا تو یمن سے آنے والے ایک صحابی ابو شاہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے خطبہ میں بہت اچھی باتیں ارشاد فرمائیں یہ خطبہ اگر کوئی مجھ کو لکھ دے تو بڑا ہی اچھا ہوگا۔ آپ نے فرمایا:

((اكتبوا لابی شاه)) [بخاری]

''ابو شاہ کو لکھ کے دو۔''

ایک دفعہ ایک انصاری آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: حضور میرا حافظہ کمزور ہے اور آپ کے مواعظ یاد نہیں رہتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((استعن بيمينك)) [ترمذی]

''اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو (یعنی لکھ لیا کرو)۔''

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں لکھنے کے لیے فرمایا کرتے تھے:

((قيدوا العلم. قلت وما تقييده قال كتابته)) [مستدرك حاكم]

''علم کو قید میں لاؤ۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے پوچھا: قید میں لانے سے کیا مطلب

ہے؟ فرمایا: تحریر میں لانا۔"

یہ بات معلوم ہو جانے کے بعد کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف احادیث لکھنے کی اجازت دی بلکہ ان کو حفظ کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی بھی تلقین فرمائی، ساتھ ہی یہ کام کرنے والوں کے لیے دعا بھی فرمائی۔ ابوسعید خدری کی روایت میں "حدثوا عنی ولا حرج"، عبدالقیس کے وفد کو احادیث حفظ کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی تلقین کہ حفظ میں احتیاط اختیار کرنے کی یہ کہہ کر تلقین کہ تم سن رہے ہو تم سے سنا جائے گا، پھر اُن سے سنا جائے گا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو یہ کہہ کر لکھنے کی اجازت دینا کہ آپ ﷺ کی زبان سے صرف حق ہی نکلتا ہے۔ پھر رافع بن خدیج کو لکھنے کی اجازت دینا۔ ابوشاہ کے لیے خطبہ لکھوانا، انصاری صحابی کو ہاتھ سے مدد لینے (لکھنے کے لیے) کی تلقین کرنا، حاضرین حجۃ الوداع کو غائب تک آپ ﷺ کے فرمان پہنچانے کی تلقین کرنا، پھر حدیث حفظ کرنے والوں اور اُن کو دوسروں تک پہنچانے والوں کے حق میں دعا فرمانا، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو کتابت کے ذریعے حدیث کو محفوظ کرنے کے لیے فرمانا، ان ساری شہادتوں سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

سیدنا رسول اللہ ﷺ نے احادیث کو حفظ کرنے، کتابت میں لانے اور پھر دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر حدیث ماخذ اسلام ہی نہیں ہے۔ ان سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ بھی نہیں ہوتا اور یہ کہ اسلام صرف قرآن اور ۲۶ سنتوں کا نام ہے پھر رسول اللہ ﷺ احادیث کو حفظ کرنے، لکھوانے اور دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام ہی کیوں کرتے؟ جب بھی حدیث کو حفظ کرنے اور لکھنے کی بات آتی آپ ﷺ فرماتے حدیث حفظ کرنے اور لکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تم بس قرآن کو مضبوطی سے پکڑو اور حدیث کو چھوڑ دو۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم کہ احادیث حفظ کی جائیں اور ان کو لکھنے کی اجازت دینا اور اُن کو دوسروں تک پہنچانے کی تلقین فرمانے کا ہی نتیجہ تھا کہ صحابہ نے احادیث حفظ کرنے، ان کو ضبط تحریر میں لانے اور پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ عہد نبوی میں ہی

شروع کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایسے شخص کے بارے میں جہنم کی وعید سنانا جو آپ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرے، اس بات کی شہادت ہے کہ آپ کی حدیث شرعی ماخذ اور حجت ہے، ورنہ آپ کی طرف غلط بات منسوب کرنے کے کیا معنی ومقصد؟ اور یہ کہ آپ نے حدیث کو حفظ کرنے، لکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کی اجازت دی تھی۔ سوال یہ ہے کہ اگر حدیث دین کا حصہ نہیں ہے اور نہ ہی مسلمانوں کے لیے حجت ہے پھر آپ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے کی کاذبین کو ضرورت ہی کیوں پڑتی؟ وضاعین کو حدیث گھڑنے کی حاجت ہی کیا تھی؟ بازار میں اسی چیز کی نقل لائی جاتی ہے جس کی لوگوں کی نظروں میں اہمیت اور مقبولیت ہوتی ہے۔ یعنی کذاب اور وضاعین کے لیے وعیدِ جہنم اور موضوع احادیث کی موجودگی بھی اس بات کی شہادت ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں اگر کسی چیز کو قرآن مجید کے ساتھ ماخذ اسلام مانا جاتا تھا تو وہ احادیث نبوی ہی تھیں۔ اگر کسی چیز کو ''العلم'' کہا جاتا تھا تو وہ قرآن مجید اور احادیث نبوی تھیں اور اگر مسلمانوں میں علمی حیثیت سے عزت وافتخار حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ تھا تو وہ قرآن مجید اور احادیث کا علم ہی تھا۔

مندرجہ ذیل صحابہ سے احادیث نبوی لکھنا ثابت ہے:

① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ [فتح الباری]

② حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما۔ [بخاری]

③ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ۔ [مسند احمد]

④ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔ [بخاری]

⑤ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔ [ابوداؤد]

⑥ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ۔ [مسلم]

⑦ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ۔ [مسلم]

⑧ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ [مسلم]

⑨ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ۔ [بخاری]

⑩ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ [بخاری]

⑪ حضرت انس رضی اللہ عنہ۔ [مسلم]

⑫ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ [جامع بیان العلم]

⑬ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ [بخاری]

⑭ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ [مسلم]

⑮ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ [بخاری]

⑯ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا۔ [مسلم]

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی نے اپنی کتاب ''Studies in the Early Hadith Literature'' میں صحابہ کے مراتب کیے ہوئے ۴۸ مجموعوں کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے علاوہ انھوں نے تابعین کے زمانے کے ۲۵۰ مجموعوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

صحابہ کرام کے چند مشہور تحریری مجموعے:

① صحیفہ صادقہ: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اسے ترتیب دیا۔ یہ صحیفہ ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھا اور اب یہ مسند احمد میں بہ تمام و کمال مل سکتا ہے۔

② صحیفہ عمر بن خطاب: جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے احادیث کی جمع و تدوین کا حکم دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ کتاب ان کے خاندان سے ملی، اس کتاب میں صدقات وزکوۃ کے احکامات درج تھے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ کتاب پڑھی تھی۔

③ صحیفہ عثمان: اس صحیفہ میں بھی زکوۃ کے جملہ احکام درج تھے۔

④ صحیفہ علی: امام بخاری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ کافی ضخیم تھا۔

⑤ صحیفہ انس بن مالک: وہ صحیفہ جسے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کر اس کی تصویب بھی فرمائی تھی۔

⑥ مسند ابو ہریرہ: اس کے نسخے عہد صحابہ ہی میں لکھے گئے اس کی ایک نقل حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد عبدالعزیز بن مروان گورنر مصر کے پاس تھی۔

⑦ صحیفہ سعد بن عبادہ: ان کے پاس احادیث نبوی کا ایک رسالہ موجود تھا۔

⑧ صحیفہ ہمام بن منبہ: ہمام بن منبہ ابو ہریرہ کے شاگرد ہیں جنھوں نے ۱۳۸ احادیث کا ایک صحیفہ تیار کیا تھا۔

⑨ صحیفہ بشیر بن نہیک: یہ صحیفہ بشیر بن نہیک نے خود تیار کیا تھا۔

⑩ صحیفہ جابر بن عبداللہ: یہ صحیفہ کئی احادیث پر مشتمل تھا۔

⑪ صحیفہ عمرو بن حزم: جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرائض وسنن اور صدقہ و دیات پر مشتمل احکام لکھوا دیے۔ اس کو احادیث نبوی کی پہلی جامع ترین کتاب کہا جا سکتا ہے۔

⑫ رسالہ سمرہ بن جندب: یہ رسالہ روایت کے ایک بڑے ذخیرے پر مشتمل تھا۔

⑬ صحیفہ عبداللہ بن مسعود: جس کے متعلق ان کے بیٹے عبدالرحمٰن نے حلفیہ بیان دیا کہ وہ ان کے باپ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔

⑭ صحیفہ عبداللہ بن عمر: یہ صحیفہ عبداللہ بن عمر نے خود تالیف کیا تھا۔

⑮ صحیفہ زید بن ثابت: یہ صحیفہ کئی طرح کی احادیث پر مشتمل تھا۔

⑯ صحیفہ سہل بن سعد انصاری: یہ صحیفہ سہل بن سعد نے تیار کیا تھا۔

⑰ صحیفہ براء بن عازب: اس صحیفے میں کئی مشہور احادیث تھیں۔

ان صحیفوں کے علاوہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کے خطوط، احکام اور فرامین پر مشتمل ۳۸۶ تحریرات پر مشتمل مجموعے بھی ہیں، جن کو آپ ﷺ نے خود تحریر کروایا تھا۔ جن کو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب ''الوثائق السیاسیہ'' میں درج کیا ہے۔ ان میں ۲۹۱ تحریروں کا تعلق رسول اللہ ﷺ سے ہے۔

اسی طرح صحابہ کے ساتھ ساتھ تابعین بھی حدیث نبوی لکھتے تھے۔ ان میں چند مشہور

تابعین کے نام یہ ہیں:

① حضرت نافع ② عمر بن عبد اللہ بن ارقم ③ عبداللہ بن محمد ④ وہب بن منبہ ⑤ سلیمان بن قیس ⑥ سلیمان بن سمرہ ⑦ عروہ بن زبیر ⑧ طاؤس تابعی ⑨ زہری تابعی ⑩ ابو بردہ تابعی ⑪ سعید بن جبیر ⑫ عنترہ تابعی۔

یہاں ہم ان صحابہ کی فہرست نقل کرتے ہیں جنھوں نے ایک ہزار سے زیادہ احادیث نبوی حفظ کی ہیں:

① حضرت ابوہریرہ، ۵۳۷۴۔

② حضرت عبداللہ بن عمر، ۲۶۳۰۔

③ حضرت انس بن مالک، ۲۲۸۶۔

④ حضرت عائشہ، ۲۲۱۰۔

⑤ حضرت جابر بن عبداللہ، ۱۵۴۰۔

⑥ حضرت عبداللہ ابن عباس، ۱۱۶۰۔

⑦ حضرت ابوسعید خدری، ۱۱۰۰۔

فائدہ: (یہ وہی ابوسعید خدری ہیں جن کی ایک منعِ کتابت والی روایت کی بنیاد پر مستشرقین اور ان کے حواری منکرین حدیث حجیت حدیث کا انکار کرتے ہیں)۔

صحابہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً سو سال تک احادیث نبوی کی حفاظت اور تبلیغ کا ذریعہ بنے رہے۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد یوں تو ایک سے زائد صحابیوں کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ سو سال بلکہ سو سال کے بعد بھی دنیا میں موجود تھے۔ آں حضرت ﷺ کے خادم خاص اور آپ کی خلوت وجلوت کے مشاہدات وتجربات کے بیان کرنے والے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سو سال تک پیغمبر کے بعد زندہ رہے بلکہ بعض تو ایک سو پر بھی ایک سال کا، بعض دو سال کا اور بعض تین سال کا اضافہ کرتے ہیں۔ بہر حال اس پر سب کا اتفاق

ہے کہ پیغمبر کے بعد پیغمبر کی زندگی کے نمونوں کی قولاً وفعلاً کامل ایک صدی تک حضرت انس رضی اللہ عنہ امت میں اشاعت کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی مانا گیا ہے کہ ہرماس بن زیاد باہلی صحابی ایک سو بارہ سال تک اور محمود بن ربیع صحابی ایک سو نو سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہے ہیں۔ چوتھے صحابی اس سلسلے کے حضرت ابوالطفیل ہیں جن کا نام عامر بن واثلہ ہے، سمجھا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ آخری صحابی ہیں جن پر صحابہ کا دور ختم ہو گیا۔ پھر جیسے سیاسی مرکزیت کی وجہ سے کسی بادشاہ کی حکمرانی کا سارا زمانہ اسی بادشاہ کا دور اور عہد سمجھا جاتا ہے، کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی بھی جس زمانے تک پائے گئے ہیں اس زمانے کو ہم عہد صحابہ نہ قرار دیں۔ آخر مسلمانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیاسی نہ سہی دینی مرکزیت کا جو مقام صحابہ کو حاصل تھا وہ سلاطین کی سیاسی مرکزیت سے کیا کم تھا۔ سو یہاں تو حال کی صورت یہ ہے کہ ان ہی معدودے چند اصحاب کی حد تک یہ مسئلہ محدود نہیں ہے بلکہ آپ کے سامنے میں ایک تختہ پیش کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے کتنے صحابی سالوں تک مسلمانوں کو اپنی ان معلومات اور مشاہدات سے مستفید کرتے رہے ہیں جن کا براہ راست علم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ان بزرگوں کو میسر آیا تھا۔

وہ صحابہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسی سے سو سال تک زندہ رہے

نمبر شمار	نام صحابی	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہنے کی مدت	جائے قیام و وفات
۱	سائب بن یزید رضی اللہ عنہ	۸۴ سال تک	مدینہ منورہ
۲	مرثد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	۷۹ سال تک	مدینہ منورہ
۳	عبداللہ بن بسر المازنی رضی اللہ عنہ	۸۶ سال تک	حمص (شام)
۴	سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ	۸۱ سال تک	مدینہ منورہ
5	عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ	۷۷ سال تک	کوفہ

۶	عتبہ بن عبدالسلمی رضی اللہ عنہ	۷۷ سال تک	کوفہ
۷	مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ	۷۷ سال تک	شام
۸	عبد بن الحارث رضی اللہ عنہ	۷۷ سال تک	مصر
۹	ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ	۸۶ سال تک	حمص (شام)
۱۰	عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ	۸۰ سال تک	مدینہ منورہ
۱۱	عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ	۷۵ سال تک	کوفہ
۱۲	ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ	۷۵ سال تک	کوفہ
۱۳	عمرو بن سلمہ الجرس رضی اللہ عنہ	۷۵ سال تک	بصرہ (شام)
۱۴	واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ عنہ	۷۵ سال تک	مصر
۱۵	عتبہ بن الندر رضی اللہ عنہ	۷۴ سال تک	بصرہ
۱۶	عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ	۷۸ سال تک	بادیۃ العرب
۱۷	زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ	۶۸ سال تک	حمص
۱۸	عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ	۶۵ سال تک	شام
۱۹	ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ	۶۵ سال تک	مدینہ منورہ
۲۰	ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ	۶۴ سال تک	بادیہ
۲۱	سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ	۶۴ سال تک	مدینہ منورہ
۲۲	رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ	۶۴ سال تک	مدینہ منورہ
۲۳	محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ	۶۴ سال تک	مدینہ منورہ
۲۴	ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ	۶۴ سال تک	مدینہ منورہ
۲۵	سعید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ	۶۳ سال تک	مدینہ منورہ
۲۶	اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا	۶۳ سال تک	مدینہ منورہ
۲۷	عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	۶۳ سال تک	مدینہ منورہ

۲۸	عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ	۶۳ سال تک	مدینہ منورہ
۲۹	براء بن عازب رضی اللہ عنہ	۶۲ سال تک	مدینہ منورہ
۳۰	جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ	۶۸ سال تک	مدینہ منورہ

اس فہرست میں چاہا جائے تو ابھی اور اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ان تیس ناموں کے ساتھ ان چار بزرگوں کو بھی ملا لیجیے جن کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ سو سال سے بھی برس دو برس زیادہ عہد نبوت کے بعد زندہ رہے اور اس کے بعد سوچیے کہ اتنی بڑی تعداد صحابیوں کی کیا استثنائی مثال کہلانے کی کسی طرح بھی مستحق ہو سکتی ہے؟ کیا اتنی بڑی تعداد کے متعلق یہ دعویٰ کہ بچے کھچے اکے دکے آدمی آخر میں رہ گئے تھے، کسی حیثیت سے بھی درست ہو سکتا ہے؟

بہر حال تدوین حدیث کی تاریخ میں یہ واقعی کافی اہمیت رکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک سو سال تک کوئی زمانہ ایسا نہیں تھا جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے خالی رہا ہو، بلکہ اس طویل عرصے میں ہر اس مقام پر جسے گونہ مرکزیت حاصل تھی اس طبقہ کے کافی لوگ وہاں پائے گئے ہیں۔ نبوت کے متعلق جس کے تجربات ومشاہدات، براہِ راست معلومات وذاتی مسموعات کا نام حدیث ہے۔ یہی نہیں بلکہ حدیث کا بڑا ذخیرہ جن صحابیوں سے منقول ہے اصطلاحاً جنھیں مکثرین کہتے ہیں۔ یعنی ہزار یا ہزار سے اوپر جن کی روایتیں کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ مکثرین صحابہ میں سے بجز تین کے سب کے سب اس پیش کردہ تختے میں بھی موجود ہیں۔

باقی مکثرین میں سے تین حضرات یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس رضی اللہ عنہ اس میں شک نہیں کہ نسبتاً ان بزرگوں کی عمریں دوسرے مکثرین کے مقابلے میں تھوڑی ہیں لیکن یہ کمی بھی کتنی ہے؟

جب ہمیں معلوم ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابن عباس ۸۷ سال تک، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۶۹ سال تک، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ۶۸ سال تک حدیث کی نشر واشاعت کے کام انجام دیتی رہی ہیں تو عام صحابہ کے لحاظ سے نہ سہی۔ مگر حدیثوں کی روایت کا جن صحابیوں سے تعلق ہے ان کے متعلق تو بہر حال یہی ماننا پڑے گا کہ پیغمبر کے بعد کامل سو سال پر ان کا

عہد مشتمل ہے۔ [تدوین حدیث از مولانا سید مناظر احسن گیلانی]

حفاظ حدیث تابعین:

ا۔ ابراہیم بن یزید۔ ۲۔ابراہیم نخعی۔ ۳۔احنف بن قیس۔ ۴۔اسماعیل بن ابو خالد۔ ۵۔اسود بن یزید۔ ۶۔عروہ بن زبیر۔ ۷۔سلیمان بن مہران اعمش۔ ۸۔اویس قرنی۔ ۹۔ایوب بن ابوتمیمہ۔ ۱۰۔بسر بن سعید۔ ۱۱۔بکر بن عبداللہ قرنی۔ ۱۲۔ثابت بن اسلم۔ ۱۳۔جابر ابن زید۔ ۱۴۔جعفر بن محمد۔ ۱۵۔حسن بن حسن۔ ۱۶۔حسن بصری۔ ۱۷۔خالد بن معدان۔ ۱۸۔سعید بن جبیر۔ ۱۹۔سعید بن میبّب۔ ۲۰۔سالم بن عبداللہ۔ ان کے علاوہ بے شمار تابعین اصاغر و اکابر نے حفظ حدیث کا اہتمام کیا۔

حفاظ حدیث تبع تابعین:

ا۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری۔ ۲۔ابن اسحاق۔ ۳۔امام مالک۔ ۴۔حماد بن مسلمہ۔ ۵۔سفیان ثوری۔ ۶۔امام اوزاعی۔ ۷۔عبداللہ بن مبارک۔ ۸۔سفیان بن عیینہ۔ ۹۔لیث بن سعد۔ ۱۰۔شعبہ بن حجاج۔ ۱۱۔محمد بن حسن۔ ۱۲۔امام احمد بن حنبل۔ ۱۳۔اسحاق بن راہویہ۔ ۱۴۔ابن ابی شیبہ۔ ۱۵۔امام محمد بن ادریس الشافعی۔ ۱۶۔امام مسلم۔ ۱۷۔امام ابو داؤد ۱۸۔امام ترمذی۔ ۱۹۔امام نسائی۔ ۲۰۔امام ابن ماجہ۔ ۲۱۔امام دارمی۔

یہ تمام ائمہ کرام حفاظ حدیث کے ساتھ ساتھ مؤلفین کتب بھی تھے۔

سیدنا رسول اللہ ﷺ کے مذکورالصدر ارشادات جو آپ نے احادیث کو حفظ کرنے، لکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کے بارے میں فرمائے۔ پھر صحابہ کی طرف سے احادیث کو حفظ کرنے، لکھنے اور درس حدیث کے حلقے قائم کرنے، پھر ان سے، تابعین سے، تبع تابعین سے احادیث کو حفظ کرنے اور لکھنے کی ان روایات پر غور کیجیے اور جاوید احمد غامدی کے اس بے بنیاد اور گمراہ کن دعوے پر افسوس کیجیے کہ:

”رسول اللہ ﷺ نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے لیے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا۔“

حدیث نبوی سے قرآن کے کسی حکم کی تحدید یا تخصیص کا مسئلہ

جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

''قرآن سے باہر کوئی وحی خفی یا جلی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وہ پیغمبر بھی جس پر یہ نازل ہوا ہے، اس کے کسی حکم کی تحدید و تخصیص یا اس میں کوئی ترمیم و تغیر نہیں کر سکتا۔ دین میں ہر چیز کے رد و قبول کا فیصلہ اس کی آیات بینات ہی کی روشنی میں ہوگا۔'' [میزان، ص: ۲۵۔ طبع سوم مئی ۲۰۰۸ء لاہور]

''حدیث سے قرآن کے نسخ اور اس کی تحدید و تخصیص کا یہ مسئلہ محض سوئے فہم اور قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ اس طرح کا کوئی نسخ یا تحدید و تخصیص سرے سے واقع ہی نہیں ہوئی کہ اس سے قرآن کی یہ حیثیت کہ وہ میزان اور فرقان ہے کسی لحاظ سے مشتبہ قرار پائے۔'' [نفس مصدر۔ ص: ۲۵]

جاوید احمد غامدی کی ان دو باتوں پر غور کیجیے، یعنی حدیث نبوی سے قرآن کے کسی حکم کی تحدید و تخصیص نہیں ہوسکتی۔ یہ وہی انکارِ حدیث پر مبنی گمراہ کن نظریہ ہے۔ ان کی بنیادی گمراہی یہی ہے کہ وہ صرف قرآن مجید ہی کو وحی مانتے ہیں۔ یہ بات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی نازل ہوئی ہے، بالکل جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ کے علاوہ بھی وحی نازل ہوئی تھی۔ آپ ﷺ وحی کو لوگوں تک پہنچانے پر

مامور من اللہ تھے (المائدۃ: ٦٧) اور یہ کہ آپ دین کے بارے میں جو کچھ بھی فرماتے تھے خواہ وہ قرآن مجید میں موجود ہو یا نہ ہو، وحی کی بنیاد پر ہی فرماتے تھے۔ (النجم: ٣،٤) جہاں تک قرآن مجید کے کسی حکم کی حدیث نبوی سے تحدید یا تخصیص کا تعلق ہے، یہ بنیادی طور وحی کے ذریعے وحی کی تحدید یا تخصیص ہے اور یہ اس تبیین میں شامل ہے جس کی ذمہ داری آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد تھی اور جو ذمہ داری آپ نے معصوم عن الخطا اور معلم کتاب وحکمت (الجمعہ: ٢) کی حیثیت سے انجام دی۔ یہاں ہم چند مثالیں پیش کریں گے جن سے ثابت ہوگا کہ حدیث نبوی سے قرآن کے بعض احکام کی تحدید اور تخصیص واقع ہوئی ہے اور اس تحدید وتخصیص پر ائمہ سلف وخلف کا اتفاق رہا ہے اور یہ کہ اس طرح کے احکام پر تحدید وتخصیص کے ذریعے ہی منشائے الٰہی کے مطابق عمل کیا جا سکتا ہے۔ ہم یہاں جاوید احمد غامدی کے متعلق یہ بات بھی نقل کریں گے کہ وہ کس طرح اُس حق کو جو وہ نبی کو بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں، اپنے لیے محفوظ مانتے ہیں:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ﴾

[النساء : ٣٤]

”مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں پس وہ عورتیں جو نیک بخت ہیں اور خاوند کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت الٰہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بد دماغی کا تمھیں خوف ہو انھیں نصیحت کرو اور انھیں الگ بستروں پر چھوڑ دو انھیں مار کی سزا دو پھر اگر وہ تابع داری

کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے۔''

اس آیت میں الفاظ ''وَاضْرِبُوْهُنَّ'' مطلق تھے اور یہ مارنا ہر طرح کا مارنا اور زخمی کرنا ہوسکتا تھا، لیکن حدیث نبوی کے ذریعے قرآن مجید کے اس مطلق حکم میں تحدید ہو گئی ہے کہ صرف ایسی مار جائز ہے جو اتنی تکلیف دہ نہ ہو کہ اس سے کسی عضو کو کوئی نقصان پہنچ جائے:

فرمان نبوی ہے:

((فاضربوهن ضربا غير مبرح)) [مسلم]

''پس تم ان کو اتنا مار سکتے ہو جو ایسا تکلیف دہ نہ ہو کہ اس سے ان کے کسی عضو کو کوئی نقصان پہنچے۔''

تعجب ہے جاوید احمد غامدی بھی اس آیت کی حدیث نبوی سے تحدید کی بات کرتے ہیں اور اس بارے میں حدیث نبوی نقل کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

تحدید:

''نبی کریم ﷺ نے اس کی حد ''غیر مبرح'' الفاظ سے متعین فرمائی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسی سزا نہ دی جائے جو کہ پائیدار اثر چھوڑے۔''

[میزان-ص: ۴۲۳، طبع سوم ۲۰۰۸، لاهور]

سیدنا رسول اللہ ﷺ نے صرف تحدید فرمائی، جاوید احمد غامدی تحدید کے ساتھ ساتھ تغیر بھی کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے مارنے کا حق صرف عورت کے شوہر کو دیا ہے جو پہلے نصیحت کر کے عورت کو سمجھانے کی کوشش کرے گا، پھر اس سے بستر الگ کر کے مزید تادیب کرے گا اور پھر آخری صورت میں اس کو غیر مبرح مار سے زجر و توبیخ کرے گا۔ پہلے نبی کے متعلق جاوید احمد غامدی کا لب ولہجہ دیکھیے:

''وہ پیغمبر جس پر یہ (قرآن) نازل ہوا ہے اس کے کسی حکم کی تحدید و تخصیص یا اس میں کوئی ترمیم و تغیر نہیں کر سکتا۔''

تغیر:

جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

''اس آخری چیز (غیر مبرح مار) کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمدن کی تبدیلی کے ساتھ ریاست کیا شوہروں کو پابند کر سکتی ہے کہ پہلی دونوں تدابیر اگر موثر نہ ہوں اور سزا کی نوبت آجائے تو وہ خود کوئی اقدام نہیں کریں گے بلکہ معاملہ عدالت کے سپرد کر دیں گے؟ ہمارا جواب یہ ہے یقیناً کر سکتی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر عمل کے لیے یہ محض طریق کار کی تبدیلی ہے اس سے کوئی حکم معطل نہیں ہوتا، عورت کی اصلاح کے لیے سزا شوہر دے، خاندان کے بزرگ دیں یا عدالت اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا......۔'' [مقامات، ص: ۲۴۱]

اس سے پہلے بھی ہم زکوٰۃ کے متعلق کچھ چیزوں کو مستثنیٰ رکھنے اور بعض چیزوں پر نصاب مقرر کرنے کا حق جاوید احمد غامدی کی طرف سے ریاست کو دینے کی بات نقل کر چکے ہیں اور یہاں شوہر کے حق کو جو گھر کی چار دیواری کے اندر میاں بیوی کے درمیان صلح کی صورت پیدا کرنے کی ہو سکتی تھی، جاوید احمد غامدی عدالت میں لے جانے کی وکالت کر رہے ہیں۔ جبکہ قرآن مجید کی اس آیت کے بعد جو آیت ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے گھر کے اندر مذکورہ تینوں طریقے کارگر ثابت نہ ہوں تو چوتھا طریقہ یہ بیان فرمایا ہے کہ ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو، اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں میں ملاپ کرا دے گا۔ (النساء: ۳۵) مگر اس حل سے پہلے ہی جاوید احمد غامدی میاں بیوی کو عدالت میں لے جا رہے ہیں اور یہ کہ اس سے قرآن کے حکم میں نہ ترمیم ہوتی ہے اور نہ تغیر؟

﴿وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۔ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۔ اِنَّ

اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ [البقرہ : ۲۲۲]

''آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دیجیے وہ گندگی ہے۔ حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ، ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمھیں اجازت دی ہے، اللہ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔''

اس آیت میں یہ حکم ہے: ''فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ'' (پس تم بیویوں سے اُن کے حیض کی حالت میں الگ رہو) یہ الگ رہنا ایک مطلق حکم ہے جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ایسی حالت میں بیویوں سے الگ تھلگ رہو، ان کو کسی الگ مقام پر رکھو، ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دو اور ان سے میل جول نہ رکھو۔

اس بارے میں صحیح احادیث سے قرآن کے اس مطلق حکم کی تحدید ثابت ہے کہ ایسی حالت میں بیویوں سے صرف مباشرت منع ہے اس کے سوا سب کچھ جائز ہے۔ خود جاوید احمد غامدی بھی اس مطلق حکم کی تحدید حدیث سے بیان کرتے ہیں:

''انھی (عائشہ رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ ہم میں سے کوئی حیض کی حالت میں ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب آنا چاہتے تو ہدایت کرتے کہ حیض کی جگہ پر تہ بند باندھ کے پھر قریب آجاتے۔'' [میزان، ص: ۴۳۳، طبع سوم مئی ۲۰۰۸ء لاہور]

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ [المائدۃ : ۳۸]

''چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو۔ یہ بدلا ہے اس کا جو انھوں نے کیا، عذاب اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ قوت وحکمت والا ہے۔''

اس آیت میں چور کا لفظ عام ہے، معمولی چیز چرانے والا چور ہو یا قیمتی چیز چرانے والا،

لیکن اس عموم سے حدیث رسول نے اس چور کو خارج کر دیا جس نے ربع دینار سے کم قیمت کی چوری کی ہو۔ یعنی چور (السارق) کے عموم میں تخصیص کر دی کہ اس سے وہ خاص چور مراد ہے، جس نے ایک خاص قدر و قیمت کی چیز چرائی ہو نہ کہ ہر قسم کے چور کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں، جیسا کہ آیت کے عموم کا اقتضا ہے۔

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾

[النساء: ١١]

''اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انھیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے۔ اگر اس (میت) کی اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے۔ ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا ہے۔ یہ حصے اس وصیت کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد، تمھارے باپ ہوں یا تمھارے بیٹے تمھیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمھیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے۔ یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں، بے شک اللہ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے۔''

اس آیت سے واضح ہے کہ اولاد ہر حال میں اپنے والدین کے ترکے کی وارث ہوگی، بیٹے کو بیٹی سے دُگنا حصہ ملے گا۔ لیکن حدیث نبوی سے اس کی تخصیص واقع ہوئی:

« لا یرث القاتل شیئا » [ابوداوٗد]

''قاتل وارث نہیں ہوسکتا۔''

اس لیے اگر کوئی لڑکا اپنے باپ کا قتل کر دے گا تو مذکورہ حدیث کے حکم کے مطابق وہ اپنے مقتول باپ کی میراث سے محروم ہو جائے گا۔

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ﴾ [المائدة : ٣]

''تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن اسے تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ بھی کہ قرعہ کے تیروں کے ذریعے فال گیری کرو۔''

لیکن اس عموم میں حدیث رسول نے تخصیص کی اور مچھلی اور ٹڈی (دو مردار) اور جگر اور تلی (دو خون) حلال قرار دیے۔ [بلوغ المرام]

﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة : ٢٧٥]

''اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام۔''

مذکورہ آیت ہر طرح کی تجارت کو حلال ٹھہرائی ہے کیونکہ اس میں عموم پایا جاتا ہے، لیکن صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہ سے مروی حدیث ہے کہ:

''بے شک اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردہ جانور، خنزیر اور بتوں کی تجارت کو حرام قرار دیا ہے۔''

ان روایات پر توجہ کیجیے اور پھر جاوید احمد غامدی کے وہم پر افسوس کیجیے ''کہ اللہ کا پیغمبر بھی جس پر یہ نازل ہوا ہے اس کے کسی حکم کی تحدید و تخصیص یا اس میں کوئی ترمیم و تغیر نہیں کر سکتا۔''

کیا آیت حجاب وقتی تدبیر تھی؟

عالم کفر کو اسلام کے جن دو احکام کے ساتھ سب سے زیادہ نفرت ہے وہ خواتین کا پردہ اور مردوں کی داڑھی ہے۔ جاوید احمد غامدی نے ان کی اس نفرت کو ختم کرنے کے لیے اپنی ''قوت اجتہاد'' سے ثابت کر دیا کہ یہ دونوں چیزیں شرعی احکام نہیں ہیں۔ حجاب زمانۂ رسالت میں اختیار کی گئی ایک وقتی تدبیر تھی اور رہی بات داڑھی کی، تو اس بارے میں فرمانِ نبوی کو سمجھنے میں صحابہ سے غلطی ہو گئی۔

جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

''اصل میں ضرورت اس بات کی ہے کہ خواتین کو اس بات کا احساس دلایا جائے کہ ان کی تہذیب و ثقافت کیا ہے اور انھیں کن حدود کا پابند رہ کر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ ڈوپٹہ ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے، اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ ڈوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔ البتہ اسے ایک تہذیبی شعار کے طور پر ضرور پیش کرنا چاہیے۔ اصل چیز سینہ ڈھانپنا اور زیب و زینت کی نمائش نہ کرنا ہے۔ یہ مقصد کسی اور ذریعے سے حاصل ہو جائے تو کافی ہے، اس کے لیے ڈوپٹہ ہی ضروری نہیں۔''

[ماہنامہ اشراق۔ص۔۴۷۔مئی ۲۰۰۲ء]

''ان آیتوں (الاحزاب :۵۹) میں ''اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ'' کے الفاظ اور ان کے سیاق و سباق سے واضح ہے کہ یہ کوئی پردے کا حکم نہ تھا بلکہ مسلمان عورتوں کے لیے الگ شناخت قائم کر دینے کی ایک وقتی تدبیر تھی جو اوباشوں اور تہمت

تراشنے والوں کے شر سے مسلمان عورتوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کی گئی۔"

[میزان۔ص:۲۷۰۔طبع سوم مئی ۲۰۰۸ء لاہور]

"اس آیت (الاحزاب:۵۹) کا عورت کے پردے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور آج یہ حکم باقی نہیں ہے۔" [مارچ ۲۰۰۸ء، جیوٹی وی پروگرام میں پردے کے موضوع پر ہوئے مذاکرہ سے ماخوذ عبارت]

جاوید احمد غامدی پردے کے بارے میں جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے:

① پردے کا کوئی شرعی حکم نہیں ہے اس کو شرعی حکم کے طور پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

② پردے کا حکم مسلمان عورتوں کے لیے الگ شناخت قائم کر دینے کی وقتی تدبیر تھی، جو اوباشوں کے شر سے اُن کو محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کی گئی۔

پہلی بات یہ معلوم کرنے کی ہے کہ کسی حکم کا شرعی حکم ہونا کیسے معلوم ہوتا ہے؟ کیا قرآن مجید اور احادیث نبوی کے بغیر بھی کوئی ذریعہ ہے جس سے کسی حکم کی شرعی حیثیت ثابت کی جاسکتی ہے؟ دوسری بات یہ کہ "یہ کوئی پردے کا حکم نہیں تھا صرف وقتی تدبیر تھی" جاوید احمد غامدی کو یہ بات کیسے معلوم ہوگئی کہ یہ کوئی شرعی اور دائمی حکم نہیں بلکہ وقتی تدبیر تھی؟ ظاہر بات ہے اس دعوے پر قرآن مجید اور احادیث نبوی سے ہی کوئی شہادت یا کم سے کم صحابہ، تابعین یا تبع تابعین کی کوئی روایت پیش کی جانی چاہیے تھی۔ جاوید احمد غامدی اس طرح کی کوئی شہادت پیش نہیں کر سکے ہیں۔ اس بارے میں انھوں نے آیت کے جن الفاظ کا سہارا لیا ہے اس کو صرف قرآن مجید کی معنوی تحریف ہی کہہ سکتے ہیں۔ اس پر ہم آگے چل کر بات کریں گے۔

جاوید احمد غامدی کی اس ذہنی بیماری سے سب اہل علم باخبر ہیں کہ وہ پہلے تو کسی شرعی حکم کو جس سے ان کے گمراہ کُن نظریات کی بیخ کُنی ہوتی ہے شرعی حکم نہیں مانیں گے، پھر اگر اس بارے میں قرآن مجید کی محکم آیت موجود ہو تو اس آیت کی معنوی تحریف کریں گے۔ اگر اس کی بھی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو کہیں گے ان احکام کا تعلق زمانۂ رسالت کے ساتھ

خاص ہے، یعنی یہ احکام وقتی اور عارضی تھے، جن کو لوگوں نے سوئے فہم کی وجہ سے دائمی شرعی حکم سمجھا۔ یہ صرف ان کی بیماری نہیں ہے بلکہ ہر تجدد پسند طبیعت اس بیماری میں مبتلا رہتی ہے۔ وہ عقائد ہوں یا نظریات، اس کے لیے قرآن مجید اور احادیث نبوی کی طرف رجوع نہیں کریں گے، یعنی وہ ان عقائد اور نظریات کو اختیار نہیں کریں گے جو قرآن مجید اور احادیث نبوی سے ثابت اور معلوم ہوں، بلکہ وہ پہلے کچھ عقائد اور نظریات کی خود اختراع کرتے ہیں، پھر قرآن مجید اور احادیث نبوی سے ان کی توثیق و تائید چاہتے ہیں خواہ اس کے لیے ان کو قرآن مجید کی معنوی تحریف ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ احادیث کا انکار یا ان کا خانہ ساز مفہوم ہی کیوں نہ بیان کرنا پڑے۔

قرآن مجید اور احادیث نبوی میں پردے کے احکام کو اسلام میں حیاء کی جامع تعلیم کی روشنی میں سمجھنے کی ضرورت ہے اور بے حیائی کی تمام صورتوں کی ممانعت کے حوالے سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس تفصیل کو جاننے کے بعد ہی جاوید احمد غامدی کے اس موقف کہ ''پردہ کوئی شرعی حکم نہیں ہے اور یہ کہ یہ وقتی تدبیر تھی اور آج یہ حکم باقی نہیں ہے'' کی جہالت اور ضلالت معلوم ہو سکتی ہے۔ ہم یہاں اس جامع تعلیم کو اختصار کے ساتھ بیان کریں گے:

بے حیائی کے قریب نہ جاؤ:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ [الأنعام : ١٥١]

''اور بے حیائیوں کے قریب نہ جاؤ، جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں۔''

فرمان نبوی:

''اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی غیرت والا نہیں، اسی لیے اس نے بے حیائی کی ظاہر اور پوشیدہ تمام شکلوں کو حرام قرار دیا ہے۔'' [بخاری]

بے حیائی مت پھیلاؤ:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ [النور : ١٩]

”بے شک جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں بے حیائی پھیلے جو ایمان لائے ہیں، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

زنا کے قریب نہ جاؤ:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا﴾ [بني إسرائيل : ٣٢]

”اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ ہمیشہ سے بڑی بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے۔“

زنا کی تشریح فرمان نبوی سے:

”اللہ نے ابن آدم پر زنا میں سے اس کا حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ لامحالہ پانے والا ہے۔ پس آنکھوں کا زنا ان کا دیکھنا ہے۔ کانوں کا زنا ان کا سننا ہے، زبان کا زنا بولنا اور نفس تمنا اور خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب۔“

[بخاری]

حیا کی تعلیم:

① گھروں میں قرار سے رہو:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾

[الأحزاب : ٣٣]

”(عورتو!) اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو۔“

خلاصہ: یعنی گھروں میں قرار سے رہو اور بغیر ضروری حاجت کے گھر سے باہر نہ نکلو، اگر باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو بناؤ سنگھار کر کے بے پردہ ہو کر مت نکلو۔

② اپنی نگاہیں نیچی رکھو:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ﴾ [النور : ٣١]

''مسلمان عورتوں سے کہو وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔''

خلاصہ: اگر گھروں سے نکلنے کی ضرورت پڑے تو خیال رکھنا، اپنی نگاہیں بچائے رکھنا کہ دانستہ طور پر کوئی چیز نہ دیکھیں جس کو دیکھنے کی شرعاً ممانعت ہے۔

③ اوڑھنی پہن کر نکلو:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ﴾ [النور : ٣١]

''اور اپنے گریبانوں میں اپنی اوڑھنیوں کے بکل مارے رہیں اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں۔''

خلاصہ: جب کسی حاجت کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت ہو تو اپنے آپ کو اس طرح ڈھانپ لیا کرو کہ سر سے پاؤں تک سارا جسم پردے میں آجائے اور جسم کے نشیب وفراز بھی ظاہر نہ ہوں۔

④ بات میں نزاکت اختیار نہ کرو:

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾

[الأحزاب : ٣٢]

''تو بات کرنے میں نرمی نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے طمع کر بیٹھے اور وہ بات کہو جو اچھی ہو۔''

خلاصہ: جب غیر محرم سے بات کرنے کی ضرورت ہو تو انداز گفتگو نرم ونازک اور شوخ و بے باک نہ ہو، بات مطلب کی ہو مختصر ہو، اور روکھے پن کے ساتھ ہو۔

⑤ اظہار زینت کے لیے پاؤں زمین پر نہ مارو:

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ﴾ [النور : ٣١]

''اور اپنے پاؤں (زمین پر) نہ ماریں، تاکہ ان کی وہ زینت معلوم ہو جو وہ چھپاتی ہیں۔''

خلاصہ: جب گھروں سے نکلنے کی ضروت ہو تو اگر زیور (پازیب) پہنا ہے تو چلنے کی چال اس

طرح نہ ہو کہ پازیب کی آواز سنائی دے۔

⑥ شرم گاہوں کی حفاظت کرو:

﴿وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾ [النور: ٣١]

''اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔''

خلاصہ: اپنی عزت وناموس کی ہر صورت میں حفاظت کرو، اُن تمام بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرو جو شہوانی جذبات کو بھڑکانے والے ہوں، زنا کی طرف لے جانے والے ہوں۔

اسلام میں حیاء کی اس جامع تعلیم پر غور کیجیے، گھروں سے حاجت کے وقت ہی نکلنے کی تعلیم، اوڑھنی کے ساتھ ہی گھروں سے نکلنے کی اجازت، پھر نظروں کو آوارگی سے بچانے کی تلقین، بات چیت میں نزاکت ولطافت اختیار کرنے کی ممانعت اور چلتے وقت احتیاط کہ کہیں زیورات کی آواز ظاہر نہ ہو اور شرم گاہوں کی حفاظت کا حکم۔

اہم سوال:

اگر پردے کا حکم ''وقتی تدبیر تھی'' تاکہ مسلمان عورتوں کی الگ شناخت قائم ہو اور یہ کہ ان کو اوباشوں کے شر سے محفوظ رکھا جائے، اس کی بنیاد اگر آیت کے یہ الفاظ ''اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ'' (ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی) ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حیاء کی اس جامع تعلیم میں موجود باقی احکام بھی وقتی تدبیریں تھیں؟ مثلاً عورتوں کو گھروں میں قرار سے رہنے کا حکم، غض بصر کا حکم، بات چیت میں نزاکت اختیار نہ کرنے کا حکم اور چلتے وقت زمین پر اظہار زینت کے لیے پاؤں نہ مارنے کا حکم...... اگر آپ یہ کہیں گے کہ نہیں، یہ احکام مستقل اور دائمی ہیں، پھر ان ہی احکامات حیاء میں ایک حکم حجاب کو آپ کیوں وقتی تدبیر کہتے ہیں؟ آپ اپنی بات کے لیے جو دلیل دیتے ہیں جن قرآنی الفاظ سے ''استدلال'' کرتے ہیں وہی دلیل باقی چار احکامات کے متعلق بھی دی جا سکتی ہے، ان ہی الفاظ سے استدلال بھی کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں:

''ان آیتوں میں ''اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ'' کے الفاظ اور ان کے سیاق وسباق سے واضح ہے کہ یہ کوئی پردے کا حکم نہ تھا بلکہ مسلمان عورتوں کے لیے الگ شناخت قائم کر دینے کی ایک وقتی تدبیر تھی جو اوباشوں اور تہمت تراشنے والوں کے شر سے مسلمان عورتوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کی گئی۔''

ہم کہتے ہیں:

① یہ عورتوں کو گھروں میں قرار سے رہنے کا حکم اس لیے تھا کہ وہ گھروں سے نکلیں گی تو اوباش قسم کے لوگ ان کو شر پہنچائیں گے۔ ''اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ'' سے یہی وجہ اس حکم کی معلوم ہوتی ہے۔

② یہ عورتوں کو جو غضِ بصر کا حکم دیا گیا تو صرف اس لیے کہ وہ گھروں سے جب نکلیں گی تو اوباش قسم کے لوگ ان کی طرف دیکھ کر طرح طرح کے اشارے کر کے ان کو شر نہ پہنچائیں۔ ''اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ'' سے یہی وجہ اس حکم کی معلوم ہوتی ہے۔

③ یہ عورتوں کو بات چیت میں نزاکت اختیار نہ کرنے کی تعلیم اس لیے دی گئی کہ اُن کے نرم ونازک انداز گفتگو سے اوباش قسم کے لوگ ان کو شر پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔ ''اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ'' سے یہی وجہ اس حکم کی معلوم ہوتی ہے۔

④ یہ عورتوں کو چلتے وقت اظہار زینت کے لیے زمین پر پاؤں نہ مارنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہیں پازیب کی آواز سن کر اوباش قسم کے لوگ اُن کو شر پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔ ''اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ'' سے یہی وجہ اس حکم کی معلوم ہوتی ہے۔

سنجیدگی کے ساتھ سوچیے! اگر پردے کے متعلق یہ ''وقتی تدبیر'' (غامدی تدبیر) تسلیم کی جائے گی تو اس کی زد اسلام میں حیاء کی ہر تعلیم پر پڑ سکتی ہے۔

''اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ'' کے متعلق امین احسن اصلاحی کا فیصلہ:

''اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ'' کے متعلق جاوید احمد غامدی کے امام استاذ امین احسن اصلاحی

فیصلہ کن الفاظ میں لکھتے ہیں:

''اس ٹکڑے ''ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ'' سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ ایک وقتی تدبیر تھی جو اشرار کے شر سے مسلمان خواتین کو محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کی گئی اور اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اول تو احکام جتنے بھی نازل ہوئے ہیں، سب محرکات کے تحت ہی نازل ہوئے ہیں، لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ محرکات نہ ہوں تو وہ احکام کالعدم ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ جن حالات میں یہ حکم دیا گیا ہے کیا کوئی ذی ہوش یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس زمانے میں حالات کل کی نسبت ہزار درجہ زیادہ خراب ہیں۔ البتہ حیاء اور عفت کے وہ تصورات معدوم ہو گئے جن کی تعلیم قرآن نے دی تھی۔'' [تدبر قرآن، جلد۶، ص:۲۷۰]

آیت ۵۹ (سورۃ الاحزاب) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قرآن نے اس جلباب (چادر) سے متعلق یہ ہدایت فرمائی کہ مسلمان خواتین گھروں سے باہر نکلیں تو اس کا کچھ حصہ اپنے اوپر لٹکا لیا کریں تاکہ چہرہ فی الجملہ ڈھک جائے اور انھیں چلنے پھرنے میں بھی زحمت پیش نہ آئے۔ یہی ''جلباب'' ہے جو ہمارے دیہاتوں کی شریف بڑی بوڑھیوں میں اب بھی رائج ہے اور اسی نے فیشن کی ترقی سے اب برقعہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس برقعہ کو اس زمانہ کے دل دادگان اگر تہذیب کے خلاف قرار دیتے ہیں تو دیں لیکن قرآن مجید میں اس کا حکم نہایت واضح الفاظ میں موجود ہے جس کا انکار صرف وہی برخود لوگ کر سکتے ہیں جو خدا اور رسول سے زیادہ مہذب ہونے کے مدعی ہوں۔''

[تدبر قرآن، جلد۶، ص:۲۶۹]

پردہ شرعی حکم ہے:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا

تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ [الأحزاب : ۳۲، ۳۳]

''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم پرہیز گاری اختیار کرو تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی خیال کرے اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو۔ اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری کرو۔ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو! تم سے وہ گندگی کو دور کر دے اور تمھیں خوب پاک کر دے۔''

ان آیات میں اگر چہ ازواج مطہرات کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن یہ حکم دیگر مسلمان عورتوں کے لیے بھی اسی طرح ہے۔ امام ابن کثیر ؒ نے ان آیات کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے جس طرح کے تمام ائمہ سلف اور مفسرین کا موقف ہے کہ یہ وہ آداب ہیں جن کے اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے نبی کی بیویوں کو حکم دیا اور امت کی عورتیں اس سلسلے میں ان کے تابع ہیں (ابن کثیر)۔ ظاہر بات ہے ازواج مطہرات ہی امت کی عورتوں کے لیے نمونہ (Ideal) ہیں اور ان آیات میں جن پابندیوں کا ازواج مطہرات سے مطالبہ کیا گیا ہے ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جو دیگر خواتین سے مطلوب نہ ہو اور ان احکام کا مقصد جو ہے اس پر غور کیجیے: ''اللہ تعالیٰ تم سے ناپاکی دور کر کے تمھیں پاک کرنا چاہتا ہے۔'' کیا یہ مقصد صرف ازواج مطہرات کے لیے ہے یا پھر تمام مسلمان عورتوں کے لیے!؟ اور کیا یہ مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کی مستقل پابندی کیے بغیر حاصل کیا جا سکتا ہے!؟

① اگر جاوید احمد غامدی اس آیت جس میں بظاہر ازواج مطہرات ہی سے خطاب ہے، کے متعلق یہ کہیں گے کہ اس میں صرف ازواج مطہرات ہی سے خطاب ہے باقی مسلمان عورتیں اس میں شامل نہیں ہیں پھر سوال یہ ہوگا کہ جب ازواج مطہرات (ام

المومنین) کی نرم و نازک لب و لہجہ سے کج قلب لوگوں کے دلوں میں طمع پیدا ہو سکتی ہے تو باقی مسلمان عورتوں جن کو ازواج مطہرات کی حیثیت و عزت حاصل نہیں ہے ان کے نرم و نازک اندازِ گفتگو سے کج قلب لوگ اُن سے طمع کیوں نہیں کریں گے؟ ضرور کریں گے! پھر کیا یہ نرم و نازک انداز میں غیر محرم کے ساتھ بات کرنے کی ممانعت عام مسلمان عورتوں کے لیے بھی ہے؟ اگر جاوید احمد غامدی کہیں کہ ہاں ان کے لیے بھی ہے تو کیوں اُن کے لیے ہے، بظاہر تو وہ اس آیت میں مخاطب بھی نہیں ہیں؟ دوسری بات جب جاوید احمد غامدی پردے کی آیت جس میں مسلمان عورتوں سے بھی خطاب ہے اس میں ان کو ہمیشہ کے لیے شامل نہیں کرتے ہیں یہ کہہ کر کہ یہ ایک ''وقتی تدبیر تھی اوباش قسم کے لوگوں کے شر سے اُن کو محفوظ رکھنے کی۔'' یہاں بھی وہی بات کہی جاسکتی ہے جس کی طرف ہم پہلے ہی اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ نرم و نازک لہجے میں بات کرنے کی ممانعت اُن کو اوباشوں کے شر سے محفوظ رکھنے کی وقتی تدبیر تھی۔

④ ازواج مطہرات (ام المومنین) جو سب کی سب پیکر شرم و حیاء تھیں کو اپنے گھروں میں قرار سے رہنے کی تعلیم دی گئی ''جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں) میں اظہار زینت کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔'' جاوید احمد غامدی بتائیں کیا یہ گھروں میں ٹھہرے رہنے کا حکم بھی وقتی تھا اور کیا یہ حکم بھی صرف ازواج مطہرات ہی کے لیے خاص تھا؟

اگر یہ وقتی تدبیر تھی جو اوباشوں کے شر سے مسلمان عورتوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کی گئی تھی تو کیا جب اوباش قسم کے لوگ مدینہ میں ختم ہوں گے پھر ازواج مطہرات کو زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کر کے بے پردہ ہو کر گھروں سے نکلنے کی اجازت ہوتی؟ بے پردگی کے ساتھ اظہار زینت کرتے ہوئے گھروں سے نکلنا طریق جاہلیت تھا۔ اس آیت میں بظاہر ہر حکم ازواج مطہرات کے لیے ہے کہ وہ گھروں میں ٹھہری رہیں اور زمانہ جاہلیت کی طرح اظہار زینت کرتے ہوئے گھروں سے نہ نکلیں۔ کیا باقی مسلمان عورتوں کو گھروں سے اظہار زینت (تبرج) کرتے ہوئے نکلنے کی اجازت تھی؟ وہ اگر کہیں گے نہیں اُن کو بھی

اجازت نہیں تھی تو کیوں نہیں تھی، آیت میں اُن سے خطاب تو نہیں ہے؟ اگر وہ کہیں گے ہاں اجازت تھی تو کیا اسلام زمانۂ جاہلیت کی طرح مسلمان عورتوں کو بے پردہ ہو کر بناؤ سنگھار کے ساتھ گھروں سے نکلنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام میں طریق جاہلیت (تبرج) اختیار کرنے کی گنجائش ہے؟

جاوید احمد غامدی بتائیں کہ یہ ''وقتی تدبیر'' کب تک تھی؟ ''جب تک اوباش قسم کے لوگ مدینہ میں ہوں (اس کے بعد مسلمان عورتیں پھر وہ طریقۂ جاہلیت اختیار کریں گی)؟'' (انا للہ وانا الیہ راجعون) دنیا کے کسی بھی ملک میں کبھی بھی کیا اوباش قسم کے لوگ ختم ہوں گے؟ پھر مسلمان عورتوں کے لیے یہ چادر اور چار دیواری آخر کب تک؟ مسلمان عورت کب یہ چادر پھینک کر ''ترقی'' کا سفر شروع کرے گی؟ اوباش قسم کے لوگ ہر وقت ہر معاشرے میں قیامت تک موجود ہوں گے۔ پھر اس وقتی تدبیر کی مدت کب ختم ہوگی؟ یہ دنیا جو عملاً قحبہ خانہ میں تبدیلی ہو چکی ہے اور جرائم کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی ہے۔ یہاں ہر ۳ منٹ میں (امریکہ اور بھارت جیسے ممالک میں) عورتوں کے ساتھ چھیڑ خانی کا، ہر ۱۵ منٹ میں ایک عصمت دری کا اور ہر ۲۰ منٹ میں اغوا کاری کا واقع پیش آتا ہے......، کیا اس ''مہذب'' دنیا میں اب اسلام کی حیاء پر مبنی تعلیمات کی ضرورت نہیں رہی ہے؟ دوسری بات جاوید احمد غامدی یہ بھی بتائیں کہ اس ''وقتی تدبیر'' کو ختم کرنے کے احکام کیا ابوبکر و عمر فاروق یا عثمان و علی رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے جاری کیے ہیں یا پھر اُن کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ پردے کا حکم ''وقتی تدبیر'' تھی؟ یا یہ بھی ممکن ہے خلفائے راشدین کے دور میں مکہ اور مدینہ میں اوباش قسم کے لوگ موجود تھے؟ صحابہ کے بعد کیا تابعین، فقہائے سبعہ یا ائمہ اربعہ میں کسی نے اس ''وقتی تدبیر'' کو ختم کرنے کی بات کی ہے یا پھر یہ سب بھی پردے کے حکم کی اس ''وقتی تدبیر'' سے بے خبر ہی تھے؟

حیاء کی ان جامع اور دائمی تعلیمات کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح ازواج مطہرات سے گندگی دور اور ان کو پاک کرنا چاہتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ صرف ازواج مطہرات ہی کو پاک اور خوب پاک کرنا چاہتا ہے، دخترانِ رسول اور مسلمان عورتوں کو پاک ہونے کی ضرورت نہیں ہے؟ ظاہر بات ہے جس تعلیم سے ازواج مطہرات کو پاکیزگی حاصل ہوگی اسی تعلیم سے مسلمان عورتوں کو بھی ہمیشہ پاکیزگی حاصل ہوسکتی ہے۔ جس تعلیم سے ازواج مطہرات، دختران رسول اور صحابیات اوباشوں کے شر سے محفوظ رہ سکتی ہیں بالکل اسی تعلیم سے مسلمان عورتیں بھی ہمیشہ اوباشوں کے شر سے محفوظ رہ سکتی ہیں۔ اگر اُس وقت مسلمان عورتوں کو بے حیاء اور بے پردہ عورتوں سے الگ شناخت قائم کرنے کی ضرورت تھی، کیا آج جب عالم کفر کی عورتیں بالخصوص مغرب کی عورتیں بے پردہ ہی نہیں تقریباً بے لباس ہوگئی ہیں، مسلمان عورتوں کو اُن سے الگ شناخت قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا آج اُن کو پردہ کر کے کج قلب لوگوں کو یہ پیغام دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ بے حیائی اور استحصال کے لیے دستیاب نہیں ہیں اور وہ با حیاء شریف خواتین ہیں!؟

اب ہم قرآن مجید اور احادیث نبوی سے یہاں ثابت کریں گے کہ پردہ کرنا بالکل اسی طرح شرعی حکم ہے جس طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج شرعی احکام ہیں۔

پردہ کرنا شرعی حکم ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾

[الأحزاب : ٥٩]

”اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحب زادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر چادریں لٹکا لیا کریں۔ اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی، پھر نہ ستائی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“

﴿ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾

[النور : ٣١]

”اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بکل مارے رہیں اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں۔“

ہم یہ پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ اسلام نے جو حیاء کی جامع تعلیم دی ہے جس سے تمام ممکنہ محرکاتِ زنا پر روک لگ جاتی ہے، پردے کا حکم بھی اسی حیا کی تعلیم کا حصہ ہے۔ اس لیے اس کو حیاء کی تعلیم سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کی اوپر مذکورہ آیات کو پردے کے حکم کے بارے میں نص مانا جاتا ہے۔

”جلابیب“ ”جلباب“ کی جمع ہے، بڑی چادر جو جسم کو ڈھانپ لے۔ ”مِنْ“ (تبعیض کے لیے ہے) یعنی اپنی چادروں کا کچھ حصہ۔ جلباب اس کپڑے کو کہتے ہیں جو عام لباس کے اوپر اوڑھ لیا جاتا ہے مثلاً اوڑھنی، چادر وغیرہ۔ اہل علم کہتے ہیں جلباب سے مراد وہ چادر ہے جو اوڑھنی کے اوپر سے لٹکائی جاتی ہے جو مکمل جسم (سر، چہرے، سینے اور ہاتھ) کو اچھی طرح ڈھانپ لیتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، تفسیر قرطبی، تفسیر طبری) اس طرح جسم کو ڈھانپ لیا جائے کہ جسم کا پردہ بھی ہو اور جسم کے نشیب وفراز بھی ظاہر نہ ہوں، کیونکہ چہرے کے ساتھ ساتھ عورت کا سینہ اور کولہے ہی مرد کے لیے خاص کشش کا باعث ہوتے ہیں۔ اصل مقصد تمام اعضاء کو چھپانا ہے خواہ کسی بڑی چادر کے ساتھ چھپایا جائے، گھونگھٹ نکالا جائے، برقع اور نقاب پہن لیا جائے یا کوئی ایسا لباس جو عورت کو سر سے پاؤں تک ڈھانپنے والا ہو، تنگ یا باریک نہ ہو۔ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں امام ابن سیرین نے عبیدہ سلمانی سے آیت ”يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ“ کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے (اس کی عملی تفسیر بتاتے ہوئے) اپنے چہرے اور سر کو چھپا لیا اور اپنی بائیں آنکھ کو ننگا کر لیا۔

[تفسیر ابن کثیر]

”يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ“ ”أَدْنَى يُدْنِي“ کا معنی قریب کرنا ہے۔ ”عَلَيْهِنَّ“ کے لفظ سے اس میں لٹکانے کا مفہوم پیدا ہو گیا۔ اس لٹکانے سے مراد کیا ہے؟ طبری نے علی بن ابی طلحہ کی معتبر سند کے ساتھ ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرمایا: اللہ تعالیٰ نے

مومنوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی ضرورت کے لیے گھر سے نکلیں تو اپنے چہرے کو اپنے سروں کے اوپر سے بڑی چادر کے ساتھ ڈھانپ لیں اور ایک آنکھ کھلی رکھیں۔ [طبری]

شوکانی روایت کرتے ہیں کہ واحدی نے کہا کہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ عورتیں اپنے چہرے اور سر ڈھانپ لیں سوائے ایک آنکھ کے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ آزاد عورتیں ہیں (باحیاء شریف زادیاں) اور انھیں تکلیف نہ دی جائے۔ (تفسیر فتح القدیر)

قرطبی فرماتے ہیں: چونکہ عرب خواتین لونڈیوں کی طرح اپنے چہرے کھلے رکھتی تھیں جو مردوں کے لیے ان کی طرف دیکھنے اور خیالی انتشار کا باعث تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دے دیا کہ وہ انھیں اپنے اوپر چادریں لٹکانے کا حکم دیں جب بھی وہ کسی ضرورت کے لیے باہر نکلنے کا ارادہ کریں۔ (تفسیر قرطبی)

قاضی بیضاوی اس آیت "يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یعنی وہ اپنے چہروں اور جسموں کو اپنی چادروں کے ساتھ ڈھانپ لیں جب وہ کسی حاجت کے لیے باہر نکلیں۔ [تفسیر بیضاوی]

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو چادر اوڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ بدکار عورتیں نہیں ہیں، کیونکہ جو عورت اپنا چہرہ چھپائے گی حالانکہ چہرہ ستر میں داخل نہیں ہے، اس سے کوئی شخص یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ اپنا ستر غیر کے سامنے کھولنے پر راضی ہوگی۔ اس طرح ہر شخص جان لے گا کہ یہ باپردہ عورتیں ہیں، ان سے زنا کی امید نہیں کی جا سکتی۔"

[تفسیر کبیر]

زمخشری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں اور اس سے اپنے چہرے اور اپنے اطراف کو اچھی طرح ڈھانک لیں۔" (الکشاف)

شیخ شنقیطی فرماتے ہیں:

''جان لو کہ قرآنی دلیل کی رو سے تمام عورتوں پر حجاب واجب ہے۔ عورت کے حجاب اور چہرے سمیت مکمل جسم کو ڈھانپنے کی ایک قرآنی دلیل یہ آیت ''یُدْنِیْنَ عَلَیْہِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِہِنَّ'' ہے اور متعدد اہل علم نے اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ عورتیں اپنے مکمل جسم اور چہرے کو ڈھانپیں گی اور (راستہ وغیرہ) دیکھنے کے لیے صرف ایک آنکھ ظاہر کریں گی۔ یہ تفسیر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبیدہ سلمانی رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ دیگر اہل علم نے بھی بیان کی ہے۔'' [اضواء البیان فی ایضاح القرآن]

ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:

''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اجنبیوں سے اپنا چہرہ چھپانے کا حکم ہے اور اسے گھر سے نکلتے وقت ستر اور عفت کا اظہار کرنا چاہیے تاکہ مشتبہ سیرت وکردار کے لوگ اسے دیکھ کر کسی طمع میں مبتلا نہ ہوں۔'' [احکام القرآن]

علامہ عبداللہ نسفی فرماتے ہیں:

''اور آیت کے الفاظ (یُدْنِیْنَ عَلَیْہِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِہِنَّ) کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنے اوپر چادروں کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں اور اس طرح اپنے چہروں اور اپنے اطراف کو اچھی طرح ڈھانک لیں۔'' [تفسیر نسفی]

مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں:

''اس آیت نے بالصراحت چہرے کے چھپانے کا حکم دیا ہے جس سے اس مضمون کی مکمل تائید ہوگئی جو (پردے کے متعلق ہے) کہ چہرہ اور ہتھیلیاں اگرچہ فی نفسہ ستر میں داخل نہیں مگر بوجہ خوف فتنہ ان کا چھپانا بھی ضروری ہے۔''

[معارف القرآن]

''وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِہِنَّ عَلٰی جُیُوْبِہِنَّ'' میں ''خُمُر'' ''خمار'' کی جمع ہے، اس سے

مراد ہر وہ کپڑا ہے جس سے سر کو ڈھانپا جائے۔ انھیں آج کل لوگ اوڑھنی کہتے ہیں۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ مہاجر عورتوں پر رحم فرمائے جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ ''اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں۔'' تو انھوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر ان کی اوڑھنیاں بنا لیں۔ قرآن مجید کی ان آیات کی توضیح وتشریح مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا واقعۂ افک کے حوالے سے بیان کرتی ہیں:

صفوان بن معطل لشکر کے پیچھے پیچھے ہوتے تھے وہ صبح کے وقت میری جگہ کے قریب پہنچ گئے اور انھوں نے دیکھا ایک انسان سویا ہوا ہے لیکن جب وہ میرے قریب آئے تو انھوں نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے انھوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ (معلوم ہوا حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد مردوں کے لیے عورت کا چہرہ دیکھنا ناممکن ہو گیا تھا یعنی مسلمان عورتیں چہرے کا بھی پردہ کرتی تھیں۔ م۔ق) انھوں نے جب مجھے دیکھا تو ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا تو ان کے اس پڑھنے کی وجہ سے میں بیدار ہو گئی اور میں نے اپنی اوڑھنی کے ساتھ اپنے چہرے کو چھپا لیا ''فخمرت وجھی بجلبابی.'' [بخاری]

اس حدیث سے معلوم ہوا عہد نبوی میں آیت حجاب کے نزول کے بعد عورتیں چہرے سمیت اپنا مکمل جسم غیر محرم اور اجنبی لوگوں سے پوری طرح چھپایا کرتی تھیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احرام والی عورت نقاب اور دستانے استعمال نہ کرے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث ان دلائل میں سے ہے کہ عہد نبوی میں حالت احرام کے سوا عورتوں میں (چہرے کے پردے کے لیے) نقاب اور (ہاتھوں کے پردے کے لیے) دستانوں کا رواج عام تھا یہ چیز تقاضا کرتی ہے کہ عورتوں کو چہرے اور ہاتھوں کا پردہ کرنا چاہیے۔ [مجموع الفتاویٰ]

حافظ ابن حجر ان آیات اور احادیث کی بنیاد پر فرماتے ہیں: عورت پر اجنبی مردوں سے پردہ کرنا واجب ہے۔ [فتح الباری]

گھر کے اندر عورت کا پردہ:

گھر کے اندر ہاتھوں اور چہرے کے علاوہ عورت کا سارا جسم ستر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

''حضرت اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان کے جسم پر باریک کپڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: ''اسماء! عورت جب جوان ہو جائے تو اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ اس کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہیں آنا چاہیے۔'' [ابوداؤد]

گھر سے باہر عورت کا پردہ:

گھر سے باہر عورت کا سارا جسم سر سے لے کر پاؤں تک ستر میں شامل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورت (پوری کی پوری) ستر ہے، جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اسے اچھا (حسین وجمیل) کر کے دکھاتا ہے۔'' [ترمذی]

چادر کے بغیر عورت کی نماز نہیں ہوتی:

عورت کو نماز میں قمیض اور ازار کے ساتھ اوڑھنی بھی چاہیے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت فرمایا کہ ''عورت ازار کے بغیر کرتے اوڑھنی میں نماز پڑھ سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اگر کرتا لمبا ہو جس سے عورت کے قدموں کی پشت ڈھک جائے تو جائز ہے۔'' [حاکم]

حضرت اُم حرام نے نبی اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ

عورت کو کتنے کپڑوں میں نماز پڑھنی چاہیے؟ حضرت ام سلمہ نے جواب دیا: اوڑھنی اور لمبے کُرتے میں بشرطیکہ کُرتا پاؤں کی پشت ڈھانپ لے۔ [مالك]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بالغ عورت کی نماز چادر کے بغیر نہیں ہوتی۔" [ابو داؤد]

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے عورتوں کے لیے نماز میں بھی اوڑھنی ضروری تھی۔ عورتیں نماز مسجد یا گھر میں پڑھتی تھیں۔ ہم جاوید احمد غامدی سے پوچھتے ہیں مسجد اور گھر میں اُن کو کن اوباشوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے اوڑھنی پہننے کا حکم دیا گیا تھا؟ اور کیا جہاں اوباش نہ ہوں وہاں عورتوں کی نماز اوڑھنی کے بغیر ہو جائے گی؟ دوسری بات اگر یہ "وقتی تدبیر" تھی، پھر نماز کے لیے اوڑھنی کو کیوں لازم کر دیا گیا؟

"وقتی تدبیر" اور جنت سے محرومی:

غیر ساتر، باریک، تنگ اور مختصر لباس پہننے والی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> "جہنمیوں کی دو قسمیں میں نے ابھی تک نہیں دیکھیں، (زمانۂ رسالت میں آیاتِ حجاب نازل ہونے کے بعد مسلمان عورتیں مکمل پردہ کرتی تھیں) ان میں سے ایک وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیل کی دموں جیسے کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے۔ دوسری قسم ان عورتوں کی ہے جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔ وہ سیدھی راہ سے گمراہ ہونے والی اور دوسروں کو گمراہ کرنے والی ہوں گی۔ ان کے سر (جوڑے کی وجہ سے) بختی اونٹ کی کوہان کی طرح ٹیڑھے ہوں گے۔ ایسی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو پائیں گی، حالانکہ جنت کی خوشبو لمبے فاصلے سے آتی ہے۔" [مسلم]

سوال یہ ہے کہ اگر پردے کا حکم "وقتی تدبیر" تھی پھر اس بے پردگی پر جہنم کی وعید کیوں؟

حضرت مرجانہ کہتی ہے کہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اس وقت حضرت حفصہ ایک باریک اوڑھنی لیے ہوئے تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے پھاڑ دیا اور اس کی جگہ ایک موٹی چادر اوڑھا دی۔ [مالک]

اوپر مذکور قرآن مجید کی آیت اور احادیث نبوی سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ حجاب ایک شرعی حکم ہے جس پر عہد نبوی سے لے کر آج تک مسلمان عورتیں ہمیشہ عمل کرتی رہی ہیں۔ عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے دور میں بھی مسلمان خواتین کا یہی معمول تھا کہ وہ کسی بڑی چادر کے ساتھ اپنا جسم مکمل طور پر چھپا کر با حجاب ہی گھر سے باہر نکلتی تھیں اور گھروں کے اندر بھی غیر محرم مردوں سے پردے کا اہتمام کرتی تھیں اور گھروں میں محرم مردوں کے سامنے بھی صرف چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھتی تھیں۔ آثار صحابہ و تابعین اور متعدد فقہائے اسلام اور مفسرین سلف کی تشریحات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں پردے کا اہتمام سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کرتی تھیں۔ مسلمان خواتین ہر عہد میں مساجد، بازار اور سفر وغیرہ کے لیے گھر سے باہر نکلتے ہوئے چہرے پر نقاب پہنا کرتی تھیں۔ آج تک جاوید احمد غامدی اور ان کے ہم خیال لوگ ایک آیت یا حدیث، صحابہ اور تابعین کا اثر، فقہاء اور ائمہ کا کوئی قول یا مفسرین ومحدثین کی کوئی بات اپنے اس گمراہ کُن نظریہ کی تائید میں پیش نہیں کر سکے ہیں کہ ''پردے کا کوئی شرعی حکم نہیں ہے اس کو شرعی حکم کے طور پر پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے اور یہ کہ یہ ایک وقتی تدبیر تھی جس کا مقصد مسلمان عورتوں کو اوباشوں کے شر سے محفوظ رکھنا تھا'' بعض علمائے اسلام کے درمیان اگر اختلاف ہے تو وہ آیت ''اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' کی تشریح کے حوالے سے ہے، جس کی حقیقت صرف یہ ہے آیا عورت پر چہرے اور ہاتھوں کا پردہ بھی واجب ہے یا نہیں، مگر دونوں پھر اس بات پر متفق ہیں کہ چہرے اور ہاتھوں کا پردہ بہتر وافضل ہے۔[1] باقی سر سے پاؤں تک عورت کے

[1] عورت کا چہرہ اور ہاتھ ستر میں داخل نہیں ہیں، لیکن سدِّ ذرائع کے طور پر ان کا پردہ واجب ہے۔ ستر میں شامل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ان کا پردہ بھی نہ کیا جائے۔ جن علماء نے (جو زیادہ تر جدید نظریات کے حامل ہیں) چہرے کے پردے کو واجب نہیں کہا دراصل اُن پر حجاب اور ستر کی احادیث مشتبہ

حجاب کرنے پر علمائے اسلام میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ظاہر بات ہے جب بوڑھی عورتوں کو اس لیے کہ ان کو نکاح کی رغبت نہ ہو، نہ دوسروں کو ان سے نکاح کی دلچسپی رہے، رخصت ہے کہ وہ جلباب اور خمار استعمال نہ کریں بشرطیکہ اظہار زینت نہ کر رہی ہوں۔

پھر بھی اگر وہ جلباب اور خمار کا استعمال کرتی ہیں یعنی اس تخفیف "وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ" [النور : ٦٠] سے فائدہ نہیں اٹھاتی ہیں تو ان کے لیے یہی افضل ہے۔ جب بوڑھی عورتوں کے لیے بھی جلباب اور خمار میں مشروط تخفیف کی اجازت ہے۔ تو کیا جوان عورتوں کو جلباب/خمار کے بغیر گھر سے نکلنے کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ قرآن مجید اور احادیث نبوی سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مسلمان عورتوں کو پردہ کرنے کا شرعی حکم ہے اور اس کی حکمتوں اور مصلحتوں میں ایک مصلحت یہ ہے کہ بدکردار قسم کے لوگ ایسی با پردہ اور باحیاء عورتوں کے ساتھ کسی قسم کی شرارت کرنے کی جراٴت نہیں کر سکتے، یہ سوچ کر کہ یہ شریف زادی جو چہرہ اور ہاتھ بھی اجنبی مرد کو دکھانے کے لیے تیار نہیں ہے، بے حیائی کے کسی کام کے لیے کیسے تیار ہو سکتی ہے!؟ اس طرح اوباش قسم کے لوگ ان کے لیے پریشانی کا باعث نہیں بنیں گے۔

جاوید احمد غامدی اگر پردے کے حکم کو "وقتی تدبیر" قرار دیتے ہیں تو تعجب کی کوئی بات نہیں، وہ اسلام کے کئی آفاقی اور ابدی احکامات کو بھی وقتی اور زمانۂ رسالت کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں۔ مثلاً:

① رسول اللہ ﷺ اسلام کو صرف عرب ادیان پر غالب کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔

② رسول اللہ ﷺ کے بعد اب دنیا میں کسی کو کافر یا مشرک نہیں کہہ سکتے خواہ وہ منکر رسالت ہی کیوں نہ ہو۔

③ ارتداد کے لیے موت کی سزا صرف زمانۂ رسالت میں اسلام سے مرتد ہونے والوں کے لیے تھی۔

④ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، یہ حکم صرف زمانۂ رسالت کے لیے ہی خاص تھا۔

ہوگئیں۔ انھوں نے ستر اور حجاب کی احادیث کو خلط ملط کر دیا حالانکہ دونوں کا محلِ وقوع الگ الگ ہے۔ حجاب کا حکم الگ ہے اور ستر کا حکم الگ ہے۔

⑤ کفار کے ساتھ جہاد اور جزیہ کا حکم وقتی تھا اب یہ حکم باقی نہیں ہے۔
⑥ جنت کے لیے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی ضرورت صرف زمانۂ رسالت کے لوگوں کے لیے تھی۔
⑦ جلباب اور خمار کا حکم صرف ایک وقتی تدبیر تھی نہ کہ کوئی مستقل شرعی حکم۔
⑧ داڑھی متکبرانہ روش کی خلاف ورزی کرنے کی ایک وقتی تعلیم تھی۔

جاوید احمد غامدی کے ان گمراہ کُن نظریات کے بعد اگر تعجب ہوتا ہے تو صرف اس بات پر کہ وہ صلوٰۃ (صرف فرض نماز ہی سہی)، صوم (نماز تراویح کا انکار کرتے ہوئے ہی سہی)، زکوٰۃ (حکومت کو نصاب مقرر کرنے کا حق دیتے ہوئے ہی سہی) اور حج (ابراہیمی روایت کی تجدید ہی کے طور پر سہی) کے احکام کو ابدی احکام کیونکر مانتے ہیں؟ اور اس بات کے قائل کیوں ہیں کہ آج بھی مسلمانوں کو ان احکام کی پابندی کرنی چاہیے؟ جس قرآن مجید میں ان فرائض کا حکم ہے اسی قرآن مجید میں جلباب اور خمار کا بھی حکم ہے؟ رہی بات پردے کا حکم ''وقتی تدبیر'' تھی، یہ بات تو صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے:

- صلوٰۃ بنی اسمٰعیل کو فواحشات اور منکرات سے روکنے کی ایک وقتی تدبیر تھی۔
- صوم بنی اسمٰعیل میں تقویٰ کی صفت پیدا کرنے کی ایک وقتی تدبیر تھی۔
- زکوٰۃ بنی اسمٰعیل کو پاک وصاف کرنے کی ایک وقتی تدبیر تھی۔
- حج بنی اسمٰعیل کے لیے تقویٰ کو توشۂ زندگی بنانے پر آمادہ کرنے کی ایک وقتی تدبیر تھی۔

جاوید احمد غامدی ان چار عبادات کو کیسے آفاقی اور ابدی ثابت کریں گے؟ جن ادلۂ شرعیہ اور امت کے متواتر ومتوارث عمل کی بنیاد پر وہ ان چار احکامِ اسلام کو ابدی اور آفاقی قرار دیں گے انھی ادلۂ شرعیہ اور امت کے متواتر ومتوارث عمل کی بنیاد پر اہل علم نے ہمیشہ پردے کو عورتوں کے لیے شرعی حکم قرار دیا ہے اور ان کے لیے اس شرعی حکم کی پابندی واجب قرار دی ہے مگر وہ اس شرعی حکم کو ''وقتی تدبیر'' قرار دیتے ہیں۔

کیا صحابہ رضی اللہ عنہم سے داڑھی کے متعلق فرمان نبوی ﷺ سمجھنے میں غلطی ہوگئی؟

داڑھی ایک شرعی حکم ہے، یہ بات ہم قرآن مجید کی آیات، احادیث نبوی اور تعامل صحابہ سے ثابت کریں گے۔ پہلے یہاں جاوید احمد غامدی داڑھی کے متعلق کیا کہتے ہیں، وہ بیان کریں گے۔ جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

''داڑھی مرد رکھتے ہیں۔ نبی ﷺ نے بھی داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ آپ کے ماننے والوں میں سے کوئی شخص اگر آپ کے ساتھ تعلق خاطر کے اظہار کے لیے یا آپ کے اتباع کے شوق میں داڑھی رکھتا ہے تو اسے باعث سعادت سمجھنا چاہیے، لیکن یہ دین کا کوئی حکم نہیں ہے۔ لہٰذا کوئی شخص اگر داڑھی نہیں رکھتا تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کسی فرض و واجب کا تارک ہے یا اس نے کسی حرام یا ممنوع فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ نبی ﷺ نے اس معاملے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ داڑھی رکھنے کی ہدایت نہیں ہے، بلکہ اس بات کی ممانعت ہے کہ داڑھی اور مونچھیں رکھنے کی کوئی ایسی وضع اختیار نہیں کرنی چاہیے، جو متکبرانہ ہو۔ تکبر ایک بڑا جرم ہے۔ یہ انسان کی چال ڈھال، گفتگو، وضع قطع، لباس اور نشست و برخاست، ہر چیز میں نمایاں ہوتا ہے۔ یہی معاملہ داڑھی اور مونچھوں کا بھی ہے۔ بعض لوگ داڑھی مونڈھتے ہیں یا چھوٹی رکھتے ہیں، لیکن مونچھیں بہت بڑھا لیتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اسے پسند نہیں کیا اور اس طرح کے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ متکبرین کی وضع اختیار نہ

کریں، وہ اگر بڑھانا چاہتے ہیں تو داڑھی بڑھالیں مگر مونچھیں ہر حال میں چھوٹی رکھیں۔ انبیاء علیہم السلام سے جو ہدایت انسان کو ملی ہے اس کا موضوع عبادات ہیں، تطہیر بدن ہے، تطہیر خور و نوش اور تطہیر اخلاق ہے۔ نبی ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے تطہیر اخلاق کے مقصد سے فرمایا ہے۔ داڑھی سے متعلق آپ کی نصیحت کا صحیح محل یہی تھا۔ مگر لوگوں نے اسے داڑھی بڑھانے کا حکم سمجھا اور اس طرح ایک ایسی چیز دین میں داخل کر دی جو اس سے کسی طرح متعلق نہیں ہو سکتی۔"

[مقامات۔ طبع سوم، جولائی ۲۰۱۴ء۔ ص۔ ۳۸، ۲۳۷]

جاوید احمد غامدی جو کچھ کہتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے:

① داڑھی دین کا کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ داڑھی رکھنے کی ہدایت نہیں ہے۔

② داڑھی نہ رکھنے والا کسی فرض یا واجب کا تارک نہیں ہوتا اور مونڈھنے والا حرام اور ممنوع فعل کا مرتکب نہیں ہوتا۔

③ لوگوں نے اس ہدایت کو داڑھی بڑھانے کا حکم سمجھا اس طرح ایسی چیز دین میں داخل کر دی جو اس سے متعلق نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے مرد و زن دونوں کو بہترین شکل وصورت جو ان کی فطرت، نفسیات اور ضروریات کے مطابق ہے، پر پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ [التین : ٤]

"یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔"

مرد اپنی شکل وصورت اور وجاہت کے ساتھ اور عورت اپنی شکل وصورت اور حسن کے ساتھ بہترین تخلیق ہیں۔ مرد کے چہرے کو داڑھی کے ساتھ وجاہت بخشی گئی۔ یقیناً اس کی فطری خوبصورتی اسی وجاہت میں ہے۔ جبکہ عورت کے چہرے کو اس طرح بنایا کہ اس پر بال نہ ہوں اور عورت کی فطری خوبصورتی بلاشبہ اسی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ﴾ [المؤمن : ٦٤]

''اور تمھاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں۔''

جب ایک مرد داڑھی مونڈھتا ہے تو وہ چار طرح کے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے:

① اپنے فطری حسن جس پر اس کی تخلیق ہوئی ہے، کو بگاڑتا ہے۔

② اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔

③ داڑھی مونڈھ کر عورتوں کے ساتھ مشابہت کرتا ہے۔

④ تمام انبیاء کی سنت اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی مخالفت کرتا ہے۔

اب ہم ترتیب کے ساتھ ان باتوں پر قرآن مجید کی آیات، احادیث نبوی اور علمائے اسلام کی تشریحات پیش کریں گے۔

﴿وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ﴾ [النساء : ١١٩]

''اور ان سے کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی صورت کو بگاڑ دیں۔''

مرد کا فطری حسن یہ ہے کہ اس کے چہرے پر داڑھی اُگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ احسن الخالقین چاہتا تو عورت کے چہرے کی طرح اس کا چہرہ بھی اسی طرح تخلیق فرماتا کہ اس پر بال نہ اُگتے، مگر مرد کی وجاہت اور اس کے چہرے کو عورت کے چہرے سے ممیز کرنے کے لیے اس کے چہرے پر بال اُگائے۔ اس لیے جب کوئی مرد داڑھی مونڈتا ہے تو وہ اس تخلیق میں تبدیلی کا مرتکب ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق فرمائی ہے اور یہ کام ایک مرد صرف شیطانی ترغیب کی وجہ ہی سے کرتا ہے۔ جس طرح عورتیں بھی ابروؤں کے بال نوچتی ہیں، گدواتی اور حسن کے لیے دانتوں میں فاصلہ کرواتی ہیں اور اس طرح اللہ عزوجل کی خلق (پیدائش) کو بدلتی ہیں۔ آج کل جنس تبدیل کرنے کی انتہائی قبیح اور مکروہ رسم بھی چل پڑی ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان پر لعنت کرتے تھے اور فرماتے تھے میں اُن پر لعنت کیوں نہ کروں جن پر اللہ کے رسول نے لعنت کی ہے۔ جب ایک مرد اپنی داڑھی منڈواتا ہے تو وہ

اس طرح فطرت کی مخالفت کرتا ہے۔ فرمان نبوی ہے:

”دس کام امور فطرت میں سے ہیں، (ان میں سے یہ بھی ہیں) مونچھیں کاٹنا اور داڑھی کو چھوڑ دینا۔“ [مسلم]

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں داڑھی چھوڑنا امور فطرت سے ہے۔ جاوید احمد غامدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے متکبرانہ وضع اختیار نہ کرنے کی وجہ سے داڑھی چھوڑنے کے لیے فرمایا۔

امام ابن اثیر ”عشر من الفطرة“ حدیث نبوی کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

”اراد من السنة يعنى سنن الأنبياء التي أمرنا أن نقتدى بهم.“ [النهاية]

”مراد یہ ہے کہ یہ کام سنت ہیں یعنی انبیاء کی سنت ہیں جن کی اقتداء کا ہمیں بھی حکم ہے۔“

فطرت کی تشریح میں امام بیضاوی فرماتے ہیں:

”هى السنة القديمة التى اختار ها الأنبياء وتفقت عليها الشرائع وكأنها أمرجبلى فطروا عليه.“ [نيل الأوطار للشوكاني]

”اس سے مراد ایسی قدیم سنت ہے جسے تمام انبیاء نے اختیار فرمایا اور تمام شریعتیں جس پر متفق تھیں، گویا یہ ایسا فطری کام ہے جس پر وہ تمام لوگ پیدا کیے گئے تھے۔“

ایک قول یہ ہے کہ فطرت سے مراد دین ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نقل فرماتے ہیں کہ امام نووی نے شرح مہذب میں فرمایا ہے کہ امام ماوردی اور شیخ ابو اسحٰق نے بالجزم کہا ہے کہ اس حدیث میں فطرت سے مراد دین ہے۔

حافظ ابن حجر نقل فرماتے ہیں:

”اس حدیث میں فطرت سے مراد یہ ہے کہ جب تمام کام انجام دیے جائیں گے

تو ان کے کرنے والے کو اس فطرت کے ساتھ متصف کیا جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو پیدا کیا ہے۔ جس پر انھیں رغبت دلائی ہے اور جسے ان کے لیے پسند فرمایا ہے تاکہ اس کے بندے صفات میں اکمل اور صورتوں میں اشرف بن جائیں۔'' [فتح الباری]

خلاصہ یہ ہے کہ اہل علم کے نزدیک فطرت کے دو مفہوم ہیں: ایک اس سے مراد دین ہے اور دوسرا وہ سنت اور طریقہ جسے تمام انبیاء نے اختیار فرمایا ہے۔ بالفاظ دیگر مونچھیں کاٹنا اور داڑھی رکھنا تمام انبیاء کی سنت ہے اور ایسا دین ہے جس کا حکم نہ صرف امت محمدیہ کے لیے ہے بلکہ سابقہ تمام امتوں کے لیے بھی تھا۔ اس لیے داڑھی منڈوانا ایک دینی خلاف ورزی ہونے کے ساتھ ساتھ تمام انبیاء کی سنت کی بھی مخالفت ہے۔ سابقہ انبیاء کی داڑھی کا ثبوت قرآن مجید میں بھی موجود ہے:

﴿قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي﴾ [طٰه : ۹۳]

''(ہارون) نے کہا اے میرے ماں جائے بھائی! میری داڑھی نہ پکڑ اور سر کے بال نہ کھینچ۔''

شیخ شنقیطی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس میں داڑھی رکھنے اور اسے نہ منڈوانے کا ثبوت موجود ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چلا کہ ہارون کی داڑھی کے بال بہت ہوتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے اپنے بھائی (موسیٰ علیہ السلام) سے کہا: ''میری داڑھی مت پکڑیے۔'' اور اگر ان کی داڑھی منڈی ہوئی ہوتی تو ان کے بھائی اسے پکڑنے کی کوشش کبھی نہ کرتے۔''

[اضواء البیان]

جاوید احمد غامدی کی اس توجیہ پر غور کیجیے:

''بعض لوگ داڑھی مونڈتے ہیں یا چھوٹی رکھتے ہیں لیکن مونچھیں بہت بڑھا لیتے ہیں، نبی نے اسے پسند نہیں فرمایا۔ اس طرح لوگوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ متکبرین

کی وضع اختیار نہ کریں، وہ اگر بڑھانا چاہتے ہیں تو داڑھی بڑھالیں مگر موچھیں ہر حال میں چھوٹی رکھیں۔''

جاوید احمد غامدی داڑھی کو صرف متکبرانہ وضع کے خلاف ایک چیز بتا رہے ہیں جس کا انسان کی فطرت، مردانہ وجاہت، انبیاء کی سنت اور قرآن وحدیث کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے داڑھی مونڈنے والے کو تارک فرض نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی اس کو کسی فعل حرام کا مرتکب قرار دیا جاسکتا ہے۔

کسی کام کا شرعی حکم ہونا ظاہر بات ہے قرآن مجید کی آیات اور احادیث ہی سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اوپر ہم نے قرآن مجید کی آیات سے معلوم کیا کہ داڑھی مونڈنا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے کی مجرمانہ جسارت ہے جس کی ترغیب انسان کو شیطان مردود کی طرف سے ملتی ہے۔ دوم یہ کہ یہ خلافِ فطرت اور خلافِ سنتِ انبیاء بھی ہے۔ اس کے علاوہ داڑھی مونڈنا عورتوں کے ساتھ مشابہت بھی ہے، کیونکہ عورتوں کی فطرت ہے کہ ان کے چہرے پر بال نہیں اُگتے۔ عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا مردوں کے لیے حرام ہے۔

فرمان نبوی ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتوں اور عورتوں سے مشابہت کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے۔'' [بخاری]

داڑھی کا حکم رسول اللہ ﷺ کے قول اور فعل سے ثابت ہے اور رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل کی اطاعت اور اتباع کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے فرمان اور آپ کی سنت سے شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا تو پھر جاوید احمد غامدی بتائیں شرعی حکم کس طرح اور کس دلیل سے ثابت ہوتا ہے؟

فرمان رسول کی اطاعت:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾

[آل عمران: ۳۲]

''کہہ دیجیے! اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو، اگر یہ منہ پھر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔''

عملِ رسول کا اتباع:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [آل عمران : ٣١]

''کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابع داری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ معاف فرما دے گا۔''

رسول اللہ کا ہر فرمان شرعی حکم اور قابل اطاعت و اتباع ہے:

﴿وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر : ٧]

''اور تمھیں جو کچھ رسول دے لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ۔''

اس آیت اور اسی طرح کی کئی آیات نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کو تشریعی حیثیت دے دی ہے اور یہ شرط نہیں رکھی ہے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کے حکم کو قرآن مجید پر پیش کرو، جب قرآن مجید اس کی تائید کرے تب مانو، بلکہ اس طرح کی آیات سے حدیث نبوی کی مستقل تشریعی حیثیت ثابت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کا جو فرمان صحیح اسناد کے ساتھ مسلمانوں تک پہنچے اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے اس وقت تک رہنے دو جب تک تمھیں چھوڑے رکھوں، کیونکہ تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء سے سوال اور ان سے اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔ تو جب میں تمھیں کسی چیز سے منع کردوں تو اس سے دور رہو اور جب میں تمھیں کسی کام کا حکم دوں تو اس میں سے جتنا کر سکتے ہو کرو۔'' [بخاری]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد علقمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انھوں نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو جلد میں سوئی کے ساتھ نیل بھر کر

نقش و نگار بنانے والی ہیں اور جو بنوانے والی ہیں اور جو چہرے کے بال اکھاڑنے والی ہیں اور جو خوب صورتی کے لیے سامنے کے دانتوں میں فاصلہ بنانے والی ہیں۔ اللہ کی پیدا کردہ شکل کو بدلنے والی ہیں۔''

بنو اسد کی ایک عورت ام یعقوب کو یہ بات پہنچی تو وہ آئی اور کہنے لگی: مجھے پتا چلا ہے کہ آپ نے فلاں فلاں کام کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے؟ انھوں نے فرمایا: میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ کے رسول نے لعنت کی ہے جو اللہ کی کتاب میں موجود ہے؟ اس عورت نے کہا: میں نے دو تختیوں کے درمیان جتنا قرآن ہے سارا پڑھا ہے، مگر مجھے اس میں یہ بات نہیں ملی جو آپ کہہ رہے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم اسے پڑھتی تو تمھیں ضرور مل جاتی، کیا تم نے یہ نہیں پڑھا:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر : ۷]

''اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ۔''

اس نے کہا: کیوں نہیں؟ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔'' [بخاری]

فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں لٹکاؤ، مجوس کی مخالفت کرو۔'' [مسلم]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مونچھیں کترواؤ اور داڑھیوں کو معاف کردو (یعنی چھوڑ دو)۔'' [بخاری]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ۔'' [بخاری]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مونچھیں کترواؤ اور داڑھیاں پوری کرو۔'' [مسلم]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (داڑھی رکھنے کے حکم کے حوالے سے) روایات میں

پانچ طرح کے الفاظ ملتے ہیں:

"اعفوا۔ اوفروا۔ ارخوا۔ ارجوا" اور "وفروا."

ان پانچوں کا معنی یہی ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

[شرح مسلم للنووی]

داڑھی رسول اللہ ﷺ کی سنت:

جابر بن سمرہ کا بیان ہے:

"آپ ﷺ کی داڑھی کے بال بہت زیادہ تھے۔" [مسلم]

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی کے متعلق فرماتے ہیں:

"آپ ﷺ کی داڑھی بہت بڑی تھی۔" [حسن۔صحیح الجامع الصغیر]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"آپ ﷺ کی داڑھی بہت گھنی تھی۔" [البیہقی]

ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے بارش کے لیے دعا کی تو بارش برسنے لگی۔ صحابی کا بیان ہے: "حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ بارش کا پانی آپ کی داڑھی سے ٹپک رہا تھا۔"

[بخاری]

ایک روایت میں ہے کہ نماز میں قراءت کرتے ہوئے نبی ﷺ کی داڑھی ہلتی تھی۔

[بخاری]

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کی داڑھی لمبی تھی اسی وجہ سے ہلتی تھی۔

فیصلہ کن بات:

فرمان نبوی ہے:

((فمن رغب عن سنتي فليس مني)) [بخاری]

"جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔"

اگر یہ کہا جائے کہ مونچھیں کترانے اور داڑھی بڑھانے کا مقصد مجوسیوں اور مشرکین کی

مخالفت تھی نہ کہ کوئی ابدی شرعی حکم......، تو پہلی بات یہ سمجھنے کی ہے کہ ہم نصوص قرآن اور دیگر روایات سے ثابت کر چکے ہیں کہ داڑھی مرد کا فطری حسن ہے اس لیے اس کو مونڈنا اس فطری خوبصورتی اور وجاہت کو تباہ کرنا ہے۔ دوسری بات یہ کہ تمام انبیاء کی سنت ہے نہ کہ صرف سیدنا رسول اللہ ﷺ کی سنت۔ تیسری بات، اگر مان لیا جائے کہ داڑھی بڑھانے سے مجوسیوں اور مشرکین کی مخالفت مقصود تھی تو یہ کئی مصلحتوں میں ایک مصلحت ہوسکتی ہے۔ پھر بھی اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ مجوسی اور مشرکین موجود نہ ہوں تو داڑھی رکھنے کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا جب جزیرہ نما عرب سے تمام کفار نکل گئے اور وہاں صرف مسلمان ہی تھے، صحابہ نے داڑھی رکھنے کی سنتِ نبوی ترک کر دی تھی؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ داڑھی رکھی اور شرعی حکم جان کر رکھی ہے، جیسا کہ:

① ابوبکر رضی اللہ عنہ منہدی اور کتم (بوٹی) کے ساتھ اپنی داڑھی رنگا کرتے تھے۔ [مسلم]

② عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اپنی داڑھی منہدی کے ساتھ رنگتے تھے۔ [مسلم]

③ یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی بہت بڑی تھی۔ [مسلم]

④ امام سیوطی نے نقل فرمایا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی بہت ہی بڑی تھی۔ [تاریخ الخلفاء]

داڑھی کے متعلق ائمہ اربعہ کا فتویٰ:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے کہ داڑھی منڈوانا حرام عمل ہے جیسا کہ علامہ عبدالرحمٰن الجزیری نے اپنی کتاب "الفقه على المذاهب الأربعة" میں چاروں مذاہب کی یہی رائے نقل فرمائی ہے کہ "یحرم حلق اللحیه" داڑھی منڈوانا حرام ہے۔ "موسوعة فقهية كويتية" میں ہے کہ جمہور فقہائے حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور ایک قول کے مطابق شافعیہ کے نزدیک داڑھی منڈوانا حرام ہے۔ کیونکہ یہ عمل نبی کریم ﷺ کے داڑھی بڑھانے سے متعلقہ احکام کی خلاف ورزی ہے۔

داڑھی کے متعلق علمائے اسلام کا فتویٰ:

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ داڑھی منڈوانا مثلہ ہے جو جائز نہیں۔'' [مراتب الاجماع]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''داڑھی منڈوانا حرام ہے۔'' [الاختیارات الفقهیه]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے داڑھی منڈوانا جائز نہیں۔'' [مدارج السالکین]

علامہ ابن مفلح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''داڑھی منڈوانا جائز نہیں۔'' [مواهب الجلیل لشرح مختصر الخلیل]

ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مٹھی سے کم داڑھی کاٹنا (یا منڈوانا) جیسا کہ آج کل بعض مغرب زدہ عورتوں کی مشابہت کرنے والے مرد کرتے ہیں، کسی نے بھی اسے پسند نہیں کیا۔''

[رد المختار]

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''داڑھی منڈوانا، اسے کاٹنا یا اسے جلانا (سب) مکروہ تحریمی ہے۔''

[شرح مسلم للنووی]

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''داڑھی منڈوانا، اکھیڑنا (نوچنا) یا اسے بہت زیادہ کاٹنا جائز نہیں۔''

[فیض القدیر]

شاہ ولی اللہ محدث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''داڑھی کاٹ دینا مجوسیوں کا طریقہ ہے اور یہ اللہ کی تخلیق کو بدلنا بھی ہے۔''

[حجة الله البالغه]

شیخ ابن عثیمین فرماتے ہیں:

''لوگ داڑھی منڈوانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے حالانکہ یہ حرام ہے۔ ایک

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ یہ قابل تعزیر جرم ہے، کیونکہ اس نے ایک واجب کو ترک کیا ہے۔'' [الشرح الممتع علی زاد المستقنع]

شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس نے داڑھی منڈوائی اس نے نبی کریم ﷺ کے حکم کی نافرمانی کی۔''

[فتاوی اسلامیہ]

شیخ صالح بن عبدالعزیز آل شیخ فرماتے ہیں:

''داڑھی منڈوانا بالاجماع حرام ہے۔'' [شرح العقیدہ الطحاویہ]

سعودی مستقل فتویٰ کمیٹی:

''داڑھی منڈوانا حرام ہے اور ایسا کرنے والا فاسق ہے، کیونکہ اس نے اُن تمام احادیث کی مخالفت کی ہے جن میں داڑھی بڑھانے کا حکم موجود ہے۔ [1]

[فتاوی اسلامیہ]

قرآن مجید کی آیات فرمان نبوی اور سنت نبوی پر غور کیجیے، پھر صحابہ، ائمہ اربعہ، علمائے اسلام اور فقہائے دین کی آراء اور فتاویٰ بھی سامنے رکھیے اور داڑھی کے متعلق جاوید احمد غامدی کی گمراہ کن عبارت پر بھی غور کیجیے:

''داڑھی کوئی دین کا حکم نہیں ہے، کوئی شخص اگر داڑھی نہیں رکھتا اس نے کسی حرام یا ممنوع فعل کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔''

داڑھی کے متعلق شروع میں ہم نے جاوید احمد غامدی کی جو عبارت نقل کی ہے اس کی آخری سطر پر بھی غور کیجیے:

''مگر لوگوں نے اسے داڑھی بڑھانے کا حکم سمجھا اور اس طرح ایک ایسی چیز دین میں داخل کر دی جو اس سے کسی طرح متعلق نہیں ہو سکتی؟''

یہ کون لوگ ہیں جن کے فہم دین پر جاوید احمد غامدی سوال اُٹھا رہے ہیں اور ان پر یہ

---

1 لباس وحجاب کی کتاب از حافظ عمران ایوب لاہوری۔

الزام لگا رہے ہیں کہ انھوں نے ایک ایسی چیز دین میں داخل کر دی جو اس سے کسی طرح متعلق نہیں ہو سکتی؟ قرآن مجید کی آیات ہوں یا احادیث نبوی، ان کے سب سے پہلے راوی صحابہ کبار ہیں۔ وہ صحابہ کبار جن کی تعلیم و تربیت خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وفعل سے دی۔ وہ فرمان الٰہی اور فرمان نبوی وسنت نبوی کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ اگر کبھی کسی قرآنی آیت یا فرمان نبوی کو سمجھنے میں ان سے غلطی ہو جاتی تو رسول اللہ ﷺ خود ان کی تصحیح فرماتے اور دین مبین کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ان اوّلین راویانِ دین کے ذریعے کوئی ایسی بات دین کے طور پر لوگوں تک منتقل نہ ہو یا غلط طور پر منتقل نہ ہو جو فی الواقع دین سے متعلق نہ ہو یا منشائے نبوی کے خلاف ہو۔ یہی صحابہ کبار درسگاہِ نبوی سے فیض یاب ہونے والے لوگ ہیں جن کے فہمِ دین پر جاوید احمد غامدی نہ صرف سوال اُٹھا رہے ہیں بلکہ ان پر الزام لگا رہے ہیں کہ انھوں نے ایک ایسی چیز دین میں داخل کر دی جو اس سے کسی طرح متعلق نہیں ہو سکتی۔ پھر تابعین، تبع تابعین، فقہائے اسلام اور ائمہ اربعہ بھی رسول اللہ ﷺ کی داڑھی سے متعلق نصیحت کا صحیح محل نہیں سمجھ سکے اور یہ سب داڑھی کو شرعی حکم سمجھتے رہے۔ خود بھی اس پر عمل کرتے اور دوسروں تک بھی اس کو شرعی حکم کے طور پر ہی منتقل کرتے رہے۔ پھر ۱۴۰۰ سال بعد جاوید احمد غامدی نے ''داڑھی کے متعلق آپ ﷺ کی نصیحت کا صحیح محل سمجھا'' اور کہا ''یہ دین کا کوئی حکم نہیں ہے، یہ متکبرانہ وضع اختیار نہ کرنے کی ایک نصیحت تھی، مگر لوگوں نے اسے داڑھی بڑھانے کا حکم سمجھا۔'' جاوید احمد غامدی اپنے اس دعوے پر کوئی قرآن کی آیت، حدیث نبوی، اثر صحابہ یا فقہاء وائمہ کا قول تو پیش نہیں کرتے ہیں، بلکہ آپ ﷺ کی داڑھی کے متعلق نصیحت کا صحیح محل ان کو ۴۰ سالہ تحقیق (مطالعہ کتب) سے معلوم ہوا۔ ہمیں نہیں لگتا کوئی صحیح الدماغ مسلمان جس کو اللہ تعالیٰ نے فہم دین بخشا ہو اور وہ کچھ خوف آخرت بھی رکھتا ہو قرآنی آیات، فرمان نبوی، سنت نبوی، تعامل صحابہ اور فقہاء وائمہ کی تشریحات سے ثابت داڑھی کے شرعی حکم کے بارے میں جاوید احمد غامدی کی ہفوات کو کوئی اہمیت دے گا۔

جاوید احمد غامدی کی کتابوں (مجموعۂ تضادات وانحرافات) اور ان کی سرپرستی میں شائع

ہونے والے اخبارات اور ویب سائٹس پر دستیاب مواد پر پوری توجہ کے ساتھ غور کیجیے! جو بات آپ کے سامنے بالکل واضح طور پر آئے گی وہ یہ ہے کہ وہ سبیل المومنین سے انحراف کی راہ اختیار کیے ہوئے ہیں اور ان انحرافات سے اس نے ایک اللہ عزوجل کو چھوڑ کر پوری دنیا کو خوش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ظاہر بات ہے اس علمی دنیا میں جہاں ہزاروں جید اور مستند علمائے اسلام دنیا میں موجود ہیں ایک ایسے شخص جس کے پاس مطالعہ کتب کے علاوہ کسی بھی طرح کی کوئی علمی قابلیت نہیں ہے وہ اگر اسلام کے متعلق سلف صالحین اور سبیل المومنین ہی کی راہ اختیار کرے گا اس کو دنیا میں تو کیا خود اس کے اپنے گاؤں میں بھی کوئی نہیں پوچھے گا، اس لیے اگر وہ قرآن مجید کی معنوی تحریف کرتے ہیں، احادیث نبوی کی تشریعی حیثیت کا انکار کرتے ہیں اور اسلامی اصطلاحوں کا خانہ ساز مفہوم بیان کرتے ہیں۔ عقائد ہوں یا عبادات، معاملات ہوں یا احکام حلال وحرام سب امور میں صحابہ کبار، تابعین، تبع تابعین، فقہائے امت، ائمہ اربعہ، مفسرین ومحدثین اور جید علمائے اسلام سے اختلاف کرتے ہیں تو یہ ان کی ضرورت ہے کیونکہ اسی اختلاف (انحراف) کی وجہ سے آج اُن کو یہ شہرت اور دولت حاصل ہوگئی ہے۔ یہ شوقِ اختلاف ذوقِ شہرت ہی تو ہے۔ مثلاً:

یہود کو خوش کرنے کی کوشش:

وہ جنت میں جائیں گے اگر وہ خدا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، اچھے کام کرتے ہیں اور جرائم سے اجتناب کرتے ہیں۔ مسجد اقصیٰ پر یہود ہی کا حق ہے۔

نصاریٰ کو خوش کرنے کی کوشش:

وہ جنت میں جائیں گے اگر وہ خدا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، اچھے کام کرتے ہیں اور جرائم میں ملوث نہیں ہوتے۔ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں ان کا دوبارہ نزول نہیں ہوگا۔

ہندوؤں کو خوش کرنے کی کوشش:

ہندوؤں کو مشرک نہیں کہہ سکتے، مشرک وہ ہے جس پر شرک کی حقیقت واضح ہو جائے اور

وہ پھر بھی شرک کو بطور دین اپنائے رکھے۔ مسلمان لڑکی ہندو لڑکے کے ساتھ شادی کر سکتی ہے۔

وحدتِ ادیان کے علمبرداروں کو خوش کرنے کی کوشش:

دنیا میں کوئی آفاقی سچ نہیں۔ اسلام بھی کئی سچائیوں میں سے ایک سچائی ہے۔ لہٰذا کوئی اسلام کے الحق ہونے کا دعویٰ نہ کرے، کیونکہ اس سے تصادم و تنازع پیدا ہوتا ہے۔

قادیانیوں کو خوش کرنے کی کوشش:

غلام احمد قادیانی کافر نہیں ہیں، انھوں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، وہ ایک صوفی قسم کے آدمی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اب کسی کی تکفیر نہیں کی جا سکتی۔

عالم کفر کو خوش کرنے کی کوشش:

غلبۂ اسلام کے لیے کی جانے والی کوششوں کا کوئی دینی ماخذ نہیں اور اس طرح کی کوشش کرنا نہ دینی فریضہ ہے اور نہ ہی شرعی ذمہ داری۔ اب کفر کے خلاف جہاد کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

منکرین حدیث کو خوش کرنے کی کوشش:

حدیث سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا اضافہ نہیں ہوتا۔ حدیث سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ درجہ یقین کو نہیں پہنچتا۔ رسول اللہ ﷺ نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کا کوئی اہتمام نہیں کیا ہے۔ اسلام قرآن اور ۲۶ ابراہیمی روایات کا نام ہے۔

مستشرقین اور ان کے ہم خیال لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش:

رسول اللہ ﷺ صرف عرب ادیان پر اسلام کو غالب کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے اور آپ کی بعثت دین ابراہیمی کی تجدید کے لیے تھی۔ یہود ونصاریٰ کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں۔

سیکولر عناصر کو خوش کرنے کی کوشش:

ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ خلافت اور خلیفہ جیسی اصطلاحوں کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے اور نہ ہی اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے۔

بے ریش مردوں اور بے پردہ خواتین کو خوش کرنے کی کوشش:

اسلام میں پردے کا کوئی حکم نہیں ہے۔ پردے کو شرعی حکم کے طور پر پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ ایک وقتی تدبیر تھی مسلمان عورتوں کی الگ شناخت قائم کرنے اور ان کو اوباشوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے۔ داڑھی رکھنا دین کا کوئی حکم نہیں ہے۔

اسلام سے مرتد ہونے والوں کو خوش کرنے کی کوشش:

اسلام سے مرتد ہونے والوں کے لیے قتل کی کوئی سزا نہیں ہے۔ یہ قتل کی سزا زمانۂ رسالت میں اسلام سے مرتد ہونے والوں کے لیے تھی۔ توہین رسالت کی سزا بھی قتل نہیں ہے۔

مؤلف کا تعارف

ڈاکٹر محمد قاسم جموں وکشمیر کے معروف اسلامی اسکالر، حریت پسند رہنما اور مصنف ہیں۔ آپ نے مولوی فاضل، ایم۔ اے (علوم اسلامی) ایم۔فل (امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا تصور توحید) پی۔ ایچ۔ڈی (حدیث کی تشریعی حیثیت) کی ڈگری کشمیر یونیورسٹی سے حاصل کی ہے۔ آپ نے جن اساتذہ سے روحانی فیض اور علمی استفادہ کیا ہے ان میں مرشد حضرت عبدالرحمٰن میراب رحمہ اللہ، پروفیسر ڈاکٹر سید محمد یونس گیلانی، مولانا ڈاکٹر سید شہاب الدین اندرابی قاسمی (آپ کے والد نسبتی)، مولانا مفتی فیض الوحید قاسمی، مولانا مفتی غلام رسول قاسمی اور مولانا محمد یونس قاسمی خاص طور پر سے قابل ذکر ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی خدمتِ اسلام اور جموں وکشمیر کی مزاحمتی تحریک کے لیے وقف کر دی ہے۔ اور اس ''جرم'' کی وجہ سے آپ تاحیات اسیر کی حیثیت سے پچھلے ۲۳ سال سے جیل میں ہیں۔ آپ اکثر توحید کے علمی وعملی تقاضوں، شرک کی نظریاتی صورتوں، سیکولر سیاسی نظریات اور مسلکی اختلافات کی نوعیت جیسے موضوعات پر لکھتے ہیں۔ آپ نے دوران اسارت جو کتابیں لکھیں یا ایڈٹ کی ہیں ان کی فہرست یہ ہے:

① تفسیر احسن الحدیث (عم پارہ)

② ولادت سے عدالت تک

③ انسان کا تعارف

④ مسئلہ کشمیر کی شرعی حیثیت

⑤ داعی دعوت اور مدعو

⑥ مسلکی مساجد اور تفریق بین المومنین

⑦ کشمیریت اور اتحاد بین المسلمین

⑧ عقیدۂ توحید اور بھارتی انتخابات میں شرکت

⑨ تحریک احیائے خلافت

⑩ پاکستان ناگزیر تھا

⑪ وحی اور عقل

⑫ بانگ

⑬ قرآنی علاج

⑭ غامدی نظریات کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ

⑮ The Status of Sunnah.

⑯ Al-Tawhid.

⑰ To Resist Indian Occupation is Religious obligation.

⑱ Occupation not Accession.

⑲ The Origin of the Idea of Pakistan.

⑳ The Crito.

آپ کی بعض کتابیں ویب سائٹ www.muslimdeenimahaz.com پر بھی دستیاب ہیں۔

F: Dr. Muhammad Qasim

F: Muslimdeenimahaz